



۷۸۶

۹۲۱۱۰

یا صاحب الزماں اور کئی



# لیک یا حسینؑ

نذر عباس  
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

## اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

[www.sabeelesakina.co.cc](http://www.sabeelesakina.co.cc)

[sabeelesakina@gmail.com](mailto:sabeelesakina@gmail.com)

[www.ziaraat.com](http://www.ziaraat.com)

NOT FOR COMMERCIAL USE

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں  
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدر آباد پاکستان



# اسلام کی غلام نواری

تالیف

الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل



## فہرست مضامین

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر
۱۶	ایران میں غلامی، اہل چین اور	۱۰	کتابیات	۱
۴۶	غلامی، ہندوستان میں غلامی	۱۳	انتساب	۲
۴۸	مذاہب عالم میں غلامی کا رواج	۱۴	انہار شکر	۳
۴۸	غلامی اور ہندو مذہب	۱۶	پیش لفظ	۴
۵۰	غلامی اور یہودیت	۱۹	گفتار جواد	۵
۵۲	غلامی اور مسیحیت	۲۰	تقریظ	۶
۵۳	غلاموں کا مسیحی تخیل	۲۱	غلامی سے نجات	۷
۵۵	کیا یورپ نے غلامی کو مٹا دیا	۲۲	غلامی کی تعریف و اقسام	۸
۵۷	نسلی امتیاز اور مغرب	۲۳	غلامی کے رواج کے اسباب	۹
۶۲	اسلام عدالت و آزادی کا دین ہے	۲۴	غلامی کی نفسیاتی حیثیت	۱۰
	اسلامی مساوات پر معترضی	۲۵	غلامی کا اجتماعی و تمدنی پہلو	۱۱
۷۲	دانشوروں کا اعتراف	۲۰	غلاموں کی خرید و فروخت	۱۲
۷۴	اسلام اور غلامی	۲۲	غلامی پر ایک تاریخی نظر	۱۳
۸۱	تذکرہ غلامان اسلام	۲۳	یونان میں غلامی	۱۴
۸۱	غلامان رسولؐ	۲۴	روم میں غلامی	۱۵

## مشخصات

- ۵۔ نام کتاب: اسلام کی غلام فوازی
- ۵۔ مولف: الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگامی ممتاز الافاضل
- ۵۔ صفحات: ۴۰۸
- ۵۔ تعداد: ۱۰۰ (ایک ہزار)
- ۵۔ بار اول: اکتوبر ۱۹۹۸ء
- ۵۔ کتابت: سید علی قرکھنوی و شکیل احمد فیض آبادی
- ۵۔ مطبوعہ: اے۔ بی۔ سی آفسٹ پریس، حوض قاضی، دہلی (انڈیا)
- ۵۔ ناشر: اسکینڈے نیوین حسینی اسلامک ایسوسی ایشن، تروہمن، سویڈن
- ۵۔ زیر نگرانی: ادارہ اصلاح مسجد دیوان ناصر علی، مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ ۳
- ۵۔ زیر اہتمام: طلپبلنگ سینٹر، درگاہ حضرت عباسؑ، رستم نگر، لکھنؤ ۲۲۶۰۰۳
- ۵۔ قیمت: ۸۰ روپے



۱۶۶	۱۴۹	۷۶	۵۶	مہران
۱۶۶	۱۴۹	۷۷	۵۷	رباح
۱۶۹	۱۵۰	۷۸	۵۸	سفینہ
۱۷۰	۱۵۲	۷۹	۵۹	رویفیع
۱۷۱	۱۵۲	۸۰	۶۰	ابویسار
۱۷۳	۱۵۳	۸۱	۶۱	مابور
۱۷۵	۱۵۳	۸۲	۶۲	مدغم
۱۷۶	۱۵۴	۸۳	۶۳	فضالہ
	۱۵۵	۸۴	۶۴	کرکرہ
۱۷۸	۱۵۷		۶۵	امیر المومنین کا غلاموں سے برتاؤ
۱۸۳	۱۶۰	۸۵	۶۶	غلامان امیر المومنین
۱۸۴	۱۶۰	۸۶	۶۷	ابونیزر
۱۸۴	۱۶۰	۸۷	۶۸	عبداللہ بن مسعود
۱۸۵	۱۶۰	۸۸	۶۹	سعد و نصر
۱۸۷	۱۶۱	۸۹	۷۰	احمر، غزوہ بنی مینون
	۱۶۱	۹۰	۷۱	کنیزیں
۱۹۱	۱۶۱		۷۲	قنبر
	۱۶۳	۹۱	۷۳	جناب میثم تمار
۱۹۵	۱۶۴		۷۴	میثم کا قوم و قبیلہ، اسلام
۱۹۸	۱۶۵	۹۲	۷۵	میثم غلام تھے
				واقعہ کربلا میں غلاموں کی شمولیت اور ان کی شہادت

۱۱۸	۸۲	۳۶	۱۹	سلمان فارسی، نام، کنیت اور
۱۲۰	۸۳	۳۷		القاب، حلیہ، حسب و نسب
۱۲۱	۸۴	۳۸	۲۰	تعلیم و تربیت
۱۲۲	۸۵	۳۹	۲۱	تلاش حق
۱۲۳	۹۴	۴۰	۲۲	جناب سلمان کا اسلام و ایمان
۱۲۴	۹۶	۴۱	۲۳	آپ وصی عیسیٰ تھے، اخلاق
۱۲۷	۹۷	۴۲		واوصاف، سادگی، مساوات
۱۲۷		۴۳	۲۴	ضیافت، زہد و تقویٰ، صدقات
۱۲۸	۹۸	۴۴		سے اجتناب
۱۳۰	۹۹	۴۵	۲۵	رعب جلال، ازواج و اولاد
۱۳۱	۱۰۰	۴۶	۲۶	مدت حیات، وفات
۱۳۱	۱۰۳	۴۷	۲۷	زید بن حارثہ - نام و نسب
۱۳۲	۱۰۷	۴۸	۲۸	اسلام، شادی
۱۳۷	۱۰۹	۴۹	۲۹	ہجرت، غزوات، متفرق کارنامے
۱۳۷	۱۱۱	۵۰	۳۰	غزوہ موتہ اور شہادت
۱۳۷	۱۱۳	۵۱	۳۱	انتقام، اخلاق و عادات
۱۴۲	۱۱۴	۵۲	۳۲	حلیہ اور عمر، ازواج، اولاد
۱۴۶	۱۱۴	۵۳	۳۳	حضرت بلال بن رباح،
۱۴۸	۱۱۴	۵۴	۳۴	نام و نسب، اسلام، ابتلا و استقامت
۱۴۹	۱۱۵	۵۵	۳۵	آزادی، ہجرت، مؤذنی



۲۸۲	نصیر خادم	۱۴۱	۲۶۳	حضرت معروف کرخی	۱۲۶
۲۸۳	کافور خادم	۱۴۲		امام محمد تقیؑ اور غلاموں کے	۱۲۷
۲۸۳	کنیز کی موت کا علم	۱۴۳	۲۶۵	ساتھ آپ کا برتاؤ	
۲۸۴	آپ کے سراقہس کافور	۱۴۴	۲۶۵	کنیز کی خریداری	۱۲۸
۲۸۴	رعب امامت ایک ملازم کی زبانی	۱۴۵		وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں	۱۲۹
	وفات امامؑ اور عقیدہ خادم اور	۱۴۶	۲۶۷	شامل تھے۔	
۲۸۸	صبیقل کنیز کا بیان		۲۶۷	خیران قرطیسی	۱۳۰
۲۸۹	امام حسن عسکریؑ کے غلام اور کنیزیں	۱۴۷	۲۶۹	ریان بن شبیب	۱۳۱
	حضرت امام محمد ہدیٰ آخر الزمانؑ	۱۴۸	۱۷۱	ثقة الاسلام محمد بن ابی عمیر	۱۳۲
۲۹۱	اور غلامی		۲۷۳	حضرت امام علی نقیؑ کی غلام پروری	۱۳۳
	امام ہدیٰ کی مدت حکومت اور	۱۴۹		وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں	۱۳۴
۲۹۲	خاتمہ دنیا		۲۷۴	شامل ہیں	
۲۹۴	جعفر کے غلام نسیم کا بیان	۱۵۰	۲۷۴	احسین بن سعید کو فی اہوازی	۱۳۵
۲۹۴	نسیم خادمہ کی چھینک پر دعا	۱۵۱	۲۷۴	بو طیر	۱۳۶
۲۹۷	حسن بن وجان نصیبی کی روایت	۱۵۲		بغا غلام ترکی کے متعلق رسولؐ	۱۳۷
	امام حسن عسکریؑ کی وفات کے بعد	۱۵۳	۲۷۵	کی دعا	
	آپ کے عہد امامت کا آپ کے		۲۷۷	کافور	۱۳۸
۲۹۸	ایک خادم کی زبانی ایک واقعہ			امام حسن عسکریؑ علیہ السلام کا	۱۳۹
۳۰۰	کنیزی کے بارے میں اسلام کا نظریہ	۱۵۴	۲۸۰	غلاموں کے ساتھ حسن سلوک	
۳۰۱	جناب ہاجرہ	۱۵۵	۲۸۲	ابو حمزہ	۱۴۰

۲۲۷	امام محمد باقر علیہ السلام اور غلامی	۱۱۱	۲۰۰	منج ابن سہم	۹۳
	امام جعفر صادق علیہ السلام کا غلام	۱۱۲	۲۰۱	سعد مولیٰ عمرو بن خالد	۹۴
۲۳۲	اور کنیزوں پر لطف و کرم		۲۰۲	جابر بن حجاج	۹۵
۲۳۶	معلیٰ بن خنیس	۱۱۳	۲۰۲	حارث بن نبہان	۹۶
۲۴۵	حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور غلامی	۱۱۴	۲۰۲	سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبیدی	۹۷
	غلاموں اور کنیزوں کی پاکدامنی	۱۱۵	۲۰۳	سلیم	۹۸
۲۴۶	پر نظر		۲۰۳	شبیب بن عبداللہ	۹۹
۲۴۶	کنیز کی خریداری	۱۱۶	۲۰۳	قارب مولیٰ الحسن علیہ السلام	۱۰۰
۲۴۷	تمام زبانوں کا علم	۱۱۷	۲۰۴	نصر بن ابی نضر	۱۰۱
۲۴۹	امام موسیٰ کاظمؑ کے غلام	۱۱۸	۲۰۴	زاہر	۱۰۲
۲۵۱	علی بن یقین بن موسیٰ البغدادی	۱۱۹	۲۰۵	اسلم بن عمرو	۱۰۳
	وزیر اعظم علی بن یقین کو امام موسیٰ	۱۲۰	۲۰۶	شوزب	۱۰۴
۲۵۳	کاظمؑ کی فہمائش		۲۰۶	غلام ترکی	۱۰۵
۲۵۴	قید خانہ میں کنیز کا حال	۱۲۱	۲۰۷	جناب جون حبشی	۱۰۶
	حضرت امام علی رضا علیہ السلام	۱۲۲		امام زین العابدینؑ کا غلاموں	۱۰۷
۲۵۷	اور غلام نوازی		۲۱۰	کے ساتھ طرز عمل	
۲۶۰	کنیزوں سے سلوک	۱۲۳	۲۲۰	امامؑ کے اصحاب	۱۰۸
۲۶۲	اصحاب ثقة	۱۲۴	۲۲۰	سعید بن جبیر اسدی	۱۰۹
	روضہ امام رضاؑ پر غلام کی دعا کی	۱۲۵		امامؑ کے ایک حبشی غلام کی دعا	۱۱۰
۲۶۲	فوری قبولیت		۲۲۵	سے بارش کا ہونا	



۳۸۴	۲۰۲	۳۴۳	۱۹۱	آپ کے بیٹوں کے مختصر حالات	ولادت امام محمد تقی علیہ السلام
۳۸۶	۲۰۳	۳۴۳	۱۹۲	اسحاق بن جعفرؑ	جناب سمانہ خاتون
۳۸۶	۲۰۴	۳۴۴	۱۹۳	محمد بن جعفرؑ	اسم گرامی
۳۸۸	۲۰۵	۳۴۴	۱۹۴	امام موسیٰ کاظمؑ	جناب حدیثہ خاتون
۳۸۸	۲۰۶	۳۴۵	۱۹۵	دختر	آپ کا اسم گرامی
۳۹۰	۲۰۷	۳۴۵	۱۹۶	وفات اور مدفن	جناب نرجس خاتون
۳۹۰	۲۰۸	۳۴۶	۱۹۷	جناب نجمہ خاتون، اسم گرامی	آپ کا نام و نسب اور خدمت
۳۹۰		۳۴۶	۱۹۸	آپ کے حالات	امام میں حاضر ہونا
۳۹۹	۲۰۹	۳۸۰	۱۹۹	ولادت امام علی رضاؑ	ولادت حضرت امام مہدیؑ
		۳۸۱	۲۰۰	جناب خیزران، نام و نسب	صاحب العصر والزمانؑ
۴۰۶	۲۱۰	۳۸۲	۲۰۱	خدمت امام میں آپ کا آنا	تمت بالخیر

۳۵۲	۱۷۵	۳۰۹	۱۵۶	ام امین، نام و نسب	وفات، عمر
۳۵۳	۱۷۶	۳۱۵	۱۵۷	ماریہ قبطیہ، نام و نسب	اولاد
۳۵۴	۱۷۷	۳۱۵	۱۵۸	وطن	جناب شہربانو
۳۵۴	۱۷۸	۳۱۵	۱۵۹	اسلام لانے سے قبل کا مذہب	آپ کا خاندان
۳۵۵	۱۷۹	۳۱۶	۱۶۰	حالات	آپ کا نام
۳۵۶	۱۸۰	۳۱۷	۱۶۱	سمیہ بنت خطاب (اسلام کی پہلی شہیدہ)	آپ کے حالات
۳۶۱	۱۸۱	۳۲۳	۱۶۲	جناب فضہ، نام و نسب	آپ کی وفات
۳۶۳	۱۸۲	۳۲۳	۱۶۳	آپ کا وطن	جناب حمیدہ خاتون، نام و نسب
	۱۸۳	۳۳۳	۱۶۴	آپ کی شادی	خدمت جناب امام جعفرؑ میں
۳۶۳	۳۳۴		۱۶۵	آپ کا خدمت پیغمبر میں آنا	آپ کی آمد
۳۶۵	۱۸۴	۳۳۵	۱۶۶	خدمت فاطمہ زہراؑ	جناب حمیدہ کی عفت پر نصیحت
۳۶۵	۱۸۵	۳۳۷	۱۶۷	آپ کا زہد و تقویٰ و ورع	امام موسیٰ کاظمؑ کی ولادت
۳۶۹	۱۸۶	۳۳۸	۱۶۸	سورہ ہل اتی میں آپ کی شمولیت	اہل مدینہ کی تین دن دعوت
۳۶۹	۱۸۷	۳۳۹	۱۶۹	آپ کا علم و ہنر	دوسری روایت جناب
		۳۴۰	۱۷۰	آپ کا علم قرآن	حمیدہ خاتون کا خدمت
۳۶۹		۳۴۳	۱۷۱	آپ کے کرامات	امام میں پہنچنا
	۱۸۸	۳۴۵	۱۷۲	مصائب جناب سیدہ پر آپ کا گزار	جناب حمیدہ کے ذریعہ شیعوں کو
۳۷۱			۱۷۳	وفات جناب سیدہ کے بعد	امامؑ کی جانب سے نماز کے لیے تاکید
۳۷۱	۱۸۹	۳۴۷		آپ کی زندگی	امامؑ نے آپ کو اپنا وصی بنایا
۳۷۲	۱۹۰	۳۴۹	۱۷۴	واقعہ کربلا میں آپ کی شرکت	جناب حمیدہ خاتون کی اولاد



اس کتاب کے لکھنے میں جن کتابوں سے مدد لی گئی یا جن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

- ## ٥. دائرة المعارف

- ۶۔ اصول معاشیات

- ۷۔ سیاسیات کتاب اول باب ۴۰۶ ارسطو

- ۸۔ الاسلام والحضارة العربية جلد اول

- ۹۔ منوسمرفی

- ۱۰ مغربی تمدن کی ایک جھلک

- ۱۱۔ مناقب ابن شہر آشوب

- ۱۲۔ حیات القلوب

۱۳. اسد الغابہ

- ۱۴۰- اکمال الدین

۱۵. سلمان محمدی

- ١٤- طبقات ابن سعد

١٤. اصحابه في تميز الصحابه

۱۸. استیعاب

۲۰. بحار الانوار

- ٢١- روضة الواعظين

۲۲. مجالس المؤمنین

- ۲۳۔ کتاب صحابہ و تابعین

۲۴. مستدرک حاکم

- ۲۵۔ فوات القدس قلمی (رضا لائبریری رام پور)

- ۲۶۔ کتاب فضائل

٢٤. لوائح الامتحان

—

- اس کتاب کے لکھنے میں جن کتابوں کے مطالعہ سے مدد لگی ہے یا جن کے حوالے دیے گئے ہیں۔

- صحيح بخارى ۲۸

- ۱۹۔ حاجرین

- ۳۔ صحیح مسلم

۳. خطیب آل محمد

- سر۔ کامل بھائی

- ۳۱۔ رجال طوسی

- ۱۳- غلامان اسلام

- ۳۔ مسند امام احمد بن حنبل

۳. مسند الجواد

- ١٣٨ تهذيب التهذيب



# انتساب

میں

اپنی اس حقیر تالیف کو حامی اسلام و ایمان، ماحی آثار البعدیہ و  
الطغیان، ہادئ بنیہ الشکر و النفاق، حاصد فردغ البغی و الشقاق، نور بصر حضرت  
نرجس خاتون و نخت جگر حضرت امام حسن عسکری علیہ الصلوٰۃ والسلام، امام الانس و الانجاء  
خلیفۃ الرحمن شریک القرآن حضرت صاحب العصر و الزمان علیہ السلام، و سہل اللہ تعالیٰ  
مخبر سے منسوب کرتے ہوئے بارگاہ رب العالمین میں اپنے مرحوم والدین کے لیے جنت میں جوار  
محمد آل محمد میں اعلیٰ مقام کی دعا و درقارین کتاب سے ان کے ایصالِ ثواب کے لیے ایک  
سورۃ فاتحہ کی درخواست کرتا ہوں۔

غلام غلامان محمد و آل محمد  
مقبول احمد

- ۶۰۔ شواہد البیوت  
۶۱۔ نور الابصار  
۶۲۔ اعلام الوری  
۶۳۔ عیون المعجزات

- ۳۸۔ روضۃ الصفا  
۳۹۔ کنوز المعجزات  
۴۰۔ وسائل الشیعہ  
۴۱۔ رجال کشی  
۴۲۔ تاریخ الانبیاء  
۴۳۔ الارشاد شیخ مفید  
۴۴۔ شرح نہج البلاغہ  
۴۵۔ اعیان الشیعہ  
۴۶۔ شہداء کربلا  
۴۷۔ البصار العین  
۴۸۔ منتہی الاسماء  
۴۹۔ امامی شیخ صدوق  
۵۰۔ کشف الغمہ  
۵۱۔ صواعق محرقة  
۵۲۔ مطالب السؤل  
۵۳۔ فصل الخطاب  
۵۴۔ تاریخ فقہ  
۵۵۔ صادق آل محمد  
۵۶۔ مجانی الادب  
۵۷۔ اصول کافی  
۵۸۔ بصائر الدرجات  
۵۹۔ الخرائج و الجرائح



کی زندگی اور بعض دیگر معصومین کی زندگی کے بارے میں بعض واقعات اہل سنت کی کتابوں سے بعینہ انھیں الفاظ میں نقل کر دیے گئے ہیں۔ ناظرین کرام مجھے یہ سوچ کر معاف کر دیں گے کہ نقل کرنے والا تحریف نہیں کر سکتا البتہ مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔ "الغذر عند کرام الناس مقبول"

مقبول احمد عفی عنہ

## اظہارِ شکر

برادر عزیز الحاج مولانا سید محمد جابر صاحب قبلہ مدیر "اصلاح" کا میں سجد ممنون ہوں کہ انھوں نے میری اس کتاب کی اشاعت میں غیر معمولی دل چسپی سے کام کیا ہے، اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔ خداوند عالم انھیں طول عمر عطا فرمائے تاکہ تادیر قوم و مذہب کی خدمت ہوتی رہے۔

الحاج حجتہ الاسلام والمسلمین علامہ سید ذیشان حیدر صاحب قبلہ جوادی مدظلہ العالی کا میں شکر گزار ہوں جنھوں نے اپنے بے شمار مصروفیات کو نظر انداز کر کے میری خواہش پر قیمتی مقدمہ لکھ کر عنایت فرمایا۔ موصوف مجھے جو محبت فرماتے ہیں وہ میرے شکریہ سے بالاتر ہے۔ رب کریم ان کے سائے کو ہمیشہ قائم و دائم رکھے۔

میں جناب مولانا سید علی اختر صاحب قبلہ ممتاز الافاضل کا بھی احسان مند ہوں کہ انھوں نے جس خلوص و محبت کا اظہار اپنی تقریظ میں فرمایا ہے، اس کے شکریہ کے لیے میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ اللہ کرے جو توقعات موصوف کو اس ناچیز سے ہیں وہ پورے ہوتے رہیں۔

اگرچہ میں "پیش لفظ" میں بھی ناظرین کرام سے گزارش کر چکا ہوں کہ کتاب میں نقائص و معائب نظر آئیں تو مجھے مطلع فرمادیں تاکہ میں اصلاح کر سکوں میں ان تمام حضرات کا شکر گزار ہوں گا۔ کتاب میں جناب معصوم



میں مومنین کی جماعتیں اور انجمنیں کام کر رہی ہیں نماز، حجہ و جماعت، محافل و مجالس اور درس و تدریس قرآن مجید و ذیلیات ہو رہی ہے ایک وہ وقت بھی تھا جب اس پورے علاقہ میں ناچیزی مومنین کی مذہبی و دینی خدمات انجام دیتا تھا۔

میں یہ سوچ کر اپنے دل کو تسلی دے لیتا ہوں کہ اس درمیانی مدت میں خدا کو اپنے دین کی خدمت اسی عنوان سے لینا منظور تھی اس لیے جس تحریری کام کا آغاز بیس سال پہلے کیا تھا وہ ملتوی رہا۔

لیکن جس موضوع کا انتخاب میں نے کیا تھا اور جس ترتیب سے اس کو لکھنا چاہتا تھا اس موضوع پر کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری تھی اس لیے یہ موضوع اس طویل مدت میں بھی میرے دل و دماغ پر چھایا رہا بالآخر حالات و اسباب کی نامساعدت کے باوجود کمر ہمت باندھ ہی لی اگرچہ جیسا تو نہ پیش کرنا چاہتا تھا و یا تو نہ ہو سکا مگر بہر حال ایک کوشش ضرور کی ہے اب یہ ناظرین ہی بتائیں گے کہ میں اپنی اس کوشش میں کس حد تک کامیاب رہا۔

میری تمنا تھی کہ ایک ایسی کتاب ہو جس میں غلامی کا تاریخی جائزہ لینے کے بعد محمد و آل محمد علیہم السلام کا اپنے غلاموں کے ساتھ حسن سلوک اور ہر معصوم کے غلاموں اور کینزوں کی تعداد اور ہر ایک غلام و کینز کے مفصل حالات زندگی پیش کیے جائیں مگر کتابوں کی نایابی کے باعث نہ صحیح تعداد مل سکی اور جن غلاموں اور کینزوں کے نام دستیاب ہوئے تو ان میں اکثر کے تفصیلی حالات اور نہ تاریخ ولادت اور نہ تاریخ وفات، بس جتنے حالات مل سکے انھیں سے کام لے کر کتاب کو مکمل کر دیا ہے۔

آج جس دور سے ہم گزر رہے ہیں وہ اپنے حساب سے بے دینی، بے وفائی، بے حیائی، بد اخلاقی و بد اعمالی کا زمانہ ہے عصر حاضر کی لائی ہوئی اس گمراہی اور بے دینی میں سلف صالحین کے پاکیزہ کردار کی شدید ضرورت ہے اسی لیے میں اپنی بے کرداری و بے بضاعتی کے باوجود بقدر طاقت و امکان جو کچھ ہو سکا بیس سال قبل رام پور (ہندوستان) میں جس کام کا آغاز کیا تھا آج ترو بہ تن (سوئیڈن) میں انجام تک پہنچانے کی کوشش کر رہا ہوں

## پیش لفظ

کل امر مرہون بوقتہ اس میں شک نہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر ہوتا ہے زیر نظر کتاب کا خاکہ اب سے بیس سال قبل قیام رام پور کے دوران ذہن میں آیا تھا اور اس سے متعلق تھوڑا سا مواد ڈالا لیکن وہ ابھی نہ ہونے کے برابر ہی تھا کہ وطن سے ہزاروں میل دور شمالی یورپ (سوئیڈن) کا نامساعد حالات کی بنا پر سفر کو ناگزیر کیا گیا اسے بیس سال کا طویل عرصہ گزر گیا اور یہ کام عرض التوایں پڑا اب اس کا سبب یہاں کی مصروفیت کے علاوہ علمی مراکز سے دوری، علماء اسلام سے قطع روابط اور ان کی علمی صحبت سے محرومی اور کتابوں کا نقد ان تھا۔

بہر حال ہر بات میں خدا کی کوئی نہ کوئی مصلحت ہوتی ہے سوئیڈن جو دنیا کا بدنام ترین علاقہ سمجھا جاتا تھا اور نہ ہی حلقوں میں کوئی اس کا نام بھی لینا پسند نہیں کرتا تھا اللہ نے اپنے اس بے سواد و بے بضاعت حقیقہ ذیل بندے کے ذریعہ علی دنیا میں متعارف کرادیا اور اب نہ صرف ہندوپاک بلکہ ایران و عراق اور لبنان کے اکثر مذہبی رہنما اور حید علماء و خطباء بھی اس سرزمین کو اپنے قدم مبارک سے مشرف اور یہاں کے مومنین کو اپنے علمی بیانات سے فیضیاب فرما چکے ہیں اس وقت شہر ترو بہ تن میں شمالی یورپ (ناروے، ڈنمارک، فن لینڈ، سوئیڈن) کا اسلامک سینٹر (عالمی شان مسجد اور امام باڑہ) اپنی مثال آپ ہے جس کا سنگ بنیاد اس حقیقہ نے ۱۹۸۵ء میں رکھا تھا۔

خدا کا شکر ہے کہ آج اسکیڈے بنو بن مالک (سوئیڈن، ناروے، ڈنمارک) میں پانچ چھ علماء دین مستقل خدمت دین میں مصروف ہیں اور مختلف شیروں



## گفتار جوادی

فاضل جلیل مولانا مقبول احمد صاحب جو دور حاضر کے افاضل میں واقعاً ایک ممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور ان کا سب سے بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کو اپنے ہاتھ کی طاقت قرار دیا ہے جیب کی زینت نہیں بنایا ہے۔ موصوف کے بے شمار مضامین اور متعدد رسائل و کتب منظر عام پر آچکے ہیں اور ان میں سے بعض کا سرسری مطالعہ بھی میں نے کیا ہے۔ لیکن نہ جانے اس مرتبہ موصوف پر کون سا اخلاص طاری ہو گیا ہے کہ انھوں نے میرے اخلاص کا بھی امتحان لینے کا ارادہ کر لیا اور یہ حکم دے دیا کہ میں ان کی زیر نظر کتاب کا از اول تا آخر مطالعہ کروں اور اس کا ثبوت ان چند سطروں کے ذریعہ پیش کروں جو بطور تبصرہ یا تقریظ لکھی جائیں۔

میں ذاتی طور پر موصوف کے خدمات کا بھی احترام کرتا ہوں اور ان سے تعلق خاطر بھی رکھتا ہوں لہذا میرے لیے اس فرمائش کا ٹالنا ناممکن ہو گیا اور میں نے اپنے بے شمار مصروفیات کو نظر انداز کر کے ان کی کتاب کا عبوری مطالعہ کر لیا۔

مضامین کتاب کے بارے میں صحیح تبصرہ تو اس وقت ممکن تھا جب وہ تمام کتابیں میرے سامنے ہوتیں جن سے موصوف نے استفادہ کیا ہے اور انھیں اپنی تالیف کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن یہ میری اور ان کی مشترکہ محرومی ہے

اس طرح بیس سال قبل دیکھا ہوا خواب آج شرمندہ تعبیر ہو رہا ہے۔

مگر قبول افتد ہے عز و شرف

دنیاوی افکار و مشاغل میری راہ میں حائل رہے اس لیے حسب خواہش میں پوری لگن سے کام نہ کر سکا اگر آپ کو کتاب میں نقائص و معائب نظر آئیں تو مجھے مطلع فرادیں تاکہ آئندہ اصلاح کر سکوں۔

والسلام علی من اتبع الهدی

مقبول احمد عفی عنہ

۹ جنوری ۱۹۹۶ء مطابق ۱۱ شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ



کہ کتابوں کا فقدان ہم دونوں کے ملکوں میں ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ ان کا ملک غیر اسلامی کہا جاتا ہے اور میرا مسکن ایک اسلامی ملک ہے۔

پھر بھی کتاب کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ موصوف نے بے پناہ محنت سے کام لیا ہے اور اپنے امکان بھر مواد کے جمع کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ سلوک کے بارے میں جس ترتیب سے معصومین کا کردار پیش کیا ہے۔ یہ ان کا اردو زبان میں انفرادی کارنامہ ہے جو بہت دنوں تک یاد رکھا جائے گا اور آئندہ نسلیں بھی اسے نمونہ عمل کے طور پر استعمال کریں گی۔

کتاب میں بعض مخصوص نکات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے جنہیں عام طور سے تاریخ اسلام نے بھی نظر انداز کیا ہے اور مصنفین کرام بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ واقعہ افک کے بارے میں جناب ماریہ قبطیہ کے کردار کی وضاحت سے آپ نے ایک بہت بڑی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کی ہے اور ایک بہت بڑی دیوار عظمت کو گرا دیا ہے جو ریت کے ڈھیر پر اٹھائی گئی تھی اور جس کے ذریعہ بعض خواتین اسلام کو ممدوحہ قرآن مجید کا درجہ دیا جا رہا تھا۔

یہ صحیح ہے کہ کسی بھی پیغمبر کی ازواج میں ایسا کرداری نقص نہیں ہو سکتا ہے کہ جو پیغمبر کی ازدواجی زندگی کے شایان شان نہ ہو۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ کردار کی پاکیزگی کی ہر آیت کو کسی ایک خاص خاتون کی طرف موڑ دیا جائے اور باقی خواتین کی عظمت کو کردار کو یکسر انداز کر دیا جائے۔

اس مختصر تمہید کے بعد چند کلمات اصل موضوع سے متعلق درج کیے جا رہے ہیں۔

انسانی زندگی کا صحیح نقشہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں جملہ کمزوریوں کا مجبُو

بن کر آتا ہے۔ اس کے پاس نہ علم کی طاقت ہوتی ہے نہ جسم کی۔ یہ صحیح ہے کہ اس کی طبیعت میں طاقتوں کے بے شمار خزانے پائے جاتے ہیں لیکن سرد وہ ان تمام خزانوں سے بے خبر اور بیگانہ ہوتا ہے اور ہر صلاحیت کے ظہور میں دوسرے افراد کے سہارے کا محتاج ہوتا ہے۔ شاید یہی راز ہے کہ پیدا کرنے والے نے اسے دوسہاروں کے ذریعہ پیدا کیا ہے اور وہ اپنی زندگی کا راستہ اسی ”بسیاکھی“ کے ذریعہ طے کرتا ہے۔

اس کے بعد جیسے جیسے فطری صلاحیت سامنے آتی جاتی ہے اور کمزوری طاقت میں تبدیل ہوتی جاتی ہے اس کے اندر طاقت کا غرور بھی سر اٹھانے لگتا ہے اور وہ اس حقیقت سے آنکھیں بند کرنے لگتا ہے کہ اس نے کمزوری میں دوسروں کا سہارا لیا ہے تو طاقتور ہونے کے بعد اسے دوسروں کو سہارا دینا چاہیے۔ بلکہ اس کے برعکس وہ دوسروں سے کام لینے کو اپنا فطری حق سمجھنے لگتا ہے اور یہیں سے انانیت کا وہ سلسلہ شروع ہو جاتا ہے جو ایک دن ”نظام عبدویت“ تک پہنچا دیتا ہے اور انسان کو یہ خوش فہمی ہو جاتی ہے کہ اس کائنات میں ہم کام لینے کے لیے پیدا ہوئے ہیں اور باقی تمام لوگ ہماری خدمت کرنے کے لیے پیدا کیے گئے ہیں اور کھلی ہوئی بات ہے کہ انسان اس فہرست میں جب ماں باپ کو بھی شامل کر لیتا ہے تو دوسروں کا کیا ذکر ہے اور شاید اسی لیے کہا گیا ہے کہ اقتدار عظیم ہوتا ہے اور اس کی کوئی رشتہ داری نہیں ہوتی ہے۔

دنیا میں طاقت پیدا کر لینے کے بعد جب انسان کمزوروں کے استحصال کا کام شروع کرتا ہے تو وہ دونوں طرف سے لا محدود ہو جاتا ہے۔ نہ کمزوروں کے بارے میں معمولی سے معمولی حیثیت کا قائل ہونا چاہتا ہے اور نہ اپنے



بارے میں بڑے سے بڑے عہدہ سے راضی ہوتا ہے اور بالآخر ایک دن "انا ربکم الاعلیٰ" کا نعرہ لگا دیتا ہے اور پوری قوم کو اپنی غلامی میں لے لیتا ہے۔

## غلامی کا مفہوم

قانونی اعتبار سے غلامی اس نظام کا نام ہے جس میں ایک انسان کے ہاتھ میں دوسرے کا سارا اختیار ہوتا ہے اور دوسرے کے ہاتھ میں اپنی زندگی کا بھی کوئی اختیار نہیں ہوتا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ صورت حال سوچنے میں بھی انتہائی کمزور معلوم ہوتی ہے لیکن انسانیت کا ایک دور ان حالات سے گزر چکا ہے اور ایک دور ان حالات سے گزر رہا ہے۔ انفرادی غلامی کا دور تمام ہو چکا ہے اور اجتماعی غلامی کا سلسلہ تاحینوز جاری ہے اور بڑی طاقتیں چھوٹی طاقتوں کو ہر اختیار حیات سے محروم کیے ہوئے ہیں۔

اور شاید اس کا ایک راز یہ بھی ہے کہ کوئی انسان اپنے جملہ ضروریات حیات کا انتظام خود نہیں کر سکتا ہے اور اسے بہر حال دوسرے سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اب یہ اس کی مشرافت کا تقاضا تھا کہ جس سے کام لے اسے اپنے سے بالاتر تصور کرے اور اپنے کو کمزور محسوس کرے۔ لیکن اس نے اس مشرافت کے راستے کو چھوڑ دیا ہے اور شیطانی غرور میں مبتلا ہو کر اپنے کو اس سے بالاتر تصور کرنے لگا ہے جس کے رحم و کرم پر جی رہا ہے اور اس طرح کبھی ان کاشتکاروں کو غلام قرار دے لیتا ہے جن کی روٹی پر گزارا کرتا ہے اور کبھی ان ملکوں کو غلام سمجھ لیتا ہے جن کے پٹرول پر ترقی کی عمارت کھڑی کرتا ہے۔

اسلام نے غلامی کے ان دونوں پہلوؤں پر نظر کی ہے۔ اس نے یہ بھی دیکھا ہے کہ ایک دوسرے سے کام لینا سنت حیات ہے اور اسے یکسر تبدیل نہیں کیا جاسکتا ہے لہذا اس وقت تک نظام غلامی پر حملہ نہیں کیا جاسکتا جب تک دوسرا کوئی راستہ نہ نکل آئے اور دھیرے دھیرے مزدوری کے راستے کو کھولا تاکہ اسے غلامی کا بدل بنایا جاسکے اور اس کے ذریعہ ہر شخص اپنے اختیار سے کام کی نوعیت اور اجرت کی مقدار کا تعین کر سکے۔

اور یہ بھی دیکھا کہ غلامی کی یہ شکل ناقابل برداشت ہے لہذا اس نے ایک بالکل تازہ قانون ایجاد کیا کہ غلامی کی بنیاد طاقت اور کمزوری کے فرق کو نہیں قرار دیا بلکہ اس کی صحیح بنیاد بغاوت اور شرارت کو قرار دے دیا کہ اگر کوئی انسان عقل و منطق کی باتوں کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے اور نظام عدل و انصاف سے بغاوت پر آمادہ ہے اور طاقت کا استعمال کر کے نظام کو پامال کرنا چاہتا ہے تو اس کی سزا اس کی ذات تک محدود نہ رہے گی بلکہ جس طرح وہ نظام عدل و انصاف کے علمبرداروں کو قتل کرے ان کی نسل کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے اس طرح نظام عدل کو یہ اختیار ہوگا کہ وہ طاقت کے میدان کو فتح کر کے باغی کی نسل کا خاتمہ نہ کرے بلکہ اس کی نسل کی آزادی کا خاتمہ کر دے تاکہ وہ دوبارہ سر اٹھانے کے لائق نہ رہ جائے اور زندہ رہ کر سیدھے راستے پر آنے کی کوشش کر سکے۔

اسلام نے غلامی کے دائرہ کو میدان جنگ کے اسیروں تک اسی لیے محدود کر دیا ہے کہ وہ ہر وسیلہ سے غلامی کو برداشت نہیں کر سکتا ہے اور اپنے نظام پر قاتلانہ حملہ کو بھی مروت کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا ہے۔ اس نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ اگر کسی قوم نے عقل و منطق کے راستے کو چھوڑ کر طاقت کے



سہارے اسلام کو تباہ کرنا چاہا تو اسلام اس کی نسلوں کو تباہ تو نہ کرے گا کہ وہ شریک جرم نہیں ہیں لیکن ان کی آزادی کو بہر حال سلب کر لے گا تاکہ وہ جذبہ انتقام میں بزرگوں کے راستہ پر نہ چل سکیں اور اس طرح دشمن کو آگاہ کر دیا کہ اگر اس نسلی ذلت کے برداشت کرنے کا ارادہ ہے تو میدان جنگ میں قدم رکھو ورنہ شرافت سے عقل و منطق کے راستہ کو اختیار کر لو اور جو نظام زندگی مالک کائنات نے بنایا ہے اسے اس کے ملک میں رائج ہونے دو۔

دنیا کی غلامی اور اسلام کی غلامی کا بنیادی فرق یہی ہے کہ دنیا کی غلامی آزادوں کے اقتدار اور جذبہ حکومت سے پیدا ہوتی ہے اور اسلام میں غلامی غلاموں کے بزرگوں کی شرارت اور شیطنیت سے پیدا ہوتی ہے کہ وہ میدان جنگ کا رخ نہ کریں تو یہ سلسلہ یکسر ختم ہو سکتا ہے۔

اس کے بعد اسلام نے اس نکتہ کو بھی نظر انداز نہیں کیا کہ بہر حال بزرگوں کی شرارت کا تمام تر ذمہ دار بچوں کو نہیں بنایا جاسکتا ہے اور نہ اس کی سزا انھیں دی جاسکتی ہے۔ اس لیے اس نے غلاموں کے ساتھ بہترین سلوک کی دعوت دی اور کبھی انھیں قیدی دیکھ کر آزاد کرادیا اور کبھی انھیں فروخت ہوتے دیکھ کر اعلان کر دیا کہ شریف گھرانے کی عورتوں کو فروخت نہیں کیا جاسکتا ہے تاکہ یہ غلامی اور کنیزی صرف بزرگوں کی سزا کی حد تک رہے اور انھیں یہ صدمہ رہے کہ ہماری اولاد حزب مقابل کے ہاتھوں میں غلام و کنیز ہو گئی ہے اور غلام و کنیز کو یہ احساس نہ ہونے پائے کہ ہمیں ناکہ دہ گناہ کی سزا دی جا رہی ہے۔

ائمہ معصومین کے حیات طیبہ اس حقیقت کی بہترین شاہد ہے کہ اسلام غلاموں کے ساتھ کسی طرح کی بدسلوکی نہیں چاہتا ہے اور ان کے ساتھ ایسا سلوک کرنا چاہتا ہے کہ اگر انھیں آزاد بھی کر دیا جائے تو وہ مالک کا گھر چھوڑ کر

جانے پر آمادہ نہ ہوں جس کی بے شمار مثالیں تاریخ اسلام میں موجود ہیں۔ اس کے بعد اسلام نے اصلاح معاشرہ میں بھی اس عنصر کو نظر انداز نہیں کیا ہے اور مختلف جرائم کے کفارہ میں غلاموں کی آزادی کو رکھ دیا ہے تاکہ غلاموں کو یہ احساس عزت بھی ہو کہ معاشرہ کی اصلاح میں بھی ہمارا حصہ ہے اور ہماری آزادی کا خوف نہ ہوتا تو لوگ بہت سے جرائم سے پرہیز بھی نہ کرتے اور ہماری آزادی کا تصور ہی ہے جو انھیں ان جرائم سے روکے ہوئے ہے اور وہ ہمیں اپنی زندگی کی عظیم ترین ضرورت محسوس کر رہے ہیں۔

## نسلی برتری

واضح رہے کہ نظام غلامی کا کوئی تعلق نسلی امتیاز سے نہیں ہے اور نہ یہ کوئی قانون ہے کہ غلام اور کنیز ہمیشہ پست خاندان کے افراد ہی ہوں گے۔ غلامی ایک سزا ہے جو ہر دشمن اسلام اور مذہب سے برسر پیکار ہونے والے کو دی جاسکتی ہے جو اس کے مقابلہ پر آجائے چاہے اس کا خاندان کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو اور اس کا نسب کسی قدر شریف کیوں نہ ہو۔

نسلی برتری کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور غلامی کا تعلق اس کی اجتماعی حیثیت سے ہے لہذا یہ عین ممکن ہے کہ انسان نسلی برتری کا بھی حامل ہو اور غلام بھی بن جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ انسان آزاد ہو اور اس میں کسی طرح کی نسلی شرافت و برتری کا تصور نہ ہو۔

اسلام میں سیادت کے احترام کا غلامی کے نظام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ اس نے کسی سید کو یہ اختیار دیا ہے کہ وہ دوسرے افراد کو اپنا غلام تصور کرے اور ان کے ساتھ غلامانہ برتاؤ کرے۔ یہاں تو حقیقی سردار جنت بھی اپنے



نے جناب معصومہ عالم کی زندگی اور بعض دیگر معصومین کی زندگی کے بارے میں بعض واقعات اہل سنت کی کتابوں سے اس انداز میں نقل کر دیے ہیں جس انداز سے ان کتابوں میں درج تھے اور ان کے بعض ان پہلوؤں پر نظر نہیں کی ہے جن سے کہ دار عصمت کے بارے میں غلط فہمی کا خطرہ پیدا ہوتا ہے لیکن بہر حال ناظرین کرام ان حقائق کو خود بھی جانتے ہیں اور مولف کو بھی اس لیے معاف کر سکتے ہیں کہ نقل کرنے والا تحریف نہیں کر سکتا ہے۔ البتہ یہ اشارہ کر دینا زیادہ مناسب تھا کہ مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے اور غالباً یہ بات پوری کتاب پڑھنے کے بعد مولف کے بارے میں بغیر کہے بھی سمجھی جاسکتی ہے اور مزید وضاحت کی ضرورت نہیں ہے۔

والسلام علی من اتبع الهدی

(علامہ) سید ذیشان حیدر جوادی (رحمہ اللہ)

ابوظہبی

۱۸ ذی الحجۃ الحرام ۱۴۱۸ھ

غلاموں اور کنیزوں کو رشتوں سے یاد کرتے ہیں اور انھیں رشتہ داروں کی جگہ پر رکھتے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ہماری نسلی شرافت و برتری سرکارِ دو عالم سے رشتہ کی بنیاد پر ہے اور ان افراد کی غلامی اور کنیزی ایک اجتماعی اور سماجی مسئلہ ہے۔ ان دونوں کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور یہ غلام ہونے کے باوجود اپنی قوم کے شریف و سردار ہو سکتے ہیں۔ اس کے لیے کسی نسلی کمزوری اور پستی کی ضرورت نہیں ہے۔

یہیں سے اس حقیقت کا بھی اندازہ ہو جاتا ہے کہ تاریخ ائمہ میں اگر بعض کنیزوں کا تذکرہ ملتا ہے اور انھیں واقعاً کنیز تصور کر لیا جائے تو بھی یہ ان کی سماجی حیثیت کا اعلان ہے۔ اس کا ان کی نسلی برتری سے کوئی تعلق نہیں ہے اور یہ عین ممکن ہے کہ ان کا تعلق کسی عظیم شاہی خاندان سے ہو یا ان کا سلسلہ نسب کسی وصی پیغمبر سے ملتا ہو۔

اس بنیادی نکتہ کے نہ سمجھنے کا یہ نتیجہ تھا کہ بعض یہود اہل قلم نے اس موضوع کو تو بین معصوم کا وسیلہ قرار دے لیا اور اپنی چالاکت کا احساس کرنے کے بجائے ان کی عظمت کو مجروح بنانے کی کوشش شروع کر دی۔

اسلام میں سیادت ایک بہترین شرف ہے اور اس کے اپنے احکام بھی ہیں۔ لیکن اس کا مفہوم نہ دوسرے افراد کی غلامی ہے اور نہ اس نسب شریف کے حامل افراد کی اسلامی قوانین سے بالاتری ہے۔ قانون اسلام قانون الہی ہے۔ اس کی پابندی ہر فرد بشر پر واجب ہے چاہے وہ کسی نسل و نسب سے تعلق رکھتا ہو بلکہ شریف نسب والوں پر اس کی ذمہ داری زیادہ ہے کہ خاندان رسالت ہی قانون پیغمبر کا احترام نہ کرے گا تو دوسرا کون کرے گا۔

آخر میں اس نکتہ کی طرف بھی اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ فاضل مولف



بیشتر مواقع حاصل ہوئے ہوں گے۔ زمانہ طالب علمی میں مدرسہ ناظمیہ کا متین، سنجیدہ اور خشک وجود آج بھی نگاہوں میں ہے۔ پھر کبھی آپ سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ البتہ صحافت کے ذریعے نصف ملاقات ہوتی رہی۔ زیر نظر کتاب میں موصوف نے اپنے متین اور سنجیدہ اسلوب کے ذریعہ اس کا تحلیل و تجزیہ پیش کیا ہے۔ لیکن وجود کی خشکی کے بجائے طرز نگارش میں تازگی اور دل کشی ہے۔ موضوع کی اہمیت اور نزاکت کے پیش نظر اسے جس حسین اور دل نشین پیرایہ بیان میں ہونا چاہیے۔ کتاب ان تمام خوبیوں سے آراستہ ہے۔ کتاب کے مطالعے کے بعد اس کی افادیت اور قدر و قیمت کے بارے میں ناظرین کو میری تائید کیے بغیر چارہ نہ رہے گا۔

خدا کے بارگاہ میں دعا ہے کہ مولانا آج کے ضروری مسائل سے متعلق موضوعات پر ایسی ہی کہ انقدر کتابیں لکھتے رہیں تاکہ ہمارا ذوق مطالعہ وسعت پذیر ہو کہ تبدیلیوں سے دوچار ہو۔

سید علی اختر رضوی  
ممتاز الافاضل

بسمہ سبحانہ

## تقریظ

مغربی تمدن نے اسلام کے خلاف جو کچھ زہر افشانی کی ہے اس کا بیشتر حصہ مسئلہ غلامی سے مخصوص ہے۔ اور یہ مسئلہ واقعی اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایسا ہے کہ اس کے ذریعے بہت زیادہ غلط فہمیاں پیدا کی جاسکتی ہیں۔ مغرب نے اپنے زیر اثر اور غلام ممالک میں صدیوں پہلے سے منفی پروپیگنڈہ کر کے ذہنوں کو ایسا بظن کر رکھا ہے کہ غیر ہی نہیں، اپنے بھی مسئلے کو گہرائی سے سمجھے بغیر غیر ذمہ دارانہ رائے ظاہر کر بیٹھتے ہیں۔ اس موضوع پر اردو میں کسی مستقل تشفی بخش کتاب کے فقدان یا کمی کی وجہ سے علماء کی بھی الجھن ناقابل بیان ہے۔ ہمارے معاشرے کا ایک دوسرا المیہ یہ ہے کہ تصنیف و تالیف کا میدان اس قدر محدود ہے کہ اس قسم کے حساس عصری مسائل کا خیال تک نہیں آتا ہے جب کہ اس کی ضرورت بلکہ شدید تر ضرورت کا ہر مذہبی اور ہر عالم کو احساس ہے۔

رئیس المبلغین عالی جناب الحاج مقبول احمد صاحب قبلہ نوگافوی ایک طویل عرصے سے یورپی، مغربی اور افریقی ممالک میں تبلیغی فرائض انجام دے رہے ہیں۔ موصوف اس میدان کے شہسوار ہیں اور تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی اپنی عظمت و افادیت کا سکہ جاتے ہوئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کو اس مسئلے کے حساس اور باریک پہلوؤں کو سمجھنے اور برتنے کے



سلط پر وپیگنڈوں کو بغیر کسی غور و فکر کے باسانی قبول کر لیا گیا۔

اسلام اگر یکسر غلامی کے خاتمہ کی بات کرتا تو عملاً یہ ممکن نہیں تھا اس لیے کہ سب اس کے ماننے والے نہیں تھے بلکہ اس سلسلہ میں جو دور رس فوائد حاصل ہوئے وہ بھی نہ حاصل ہو سکتے تھے۔ مسلم قیدی جس دوسرے معاشرے میں قید ہو کر گئے وہاں انھوں نے محاسن اسلام پھیلانے اور جو غیر مسلم قیدی مسلمانوں کی تحویل میں آئے یہاں انھوں نے محاسن اسلام کی تعلیم حاصل کی اور حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اس سنہری تاریخ سے تاریخ کا طالب علم ناواقف نہیں ہے۔

اسلام میں غلام فروشی کی روایت خال خال ہی ملتی ہے۔ البتہ ہمارے ائمہ اہلار علیہم السلام جن کی سیرت ہی اصل اسلام ہے اس میں یہ بات بالخصوص نظر آتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ غلام خریدے جاتے تھے اور انھیں معمولی معمولی بات پر زیادہ سے زیادہ آزاد کیا جاتا تھا۔ ہماری فقہ میں متعدد گستاخوں کی سزا غلاموں کی آزادی قرار دی گئی۔ مثلاً بغیر کسی عذر شرعی کے ماہ صیام کا روزہ ترک کرنا یا اللہ سے کیے گئے عہد و پیمان کو توڑنا۔

اگر اسلام میں غلامی کی رسم کو یکسر ختم کر دیا جاتا تو وہ بہت سے غلام جو غیر مسلموں کی تحویل میں تھے آزادی حاصل کرنے کی نعمت سے مستقل محروم رہ جاتے لہذا حکمت عملی ایسی اختیار کی گئی جس کے ذریعہ غلاموں کی آزادی کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بتدریج دور کیا گیا۔ نتیجہ میں عملاً دنیا سے غلامی کی رسم کا خاتمہ ہو گیا جو مذکورہ روش کی بہترین دین ہے۔

بزرگان دین نے جو حسن سلوک غلاموں کے ساتھ کیا ہے وہ تاریخ کے سینے میں محفوظ ہے۔ ان کے حسن سلوک اور بہترین برتاؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ

بسمِ سبحانہ

## غلامی سے نجات

اسلام نے تلقین توحید کے بعد جو جرات مندانہ کارنامہ اس نے انجام دیا ہے وہ معاشرہ میں پھیلی ہوئی اخلاقی برائیوں کے خلاف اس کا جہاد مسلسل ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود جو اسلام کی مذکورہ جدوجہد کے بعد مثبت نتائج کی شکل میں سامنے آئے۔ ذہن میں خلش پیدا کرنے والی یہ حقیقت بھی موجود ہے کہ انسانوں کے ہاتھوں انسانوں کو غلام بناتے جانے کی رسم کے خلاف اس نے کوئی واضح اعلان جنگ نہیں کیا۔

اسلام کے سماجی انقلاب سے متعدد مذاہب اور متعدد طبقات زد میں آئے تھے۔ ان میں تملہاٹ اور بھنجھلاہٹ کا پیدا ہونا لازمی تھا لہذا ہر چہار جانب سے اسلام پر جوابی حملے شروع ہوئے۔ ابتدا سے لے کر اب تک تحریک اسلام کو ایک غلط تحریک ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ مخالفین کی جانب سے اس نظام کو ظالمانہ نظام کی شکل میں پیش کیا گیا۔ منجملہ دیگر اعتراضات کے اسلام میں غلامی کا چلن باقی رہنے پر بھی شدید اعتراض رہا ہے۔ چونکہ اس سلسلہ میں اسلام نے جو کام کیا ہے وہ نفسیاتی پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر لہذا عام ذہنوں کی پہنچ سے یہ بات دور رہی کہ اسلام نے غلامی کے خلاف بھی کوئی کام کیا ہے۔ نتیجہ میں مخالفوں کے پروپیگنڈہ کا عوام بالخصوص شکار ہوئے جس طرح خواتین کے حقوق کے بارے میں غلط



غلام اور کنیز آزاد ہونے کے بعد بھی ان کی رفاقت سے دستبردار ہونے پر تیار نہیں ہوتے تھے۔ چنانچہ بہت سے آزاد شدہ غلام وہ گزرے ہیں جن کا شمار ائمہ اطہار علیہم السلام کے جلیل القدر اصحاب میں ہوتا ہے۔ گویا مصلحتاً غلامی کی رسم تو جاری رکھی گئی لیکن غلاموں کے ساتھ ذلت آمیز سلوک کی روش کے تار و پود کو بکھیر دیا گیا۔ یہی دراصل آزادی کی روح ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی کہ غلام خود کو آزاد سے بہتر پاتے تھے۔

اسلام میں غلامی کے موضوع پر الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگاہی نے عرق ریزی سے قابل قدر مواد جمع کر دیا ہے۔ موضوع کے ہر پہلو کا اس طرح جائزہ لیا ہے کہ معترضین کے پاس لب کشائی کی گنجائش نہیں رہ گئی ہے۔ مولانا موصوف دنیا کے دور دراز علاقوں میں جہاں بھی رہے ہیں، اپنے قابل قدر قلمی خدمات جاری رکھے ہیں۔ وہ منفرد موضوعات کا انتخاب فرماتے ہیں اور جو کچھ لکھتے ہیں وہ سطحی نہیں ہوتا۔ اس کتاب کے مطالعہ کے بعد قارئین ان کے مزید علمی افادات سے مستفید ہونے کے خواہش مند ہوں گے۔ امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی مولانا موصوف مدظلہ اپنا قلمی جہاد جاری رکھیں گے۔ فی الوقت مغربی ثقافت کی یلغار کے پیش نظر حقیقی اسلامی ثقافت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے کی بے انتہا ضرورت ہے۔ فقط

سید محمد جابر جوری

ایڈیٹر ماہنامہ "اصلاح" مرتضیٰ حسین روڈ، لکھنؤ

۲۸ ذی الحجۃ ۱۴۱۸ھ

# غلامی

## غلامی کی تعریف

غلامی کی تعریف مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا میں یہ کی گئی ہے کہ وہ ایک معاشرتی نظام ہے جس کے باعث

ایک شخص دوسرے کی ملکیت میں داخل ہو جاتا ہے Western Mark (ویسٹ مارک) غلامی کی تعریف میں کہتا ہے کہ مالک کا حق غلام کی ملکیت پر اگرچہ ضروری اور قطعی نہیں ہے لیکن ایک مخصوص قسم کا ہے یعنی وہ ایک ایسا حق ہے کہ آقا ہی اس سے دست بردار ہو سکتا ہے لیکن اس کو ملک محض نہیں کہا جاسکتا کیوں کہ قانون اور عرف نے غلام کو بھی ایک گونہ کوئی حق دیا۔

غلامی کی اقسام اصولی طور پر غلامی کی دو قسمیں ہیں یعنی ایک یہ کہ ایک قبیلہ کے بعض آدمی اپنے بعض ہم قبیلہ افراد کو اپنا غلام بنالیں اور دوسری قسم یہ ہے کہ ایک قبیلہ کے بعض افراد کسی دوسرے قبیلہ کے بعض افراد یا سب کو اپنی غلامی میں لے لیں پہلی قسم کو انگریزی میں Tribal Slavery اور دوسری قسم کو Extra Tribal Slavery کہتے ہیں۔

بالکل ابتدائی زمانے میں مسادات انسانی کا احساس تھا اور ایک قبیلہ کے بعض افراد اپنے ہم قبیلہ لوگوں کو اسی طرح عزت و احترام کی نظر سے دیکھتے تھے اس لیے اغلب یہی ہے کہ غلامی کی قسم اول کا وجود شروع زمانہ میں نہیں ہو گا اب رہی غلامی کی دوسری قسم تو اس کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس طرح کی غلامی کا وجود جنگ کے لوازم میں سے ہے اس بنا پر یہ کہنا صحیح ہے کہ جب سے دنیا میں جنگ کا وجود ہے غلامی بھی قائم و موجود ہے اخلاقی نقطہ نظر سے پہلے زمانے کے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ فریق فاتح کا غالب آنا اس کے برحق ہونے کی اور فریق مغلوب کا مغلوب ہونا اس کے سچے نہ ہونے کی دلیل ہے اور



اس بنا پر فاتح کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اس کو قیدی بنا کر رکھے اب اس حالت میں وہ ان قیدیوں کو مار سکتا ہے کھا سکتا ہے غلام بنا سکتا ہے کسی چیز کے تبادلہ میں دیا اور لیا جاسکتا ہے اور اس کو آزاد بھی کر سکتے ہیں۔

**غلامی کے رواج کے اسباب** **قدیم سے قدیم زمانہ میں بھی جہاں تک تاریخ یا کتبہ رہنمائی کر سکتے ہیں غلامی کے** \*\*\*\*\*

رواج کا ثبوت ملتا ہے معلوم ہوتا ہے غلامی کی ابتدا جنگوں سے ہوئی ہے ازمنہ قدیم میں دستور تھا کہ جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی جو قوم مغلوب ہو جاتی فاتح قوم اس کے مردوں عورتوں اور بچوں کو جو گرفتار ہو جاتے غلام بنالیتی تھی جو لوگ اس طرح جنگ میں گرفتار ہو کر آئے فاتح ان کو روزمرہ کے ضروری کاموں میں لگا دیتے تھے غلام اپنے آقاؤں کی خدمت کرتے کھیٹتے کو جو تنے اور ان کے ریوڑوں کی پاسبانی کرتے تھے۔

غلامی کے رواج کے اسباب مختلف ہو سکتے ہیں مسٹر اے۔ این۔ گبرٹسن نے لکھا کہ شمالی امریکہ کے ہندوستانیوں میں ایک رواج قائم تھا جس کو Adoption کے نام سے موسوم کر سکتے ہیں اس رواج کی رو سے فریق مغلوب کے مرد قتل کیے جاسکتے تھے اور بچوں اور عورتوں کو زندہ رکھ کر اپنے گھر میں رکھ لیتے تھے اس نامود مصنف کی رائے ہے کہ غلامی اسی رواج کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے جس میں عورتوں اور بچوں کی طرح مردوں کو بھی زندہ رہنے دیا جاتا ہے اور ان کو غلام بنا کر رکھتے ہیں نیبوئر Niebuhr نے ایک بڑی دلچسپ بات لکھی ہے وہ کہتا ہے کہ انسان کو جانور پالنے کی عادت ہوتی ہے اسی عادت نے بڑھتے بڑھتے انسانوں کو پالنے کی عادت کی شکل اختیار کر لی اور اسی کو غلام کہا جانے لگا۔ ہمارے خیال میں اصل یہ ہے کہ جب شروع شروع میں تہذیب و تمدن کا پتہ نہ تھا اور عام انسانی طبائع پر ہیمنیت غالب تھی فریق فاتح اپنے گرفتار شدہ قیدیوں کو فرط غیظ و غضب میں قتل ہی کر دیتا ہوگا لیکن پھر جب لوگوں کی اقتصادی و معاشرتی ضرورتیں

دیکھ ہوئیں اور ان کو بے معاوضہ مزدور کی ضرورت پیش آئی تو اس وقت انھوں نے اس امر پر غور کیا ہوگا کہ جنگ کے قیدیوں کو قتل کرنے کے بجائے اگر زندہ رکھا جائے تو ان سے بہت سے معاشرتی اور اقتصادی فوائد حاصل کئے جاسکتے ہیں اس بنا پر لوگوں نے غلامی کا رواج قائم کیا اور اسیران جنگ کو قتل کرنے کا طریقہ مسدود کیا ہوگا کیوں کہ اس سے بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ فاتح قوم کے افراد کی تعداد میں اضافہ ہوتا ہے جو اس کے لیے تقویت کا باعث ہے (اسلام میں غلامی کی حقیقت حصہ اول صلا سید احمد فاضل دیوبند)

**غلامی کی نفسیاتی حیثیت** **نفسیاتی اعتبار سے دیکھا جائے تو بعض اوقات غلامی ناگزیر یا متعدد فوائد کا باعث ہوتی ہے مثلاً** \*\*\*\*\*

ایک جنگ میں فرض کیجئے ایک فریق کے مرد کثرت سے قتل کر دیے گئے ہیں ان کے لیے دُوبی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ ان کو آزاد کر دیا جائے دوسری صورت یہ ہے کہ ان کو لوطی/غلام بنا کر رکھا جائے پہلی صورت میں اشکال پیدا ہو سکتا ہے کہ جب ان کے سر پرست مرد زندہ نہیں ہیں تو اس آزادی کے عالم میں اندیشہ ہے کہ یہ کہیں اخلاقی فواحش اور بدکاری میں مبتلا نہ ہو جائیں جیسا کہ ۱۹۱۲ء کی جنگ کے بعد انگلینڈ اور جرمنی کی عورتوں کا حال ہوا اس بنا پر ان کے لیے آسان اور زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ یہ کسی گھر میں باندی یا غلام ہو کر رہیں ان کے اخراجات کی ذمہ داری ان کے آقاؤں پر ہوگی اور یہ بطور خدمت گزار ان کے گھروں میں رہیں گے ان کے طور طریقہ میں تبدیلی ہوگی اخلاق کی تہذیب و تربیت ہوگی اور پھر یہ اس گھر کے لیے اور یہ گھر ان کے لیے مفید و سودمند ہوگا۔

عورتوں اور بچوں پر ہی مردوں کو قیاس کر لیجئے جو مرد جنگ میں گرفتار ہوئے ہیں عقلاً ان کے ساتھ حسب ذیل معاملہ کیا جاسکتا ہے (۱) ان کو قتل کر دیا جائے (۲) بے معاوضہ آزاد کر دیا جائے (۳) کسی معاوضے کے بدلے میں آزاد کر دیا جائے



یہی وجہ ہے کہ اخلاقیات و اجتماعیات کے غلامی کا اجتماعی دستہ نی پہلو بعض علماء متبحرین نے غلامی کے رواج کو بعض

\*\*\*\*\*

خاص ملکی حالات کے پیش نظر مفید اور نافع اور تمدن کی ترقی کا باعث کہا ہے ہر رٹ اسپنسر کہتا ہے کہ یہ تسلیم کر لینا بالکل ممکن ہے کہ جب ایک فریق نے تسلط و اقتدار کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہضم کرنے کے بجائے اپنا غلام بنالیا ہے تو ان کو زندہ چھوڑ دینا ہی ترقی کی طرف ایک قدم ہے غلامی خواہ کتنی ہی بڑی ہوتا ہم وہ اضافی طور پر اچھی ہے اور بعض حالات میں ہنگامی طور پر وہی سب سے زیادہ قابل عمل ثابت ہوتی ہے (اسٹڈی آف سوشیالوجی ص ۱۵۷) بعض اوقات حالات ہی ایسے رونما ہوتے ہیں کہ ان کے پیش نظر یہ کہنا نامناسب نہیں ہوتا کہ غلامی بذات خود آزادی کی منزل کا ایک مرحلہ ہے (مقدمہ سیلوری ان دی رومن امپائر ص ۱۵۷)۔ بارونے رومن امپائر میں غلامی کے نام سے ایک نہایت محققانہ اور قابل قدر کتاب لکھی ہے اس کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:-

"غلامی ایک ایسا لفظ ہے جو سنستے ہی کانوں کو برا لگتا ہے اس لفظ کے کان میں پڑتے ہی گمراہی کی جھنکار کوڑوں کی چٹاخ پٹاخ اور مظلوم غلاموں کی چیخ پکار کا تصور قائم ہو جاتا ہے غلامی کو عموماً اس کے برعکس پہلوؤں کے ساتھ دیکھا جاتا ہے لیکن اگر تحقیق کی جائے تو اس میں کوئی شبہ نہیں انتہا یہ کہ غلام خواہ کچھ زیادہ مقدس اور پارسانہ ہوتا ہم اس کو بھستہ تہذیب کی ترقی میں کسی حد تک ضرور دخل ہوتا ہے ہم غلامی کے رواج کا کافی کر سکتے ہیں لیکن ہم کو نہ چاہئے کہ عہد گذشتہ کے رواج غلامی کو قطعی طور پر برا کہیں اور اس کو بالکل ہی مذموم قرار دیں Hobe House اپنی کتاب ارتقاء اخلاق Maralsin evolution میں لکھتے ہیں "معاشرتی ترقی میں کبھی ایسا دور بھی آتا ہے جب کہ فتح یاب یہ خیال کرتا ہے زندہ گرفتار قیدی مردہ کی یہ نسبت زیادہ کارآمد ہے (حوالہ انسائیکلو پیڈیا

(۱۴) ان کو کسی جگہ State Prisoner شاہی قیدی بنا کر رکھا جائے (۱۵) ان کو غلام بنالیا جائے اب غور کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ قیدیوں کے مختلف حالات اور سیاسی مقتضیات کی بنا پر تمام اسیران جنگ کے ساتھ یکساں معاملہ نہیں ہو سکتا ایک قیدی اگر آپ کا شدید دشمن ہے اور اس کے زندہ رہنے سے ملک کے امن و امان کو عظیم خطرہ پہنچے گا اندیشہ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اس کو قتل نہ کیا جائے اس کے خلاف بعض قیدی ایسے ہیں جن کی آزادی سے ملک کے امن و امان کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تو موقع ہو تو بلا معاوضہ ورنہ کوئی عوض لے کر ان کو آزاد کیا جاسکتا ہے پھر بھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک قیدی اپنی فطری استعداد و صلاحیت کی وجہ سے تو قابل تحسین و لائق ستائش ہے لیکن ایک فساد انگیز ماحول میں رہنے کے باعث ہمارا دشمن بنا ہوا ہے تو اب اس شخص کے لیے ضروری ہے کہ اس کو اس ماحول سے نکال لیا جائے اور ایک صالح "آب و ہوا" اور درست فضا میں اس کی تربیت کی جائے اس شخص کو نہ قتل کیا جاسکتا ہے اور نہ یوں ہی آزاد چھوڑا جاسکتا ہے۔ اس کے لیے یہی بہتر ہے کہ اس کو غلام بنا کر رکھا جائے۔ یہی ایک صورت شاہی قیدی ہونے کی تو ظاہر ہے کہ قیدی کو اس صورت میں اخلاقی تربیت اور تہذیب و اكتساب ادب کا ایسا عمدہ اور اچھا موقع نہیں مل سکتا جتنا کہ اس صورت میں مل سکتا ہے جب کہ وہ غلام کی حیثیت سے کسی گھر کا ایک فرد ہو کر رہے۔ بہر حال یہ وجہ ہیں جن کے باعث غلامی کے رواج کا ظہور ہوا اور نہ صرف کسی ایک ملک و قوم میں بلکہ قریب قریب دنیا کی تمام قوموں میں شائع ہو گیا حقیقت یہ ہے کہ غلامی کو چاہے کتنا ہی برا کہا جائے اور اس کو مذموم و قبیح قرار دیا جائے لیکن وہ نتیجہ جنگ ہے اور جس طرح آپ مخصوص حالات میں جنگ ایسی ہونا کہ مصائب بار اور تباہ کن چیز کو برداشت کر لیتے ہیں اور نہ صرف برداشت بلکہ اس کو بعض اوقات صنعت و حرفت کی ترقی اور ملکی عروج و ارتقاء کا باعث قرار دیتے ہیں مخصوص حالات میں اگر آپ اسی طرح غلامی کے جو نتائج کو بھی دوا کا ایک گھونٹ سمجھ کر پی جائیں تو کیا مضائقہ ہے



ہے تہذیب و تمدن اور صنعت و حرفت کی غیر معمولی ترقی کے زمانے میں اس کی نہ کوئی ضرورت ہے اور نہ فائدہ چنانچہ یہی مضمون نگار اس مقالہ کے آخر میں کہتا ہے "لیکن اب غلام بنانے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ طرح طرح کی مشینیں ایجاد ہو گئیں ہیں جن کے باعث لوگوں کو کاروبار میں غلاموں سے مدد لینے کی ضرورت نہیں (دائرۃ المعارف فرید و جلد ۱ ص ۳۸۲)

ہرٹ اسپنسر نے اپنی کتاب "اصول معاشیات The Principles of Sociology" میں ایک مقام پر بڑی صفائی کے ساتھ لکھا ہے کہ غلامی کے بغیر سیاست کا مرحلہ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتا "سمنر Sumner کا خیال ہے کہ غلامی جہاں کہیں بھی رہی ہے اس نے سوسائٹی کے تمام گوشوں کو متاثر کیا ہے اس کو قبیلوں اور جماعتوں میں اختیار کیا جاتا ہے تو اس سے ان تمام شعبوں میں ایک طرح کا رنگ و روغن پیدا ہو جاتا ہے پھر اسی نامور مصنف نے ایک دوسری جگہ لکھا ہے کہ غلامی ایک بڑی معلم ہے جو پھر ترقی کے ساتھ کام کرنا سکھاتی ہے اور وہ ایک ایسی جماعت ہے جس کے باعث لوگوں کو صنعتی نظام کے چلانے میں مدد ملتی ہے ایک اور انگریز مصنف کا مقلد ہے "فرصت ابتدائی جماعتوں کی اولین ضرورت ہے اور اس کی تکمیل صرف غلاموں کے ذریعہ ہی ہو سکتی ہے۔"

ڈی لے اینڈ وارڈ Dealey and Ward ان دونوں کا خیال یہ تھا کہ اصل مشکل یہ ہے کہ لوگوں سے کسی طرح کام کر لیں اور سوائے غلامی کے کوئی دوسری چیز اس مقصد کے لیے مفید نہیں ہو سکتی تھی یونان کے فلاسفہ کا عام خیال یہ تھا کہ انسانی طبقات کو راسمی اور رعایا حاکم اور محکوم آقا اور غلام کی طرف منقسم ہونا فطرتاً ضروری ہے۔ دنیا کا نظام اجتماعی اس وقت تک باقی اور قائم اور برقرار نہیں رہ سکتا جب تک کہ بعض لوگ حکومت کرنے والے قانون بنانے والے اور اس کو نافذ کرنے کی طاقت و قوت رکھنے والے نہ ہوں اور ان کے بالمقابل اکثر وہ نہ ہوں جو رعایا کہلائیں (سیاسیات کتاب اول باب ۴)

آف ایلی میجن اینڈ اتھلس مضمون غلامی) ایک اور انگریز مصنف نے لکھا ہے بہر حال جماعت کے خارجی تعلقات اور رشتے خواہ کچھ ہی ہوں غلامی ہرگز وجود میں نہ آتی اگر اخلاقی اور اقتصادی نقطہائے نظر کے تحت کسی قبیلہ کی معاشرتی ضروریات اس رواج کے ساتھ وابستہ نہ ہوتیں (انسائیکلو پیڈیا ریلیجن اینڈ اتھلس مضمون غلامی)

**غلامی کا اقتصادی و اخلاقی پہلو** اخلاقی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو کہا جا سکتا ہے کہ غلامی کا برا یا اچھا ہونا موقوف ہے غلام بنانے والوں کے اخلاق کے اچھا یا برا ہونے پر اگر وہ لوگ اخلاقی اعتبار سے بلند و برتر ہیں تو غلام ان کے پاس خوش رہیں گے اور ان کے فیض صحبت سے ان کے اخلاق بھی اچھے ہو جائیں گے انیسویں صدی کی فرانسیسی دائرۃ المعارف میں مذکور ہے "ڈو لڑائیوں نے نوع بشری کو بہت بڑا فائدہ پہنچایا ہے یہاں تک کہ لڑائی کا ایک بدترین نتیجہ یعنی گرفتار شدہ قیدیوں کو غلام بنالینا بھی ایک فائدہ عظیم سے خالی نہیں ہے نوع بشری کبھی ایسے طریقوں کے ماتحت ترقی پذیر ہوتی ہے کہ اس کا وہم و گمان بھی نہیں ہوتا غلام بنانے سے ایک بڑا فائدہ تو یہ ہوتا ہے کہ عورت ان مصائب سے بچ جاتی ہے جو اس کو اس وقت پیش آتی ہیں جب کہ خاوند کے گھر پر کوئی غلام نہیں ہوتا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ ہر انسان فطرتاً جب کسی قوم کے افراد کے سامنے ہوتا ہے تو وہ ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتا ہے کہ اس اجنبی کے سامنے اس کے قول و عمل سے کسی عزیز و قریب سے متعلق کوئی ایسی حرکت سرزد نہ ہو جس کے باعث وہ خود اور اس کا تمام کتبہ اور قبیلہ ذلیل و خوار ہو جائے اس بنا پر بڑا فائدہ یہ ہے کہ غلام کی وجہ سے شوہر اپنی بیوی کا بیوی اپنے شوہر کا اور دو سرے رشتہ داروں کا آب و احترام کرنا سیکھ جاتی ہے۔"

اس میں شک نہیں کہ غلامی کا رواج ہنگامی طور پر ہی ضروری یا مفید ہو سکتا



۱۔ اسطو) اور جن پر حکومت کی جائے ایک ملک کا مختار کل اور حاکم اعلیٰ کہلاتا ہے اور تمام اہل ملک اس کی رعیت کہلاتے ہیں بس جس طرح انسانوں کی ایک بڑی جماعت ایک شخص واحد کی یا چند آدمیوں کی محکوم ہو سکتی ہے انفرادی طور پر ایک فرد واحد ایک شخص واحد کا بھی محکوم ہو سکتا ہے یہی محکومیت اگر ملکیت کا رنگ اختیار کرے تو غلامی کہلاتی ہے یونانی فلاسفہ قدیم کی رائے تھی کہ تمدن اعتبار سے غلاموں کا وجود ناگزیر ہے تاکہ اہل دماغ جہانی محنت سے محفوظ رہ کر اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی کام کر سکیں اور محنت و نظر کی یکسوئی میں جہانی محنت کا نخل نہ ہوں۔

سٹرابوٹ این گلیکس نے ذیل کی عبارت میں درحقیقت انھیں فلاسفہ کی ترجمانی کی ہے "غلامی نے انسان کی اقتصادی کوششوں اور اس کے ذریعہ اور معاشرتی شعبوں پر جو عمیق اثر کیا ہے وہ محنت کا منقسم ہو جانا ہے انسانی جماعت کی یہ تقسیم کہ بعض حاکم ہوں اور بعض محکوم بالکل ابتدائی اور طبعی تقسیم و تفریق ہے غلامی ایسے افراد کو پیدا کرتی ہے جو کام کرنے کے لیے ہیں سوچنے کے لیے نہیں پیدا کئے گئے ہیں یہ لوگ سوچنے کے مکلف نہیں ہوتے کیوں کہ فکر و نظر کے لیے دوسرے افراد ہوتے ہیں۔" یہی مقالہ نگار آگے چل کر لکھتا ہے "انسانی سوسائٹی کے انتہائی سادہ طبقوں کی زندگی کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ غلامی کا ظہور اور اس کا نشو و نما معاشرتی حالات پر موقوف ہے یہ حالات ہمارے زمانے کے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کے معاشرتی احوال میں سراسر ناپید ہیں (مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا جلد یا زہم مضمون غلامی) پھر یہی مصنف اسی مقالہ میں ایک اور جگہ لکھتا ہے اگر غلامی کو اس نظر سے دیکھا جائے کہ وہ قتل کر دینے کا عوض و بدل ہے تو صرف یہی ایک حیثیت اس بات کی دلیل ہے کہ غلامی اخلاقی ترقی کی طرف ایک پیش قدمی ہے۔

غلاموں کی خرید و فروخت جب فاتح قوم میدان سے واپس آتی تھی تو بعض اوقات اس کے ساتھ اتنے قیدی

ہوتے تھے جو فاتح سپاہیوں کی ضرورت سے بہت زیادہ ہوتے تھے ایک ایک سپاہی کے حصہ میں کئی کئی قیدی آجاتے تھے جن کے نہ تو وہ اخراجات برداشت کر سکتا تھا نہ ہی اس کے پاس ان کے کرانے کا کوئی کام ہوتا تو اس لیے وہ ان کو ضرورت مند لوگوں کے ساتھ بیچ دیتے تھے مثلاً جب اہل بابل نے یروشلم کو فتح کیا تو نوے ہزار یہودیوں کو اپنی ضرورت سے زائد سمجھ کر فروخت کر دیا۔

ہوتے ہوتے یہ بھی تجارت کی ایک باقاعدہ شاخ بن گئی بڑے بڑے قبضوں میں غلاموں کی تجارت کی اسی طرح منڈیاں لگتی تھیں جیسے مویشیوں کی اور ان میں یہ قیدی یا غلام اسی طرح بکتے تھے جیسے مویشی یا دیگر اشیاء فروختی لیکن معلوم ہوتا ہے غلاموں کی ترقی میں قحط سالی نے بھی اکثر مدد دی ہے کیوں کہ جب کبھی کسی ملک میں قحط نمودار ہوتا تھا تو غریب اس خیال سے کہ غلامی کی حالت میں کھانے کو تو مل رہے گا وہ خود اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو امراء و دروسار کی غلامی میں دے دیتے تھے جہاں کا زمانہ تھا مغرور امراء اپنے غلاموں سے حیوانوں سے بھی بدتر سلوک کرتے تھے بات بات میں انھیں کوڑوں سے مینا انھیں نکلواڈا نا شکنجہ میں کھینچو ادینا نہایت بے دردی سے قتل کر دینا معمولی باتیں سمجھی جاتی تھیں اور ان بے دردوں کو ان پر ذرا رحم نہ آتا تھا حالانکہ انھیں مظلوم غلاموں میں بعض ایسے بھی ہوتے تھے جو کبھی ان سے بھی معزز تر یا معزز تر لوگوں کی اولاد تھے رفتہ رفتہ ہر ایک ملک و قوم میں غلاموں کی کثرت ہوتی گئی یہاں تک کہ انھیں غلاموں کے متعلق قانون وضع کرنے پڑے ہر ایک ملک میں نیک و بد دونوں قسم کے لوگ ہوا کرتے تھے امراء غرور امارت میں اپنے غلاموں سے وحشیانہ سلوک کرتے تو نیک اور رحم دل لوگ ان کے اس ظلم و ستم پر چشم نمائی کرتے رہتے۔

مصنف الاسلام والحضارة العربیہ جلد اول ص ۹۴ پر لکھتے ہیں غلاموں کی کھلم کھلا تجارت ہوتی تھی اور بازاری چیزوں کی طرح ان کا لین دین ہوتا تھا



مختلف شہروں میں ان کے مستقل یا ذرا قائم تھے اور ان کے لیے پوپ سیلسٹائن پنجم ۱۲۹۲ء نے خاص خاص قواعد بنائے تھے جن میں سے بعض یہ ہیں۔

۱۔ یہودی صرف وہی غلام رکھ سکتے ہیں جن کو گھروں میں پالا گیا ہو۔ ۲۔ اگر وہ غلام عیسائی ہوں تو آزاد ہو سکتے ہیں۔ ۳۔ اگر کسی پادری نے کسی باندی سے شادی کر لی ہے تو اس کے تمام بچے گوجا کے غلام سمجھے جائیں گے ان کو اپنے باپ (پادری صاحب) کے گناہ کا خمیازہ بھگتنا ہو گا مسٹر اے این گلیکسٹن نے بالکل صاف لفظوں میں کہا ہے کہ مسیحی پیشوایان قوم غلاموں سے تو یہ کہتے تھے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کرو لیکن آقاؤں سے یہ نہیں کہا کہ اپنے غلاموں کو آزاد کرو ورنہ یہی اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا غلاموں کے ساتھ عیسائی قوم کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ مین میں کاشت کرتے تھے سخت سے سخت کام لیتے تھے ولیٹر مارک کہتا ہے غلامی کا رواج کم از کم برطانوی مستعمرات میں اور ان مقامات پر جہاں غلامی کا رواج ہے ظلم و ستم کے اعتبار سے اس غلامی سے بدرجہا زیادہ ظالمانہ اور جاہلانہ ہے جو کافروں کے قدیم و جدید ممالک میں پایا جاتا ہے۔

یہی مصنف دوسرے مقام پر یوں رقم طراز ہے۔ تیرھویں صدی میں آقا کو اپنے غلام پر ہر طرح کا حق تھا کہ چاہے تو اس کو زندہ رہنے دے یا ہلاک کر دے یہ لوگ غلام کو کھنے پڑھنے سے منع کرتے تھے اور جو اس کے خلاف کرتا تھا اس کو سزا دی جاتی تھی غرض یہ تھی کہ غلام اپنے حقوق سے بے خبر ہیں (الاسلام والحضارة العربیہ جلد ۱ ص ۹۲)

**غلامی پر ایک تاریخی نظر غلامی سے متعلق مصنفین مغرب کے ان خیالات کو**  
 \*\*\*\*

تو معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانہ کی ترقی یافتہ ہر قوم میں غلامی کا رواج عام تھا بابل، اسیریا، شام، مصر اور ہند وغیرہ کوئی ملک ایسا نہ تھا جس میں کسی نہ کسی طریقہ سے غلامی کا رواج نہ ہو اور مذہبی اعتبار سے دیکھئے تو ثابت ہوتا ہے کہ مسیحیت اور یہودیت اور ہندومت

ان تینوں کی مذہبی کتابوں میں غلامی کے رواج کی مذمت کہیں نہیں کی گئی جس کی توجیہ آج کل کے عیسائی عجیب و غریب طریقہ سے کرتے ہیں۔

**یونان میں غلامی**  
 یونان کے ابتدائی دور میں غلام ہر درجہ اور ہر طبقہ کے امیر و غریب تھے جو ناموافق حالات کے باعث

غلام بن گئے تھے اس لیے ان غلاموں کی حالت ان غلاموں سے بہت بہتر تھی جو مفتوحہ قوم سے ہوتے تھے اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ سلطنت یونان میں سلطنت روم کی بہ نسبت غلاموں کی حالت بہت بہتر تھی چنانچہ ڈیموستھینز کا قول ہے کہ یونان میں غلام ایسی اچھی حالت میں ہیں کہ دوسرے ملکوں میں آزاد لوگ بھی نہیں بائیں ہمہ مفتوحہ قوم کے غلاموں کے ساتھ جو سلوک رکھا جاتا تھا اس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ سرکار کو ان کی موت و ولایت کا پورا حق حاصل تھا ایک دفعہ ایک جنگ میں ان غلاموں نے بڑی بہادر دکھائی تو اہل سپارٹانے اعلان کیا کہ جن جن غلاموں نے جنگ میں کارہائے نمایاں کئے ہیں وہ حاضر ہوں لیکن بجائے اس کے کہ انھیں کوئی اعزاز دیا جاتا چیکے سے تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا اسی طرح جب حکام کسی غلام کو خطرناک خیال کرتے تو اسے قتل کر دیتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلام بھی اپنے بچاؤ کے لیے جمع ہو کر بغاوتیں کر دیتے سخت ہنگامے برپا رہتے اور خونریزیاں ہوتیں۔ ان خونریزیوں کو روکنے کے لیے افلاطون نے یہ تدبیر بتلائی تھی کہ غلاموں کے ساتھ عزت و توقیر اور انصاف کا برتاؤ کیا جائے اور ایک ہی ملک میں زیادہ غلام نہ رکھے جائیں اور جو لوگ آزاد پسند ہوں ان کو غلامی سے آزاد کر دینا چاہیئے اسطو کے ایک شاگرد سٹو اس نے غلاموں کی حالت زار سے متاثر ہو کر ایک تقریر میں یہاں تک کہہ دیا کہ خدا نے تمام انسانوں کو آزاد پیدا کیا ہے اور قدرت نے کسی کو بھی کسی کا غلام نہیں بنایا لیکن نقارخانہ میں طوطی کی آواز کون سنتا ہے چوں کہ غلاموں میں بہت سے



بڑی مشکلوں اور دشواریوں سے فرو ہوئیں۔

مشہور رومی فلاسفر ایک ٹیٹس خود غلام تھا اس نے ایک مکینہ خصلت اور سنگدل آقا کی خدمت میں کئی سال بسر کئے تھے اس کے سنگدل آقا نے ایک دن اس کی ایک ٹانگ شکجھ میں کس کر اس کو ہمیشہ کے لیے لنگڑا کر دیا تھا جس شخص نے خود غلامی میں ایسی سخت تکلیفیں اٹھائی ہوں اس سے بڑھ کر غلامی کی حالت کا تجربہ کس کو ہو سکتا ہے؟ انھیں تجربات کی بنا پر اس نے اپنی کتاب "اینکڈیٹین" میں اپنے زمانہ کے ظالم قیصر نیروکو ان الفاظ میں غلاموں کی حالت کی طرف توجہ دلائی ہے: "کیا تو یہ یاد رکھے گا کہ تو کون ہے؟ اور یہ کہ تو کس پر حکومت کرتا ہے؟ اور یہ کہ وہ تیرے رشتہ دار اور بھائی ہیں وہ بھی تیری طرح مشتری کی اولاد ہیں جو بات کہ تو اپنے لیے روار کھتی نہیں چاہتا اسے دوسروں کے لیے بھی روانہ رکھ تو غلام بننا نہیں چاہے گا اس لیے تو دوسروں کو بھی غلام نہ بنا کیوں کہ تو اگر دوسروں کو غلام رکھنا چاہتا ہے تو سب سے پہلے تو خود غلام بنے نیکی کبھی بدی کے ساتھ نہیں رہ سکتی اور نہ غلامی آزادی کے ساتھ جس طرح ایک تندرست شخص کسی بیمار سے خدمت لینا نہیں چاہتا اور نہ وہ لوگ جو بیمار کے ساتھ رہتے ہیں سہارا بنے رہنا چاہتے ہیں اسی طرح ایک آزاد شخص غلاموں سے خدمت لینا نہیں چاہے گا نہ اپنے ساتھیوں کو اپنا غلام بنا کر رکھنا چاہے گا۔"

روم کا مشہور حکیم اور زبردست فلسفی سنیکا بڑا نیک دل شخص تھا وہ سنگدل نیروکا استاد بھی تھا اگرچہ قیصر نیروکو ظلم و ستم سے باز رکھنے میں اس کی کوشش بار آور نہ ہو سکی تاہم جب اس کو خبر ملی کہ اس کا ایک دوست لوسیلس اپنے غلاموں سے نیک سلوک کرتا ہے تو اس کا دل خوشی سے بھر گیا اور اس نے ایک خط اس مضمون کا لکھا "مجھے یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ تم اپنے غلاموں کے ساتھ مہربانی اور دوستی کا برتاؤ کرتے ہو یہ تمہاری دانائی ہے کیا واقعی وہ لوگ غلام ہیں؟ نہیں بلکہ تمہیں سے

مقتومہ ممالک کے معزز اور بہترین گھرانوں کے لوگ بھی ہوتے تھے جن کی دماغی اور شریفانہ قابلیتیں اس حالت میں بھی اپنے جوہر دکھایا کرتی تھیں وہ بعض اوقات بڑی ناموری پیدا کر لیتے اور غلامی سے آزاد ہو جایا کرتے تھے اس قسم کے لوگوں میں حکیم ایلستپ شاعر ہورلیس اور ٹرمینس وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد۔

یونان کے بعد روم کی غلامی کا ذکر بھی بیجا نہیں روم میں غلاموں کی حالت بھی یونان سے اچھی نہ تھی آقا غلاموں کو ذرا ذرا سی بات پر کوڑے لگواتے اور معمولی سی فرد گزاشت پر قتل کروا دیا کرتے تھے مشہور یونانی مورخ پلو تارخ لکھتا ہے کہ ایک دفعہ ایک آقا نے اپنے غلام کو اپنے ایک ایسے دوست کی خاطر دل لگی میں قتل کر دیا جس نے کبھی کسی انسان کو مرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا کیونکہ تھا کہ لوگوں کو چاہیے کہ اپنے کمزور اور ضعیف غلاموں کو فروخت کر دیا کریں لیکن چونکہ ایسے بوڑھے بیل کو کون باندھ بھس دے کے مطابق ان کا کوئی خریدار نہ ہوتا تھا... سنگدل رومی انھیں غیر آباد جزیروں پر اسکو لاپس میں چھوڑ آتے تھے جہاں وہ بیمار بچاے بھوک سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر جاتے۔

رومیوں نے غلاموں سے ایسا ایسا سنگ دل کا سلوک روا کر رکھا تھا کہ جس کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں انھوں نے ایک بہت بڑی تماشا گاہ بنائی تھی جس میں وہ غلاموں کو آپس میں لڑا کر انسانی قتل و خون ریزی کا تماشا دکھاتے تھے اور حیرت انگیز بات یہ تھی کہ ان تماشو میں رومی عورتیں بچے اور لڑکیاں تک شامل ہو کر مقتولوں کو تڑپتا دیکھتے اور قہقہہ لگاتے تھے غلاموں کو شادی کرنے کی اجازت نہ تھی اگر کوئی غلام اپنے آقا کے سامنے کھانسی یا چھینکتا تو اس کی لاٹھیوں سے خوب زخمی لی جاتی تھی کسی غلام کو جانا دینا کی اجازت نہ تھی۔ ایسے ہی ظلموں سے تنگ آکر اکثر دفعہ ایسا ہوا کہ روم کے غلاموں نے سازشیں کر کے اپنے جتنے بنائے اور ایسی ایسی سخت بغاوتیں کیں کہ



کیوں کہ برہمن کے داس کرم کے لیے برہما جی نے شوردر پیدا کیا (منوسمرتی ادھیائے ۸- اشلوک ۳۱۳)

شوردر کے لیے ایک ہی کرم پر بھونے ٹھہرایا ہے یعنی صدق دل سے ان تینوں ورثوں (برہمن کشتری اور ویش) کی خدمت کرنا (منوسمرتی ادھیائے ۱- اشلوک ۹۱)

۲۔ شوردر سے دولت چھین لی جائے برہمن داس شوردر سے دولت لے لیوے اس میں کچھ بچا رہ کرے کیوں کہ وہ دولت کچھ اس کی ملکیت نہیں ہے وہ بے زر ہے وہ جو دولت فراہم کرے اس دولت کا مالک اس کا سوامی ہے (منوسمرتی ادھیائے ۸- اشلوک ۳۱۷) ۳۔ شوردر کو مذہب کی تعلیم بھی نہ دی جائے، جو شخص شوردر کو دھرم اور برت کا پیدلش دیتا ہے وہ مع شوردر کے اسمیرت ترک (دورخ) میں جاتا ہے (منوسمرتی ادھیائے ۴- اشلوک ۳۱۸) ۴۔ معمولی جرم پر شوردر کے ہاتھ کاٹنے کا حکم، شوردر کے متعلق یہ احکام ہم نے سرسری

نظر سے منوسمرتی سے دیکھ کر انتخاب کئے ہیں اور دوسری اسمیرتوں کو چھو اتک نہیں خدا معلوم ان میں کیا کیا کچھ بھرا پڑا ہے لیکن ان سے ہی جو کچھ نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ ہے کہ شوردر نہ تو مذہب قبول کر سکتا ہے تاکہ نجات اخروی حاصل کرے اور نہ ہی دولت کمایا کٹھن کر سکتا ہے کہ دولت و نجات سے خلاصی پا کر دنیا میں ترقی یا عزت کی زندگی بسر کر سکے یا دوسرے لفظوں میں یہ دنیا بھی اس کے لیے جہنم ہے اور آئندہ بھی دورخ نہ جائے ماند نہ پائے رفتی بلکہ اگر میری یاد غلطی نہیں کرتی تو میں نے کسی کتاب میں پڑھا تھا کہ اگر شوردر کوئی دید کا منتر اتفافیہ بھی من لے تو سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دینا چاہیے سوامی دیانند جی جو اس تہذیب و روشنی کے زمانے کے مشہور ہندو مصلح ہوئے ہیں اپنی کتاب ستیا رتھ پرکاش میں لکھتے ہیں کہ شوردر کے متہ کی ہوا بھی ہندو کے کھانے تک نہ پہنچے انہیں انتہا درجے کے سخت احکامات کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان کے قدیم باشندے دنیا سے بالکل کٹ گئے یا وہ چند افراد ہی رہے جو جنگوں اور پہاڑوں میں آج تک گونڈ بھیل وغیرہ کی شکل میں ہمیں کہیں

انسان غلام نہیں بلکہ رفیق، غلام نہیں بلکہ تاجر اور غریب دوست اگر تم یہ سمجھو اور سوچو کہ تقدیر تم پر اور غلاموں پر ایک سازور اور اختیار رکھتی ہے تو تم ان کو دنیا ہی خیال کر دو گے جیسا کہ میں ان کو بتا رہا ہوں "لیکن ان نیک اور رحم دل فلاسفہ کی آوازیں محض صدابھرا یا نقار خانے میں طوطی کی آواز تھیں رومیوں کے اخلاق اس قدر ذلیل ہو گئے تھے اور دولت کے غرور نے انہیں اس قدر سنگ دل اور بے رحم بنا دیا تھا کہ اس سے انہیں کچھ تنبیہ نہ ہوئی اور نہ ہی ان کے دل پیچھے انھوں نے غلاموں پر ایسے ایسے وحشیانہ ظلم روا رکھے جن کی نظیر کسی اور قوم کی تاریخ میں نہیں مل سکتی۔

**اہل فارس میں غلامی**  
اہل فارس ان قوموں میں سے تھے جو غلاموں کی کثرت کو متول کی نشانی اور ریاست و امارت کی علامت سمجھتے تھے ان کے یہاں غلام کو محض بد زبانی کے باعث کوئی شدید سزا نہ دی جاتی تھی البتہ اگر وہ اپنی اس حالت کی اصلاح نہ کرتا اور بار بار اس سے اس طرح کی حرکات صادر ہوتیں تو پھر اس کو قتل کر دیا جاتا تھا۔

**اہل چین اور غلامی**  
چین والے بھی اپنے مذہبی اور ملکی دستور کے مطابق غلام سے ہر طرح کا خاطر خواہ معاملہ کرنے میں مختار تھے لیکن چینوں کے اخلاق و عادات دوسری قوموں کی بہ نسبت اچھے تھے اسی لیے وہ غلاموں کے ساتھ زیادہ وحشیانہ معاملہ نہیں کرتے تھے پہلی صدی عیسوی میں ان کے یہاں ایسے قوانین بنائے گئے تھے جن کی رو سے ہر شخص کو اپنے غلام کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کی تاکید کی گئی تھی۔

**ہندوستان میں غلامی**  
آریہ قوم نے جب ہند میں قدم جمائے تو یہاں کے اصلی باشندوں کو غلام بنا کر ان کے لیے جو قوانین بنائے ان کا اندازہ منوسمرتی کے ان اشلوکوں سے ہو سکتا ہے جو ہم ذیل میں درج کرتے ہیں اور جو شوردر خرید کیا گیا ہو یا نہ خرید کیا گیا ہو اس سے داس کا کام کرنا چاہیے



ہوئے ہیں اس بنا پر غلامی ان کے بدن کا جز بن گئی ہے اگر ان کا مالک انھیں آزاد کر دے یہ لوگ پھر بھی غلامی سے نہیں نکل سکتے ان کا اعتقاد تھا کہ شورو برہمنوں کی خدمت کے سوا کسی اور مقصد کے لیے پیدا ہی نہیں کئے گئے ہندو مذہب میں انسانی طبقات کی چار قسمیں کی گئی ہیں سب سے اعلیٰ طبقہ برہمنوں کا اور سب سے ادنیٰ طبقہ شوروں کا سمجھا جاتا تھا ہندوؤں کے مذہبی قوانین کی رو سے شوروں کے لیے جو تعقیبی دفعات تھیں ان میں سے چند یہ ہیں۔

۱۔ برہمن کے لیے جائز ہے کہ وہ شورو کو اپنی خدمت پر مجبور کرے خواہ اس نے اس کو خرید یا ہو یا نہ خرید ہو۔

۲۔ شورو کا آقا اگر اس کو آزاد کرے تب بھی اس کو ہر وقت اختیار حاصل ہے کہ جو خدمت چاہے لے چونکہ غلامی اس کے وجود کا جز و لاینفک ہے جو آزاد کر دیے جانے پر بھی اس سے منفک نہیں ہو سکتی۔

۳۔ کسی شورو کے ہاتھ سے اگر کسی برہمن کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اس کے لیے بھرتل کے کوئی اور چارہ کار نہیں ہے۔

۴۔ کسی شورو کی زبان سے کسی برہمن کے لیے گالی کا کوئی کلمہ نکل جائے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اس کی زبان پکڑ کر گدی سے باہر کھینچ لی جائے۔

۵۔ کسی شورو کو کسی برہمن یا اس کے خاندان کو حقارت آمیز خطاب سے خطاب کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ ایک خنجر جس کا طول دس انگل ہو سخت گرم کرنے کے بعد اس کے منہ میں رکھا جائے۔

۶۔ جو چیزیں برہمنوں کے واجبات سے متعلق ہیں ان میں سے کسی ایک کی نسبت اگر کسی شورو کی زبان سے کوئی کلمہ نصیحت ادا ہو تو بادشاہ پر فرض ہے کہ کھوتا ہوا تیل اس کے منہ اور کانوں میں ڈلوادے۔

۷۔ برہمن اگر کسی شورو کی چوری کرے تو اس کی سزا صرف یہ ہے کہ شورو

دیکھے جاتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ بھی نہ بچ سکتے اگر بدھمت اور اسلام ان کی دستگیری نہ کرتا۔

**مذہب عالم میں غلامی کا رواج** ملکی اور علاقائی جائزہ لینے کے بعد جب ہم مذہب عالم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اعتبار سے بھی غلامی کا رواج عام تھا اور کسی مذہب میں بھی غلام کو اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا تھا بلکہ انتہائی حقارت اور ذلت آمیز سلوک اس مخلوق خدا پر کئے جاتے تھے۔

**غلامی اور ہندو مذہب** اگرچہ مندرجہ بالا سطور میں ہندو مذہب میں غلامی کا ذکر آچکا ہے لیکن چوں کہ ہم مذہبی اعتبار سے غلاموں کا جائزہ علیحدہ سرخی قائم کر کے کر رہے ہیں اس لیے اس مذہب کا تفصیلی تذکرہ کرنا چاہتے ہیں۔

سنسکرت کی تمام مذہبی کتابوں میں غلامی کا ذکر موجود ہے اور اس کی اصل حقیقت کو تسلیم کیا گیا ہے منو کی کتاب میں غلام بنانے کے سات اسباب مذکور ہیں:- ۱۔ جنگ میں گرفتار ہونا ۲۔ نان و نفقہ کے لیے خود برباد و رغبت اپنے آپ کو کسی غلامی میں دے دینا ۳۔ کسی کینز کے بطن سے پیدا ہونا ۴۔ خریدنا ۵۔ بطور ہدیہ ہبیا تحفہ کے حاصل کرنا ۶۔ اپنے بزرگوں سے وراثتاً پانا ۷۔ سزائے ذریعہ غلامی کی تحقیر کرنا نارو نے غلامی کی پندرہ قسمیں شمار کی ہیں جن میں سے سات یہی ہیں اور آٹھ ان کے علاوہ ہیں ان میں قمار بازی میں ہار کر کسی کا غلام بن جانا اور قرض ادا نہ کرنے کی بنا پر کسی کا غلام ہو جانا خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں شوروں کی نسبت ان کا خیال یہ تھا کہ یہ لوگ برہما کے قدموں سے پیدا



۵۱  
 مصری مرحوم (یہودی غلاموں کی تجارت بھی کرتے تھے) لوئس مقدس Louis the pious کے عہد میں عیسائی غلاموں کی ایک بڑی تعداد اسپین اور شمالی افریقہ میں لائی گئی تھی یہ لوگ جے ابلسن کے بقول دلائی کرتے تھے مسلمان غلام عیسائیوں کو اور عیسائی غلام مسلمانوں کو پہنچاتے تھے۔

اسپین کی خوشحالی کے زمانہ میں (جس کی مدت دسویں صدی عیسوی سے پندرہویں صدی کے ختم تک ہے) یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے (مذہب و اخلاقیات کی انسائیکلو پیڈیا مضمون از جے ابلسن) یہاں کے بہت سے متمول یہودی خاندان غلاموں کے فراہم کرنے سے بہت کچھ مال و دولت جمع کرتے تھے (مذہب و اخلاقیات کی انسائیکلو پیڈیا مضمون ابلسن) لیکن اس میں شک نہیں کہ دوسری اقوام کی یہ نسبت یہودیوں کے یہاں غلاموں کے حقوق زیادہ تھے بیان کیا جاتا ہے کہ ان کے یہاں غلامی کی مدت سات برس تھی اس کے بعد وہ آزاد ہو جاتا تھا بعض بعض عبرانی تو اپنی باندیوں کو بیوی بنا لیتے تھے اور ان کو اپنے گھر کی ملکہ بنا کر رکھتے تھے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ بعض غلاموں کا نکاح ان کے آقاؤں کی بیٹیوں تک سے ہو جاتا تھا (دائرة المعارف فرید و جدی ج ۷) یہودیوں کے مذہب میں غلاموں کے لیے جو حقوق اور رعایتیں تھیں وہ اسلام سے بہت ملتی جلتی تھیں مثلاً تلمود اور دوسری مذہبی و اخلاقی کتابوں میں یہ لکھا ہے (۱) اگر کوئی شخص اپنے غیر یہودی غلام کے ساتھ برا معاملہ کرے گا تو اس کو مجبوراً غلام آزاد کرنا ہوگا (۲) اگر آقا غلام آزاد کرنے کا منشاء زبانی طور پر ظاہر کرتا ہے تب بھی وہ غلام آزاد ہو جائے گا اور وہ شخص اپنے الفاظ واپس نہ لے سکے گا (۳) اس سے بھی زیادہ عجیب و غریب قانون یہ تھا کہ اگر آقا نے اپنے غلام کی شادی کسی آزاد عورت سے کر دی یا اس کے سر پر کوئی تعویذ رکھ دیا یا مذہبی کتابوں میں سے کسی کتاب کی تین آیتیں ایک مجمع میں پڑھنے کا حکم دیا یا اس کو کسی ایسے کام کرنے کا حکم دیا جو

کوال کا تادان دلایا جائے لیکن یہی جرم شود اگر کسی برہمن سے کر بیٹھے تو اس کو صرف تادان خیانت دینا پڑے گا پھر غلاموں میں کام کے اعتبار سے ایک تفریق یہ تھی کہ بعض غلام تو وہ تھے جو غلیظ اور گندہ کاموں کے لیے وقف ہوئے تھے مثلاً بول و براز کو صاف کرنا گائے بیل کے لیے کٹی کرنا اپنے آقا کو بحالت برہنگی کپڑے پہنانا اور ہٹلانا گھروں میں جھاڑو دینا وغیرہ وغیرہ۔ غلاموں کو آزاد کرنے کا طریقہ یہ تھا کہ آقا غلام کے کاندھوں سے ایک پانی بھرا برتن اتارتا اور اس سے پانی کے چند قطرے لے کر غلام پر چھڑک دیتا تھا اور پھر تین مرتبہ اس کو آزاد کرنے کے کلمات کہتا تھا قدیم ہندو قانون کے مطابق والدین کو اس بات کا پورا حق تھا کہ وہ اپنے بچوں کو فروخت کر دیں یا بطور بخشش کسی کی غلامی میں دیدیں (دائرة المعارف فرید و جدی اور مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا)

**غلامی اور یہودیت**  
 یہودی شریعت کے اعتبار سے ایک عبرانی دوسرے عبرانی کو غلام بنانے کے لیے ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا تھا۔

۱۔ کوئی شخص غریب کے باعث قرض ادا نہیں کر سکتا اس صورت میں ایک امیر کو یہ حق حاصل تھا کہ اس مریون غریب کی طرف سے اس کا قرض ادا کر دے اور اس کو اپنی غلامی میں لے لے۔

۲۔ کسی نے چوری کی ہے اور اب وہ چوری کا مال اس کے مالک کو واپس نہیں کر سکتا تو اس شخص کو یہ حق تھا کہ اپنے تئیں کسی امیر کے ہاتھ فروخت کر دے اور وہ اس کی طرف سے چوری کا مال ادا کر کے اس شخص کو اپنی غلامی میں قبول کر لے۔

۳۔ والدین کسی بنا پر اپنے بیٹے یا بیٹی کو کسی کے ہاتھ بیچ ڈالیں (سفر الملاذیمین ۳۹۱۲۵) و سفر الخروج (۱۲۱ و ۸) بحوالہ ندۃ المحققین الطیف مضافہ علامہ رشید رضا



آزاد لوگوں کے لیے مخصوص ہیں تو ان تمام صورتوں میں غلام آزاد ہو جائے گا اور اس کا آقا مجبور ہوگا کہ اس کو پروانہ آزادی لکھ کر اور اپنے دستخط ثبت کر کے دے (مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا مضمون یہودیوں کے ہاں غلامی)

اس میں شبہ نہیں کہ اس قسم کے قوانین وضو ابط سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ یہودی غلاموں کے ساتھ کس قدر نرم اور قابل تحمل معاملہ کرتے تھے لیکن ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ غلاموں کا مرتبہ معاشرتی اعتبار سے کتنا پست اور ذلیل سمجھتے تھے گویا ان کے نزدیک غلام بحیثیت غلام ہونے کے نہ تو اس قابل تھا کہ کسی شریف عورت سے نکاح کرے اور نہ اس لائق تھا کہ کسی مجمع کے سامنے مذہبی کتاب کی تین آیتیں پڑھے اور نہ اس کا حق دار تھا کہ اس کے سر پر ازراہ شفقت و محبت کوئی تعویذ آقا کے ہاتھ سے رکھا جائے۔

**غلامی اور مسیحیت** مسٹر ایل ڈی. اگیت L. D. Agate لکھتے ہیں: حضرت مسیح

کی تعلیمات میں غلامی کی صاف طور پر مذمت کہیں بھی نہیں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ غلامی کا مخالف گروہ اپنی تائید کے لیے انجیل کی کسی ایک آیت کو بھی پیش نہیں کر سکتا۔ اس کے برخلاف غلامی کا حمایتی گروہ اپنی تائید میں انجیل کے اصل متن Seriptures کے الفاظ سے استدلال کر سکتا ہے کہ ہمارے آقا حضرت مسیح نے اپنے عہد کے سیاسی اور معاشرتی حالات کو پیش نظر رکھ کر ایسی تعلیمات تفہیم کی ہیں جو عیسائی گرجا اور تاریخ کے دور میں خود بخود حالات کے مطابق کام کرتی ہیں۔ سینٹ پال کی تعلیمات میں کہا گیا ہے کہ آزاد اور غلام دونوں برابر ہیں لیکن اس سے زیادہ وضاحت ہم کو اس پیغام میں ملتی ہے جو سینٹ پال نے فلیمن کے نام بھیجا ہے اور جس میں انھوں نے اس کے بھاگے ہوئے غلام بنانے اور غلاموں کی خرید و فروخت کرنے کا رواج بہت افراط و تہتات کے ساتھ پایا جاتا ہے تو اب انھوں نے حضرت عیسیٰ کی تعلیمات میں تاویلات و توجہات پیدا کرنی شروع کیں اور اس سلسلے میں خوب خوب موٹے گانیاں کیں چنانچہ یہی مصنف لکھتا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت مسیح نے غلامی ایسی وحشیانہ رسم کی مذمت کیوں نہیں کی تو جواب یہ ہے کہ اس کے تین اسباب ہیں (۱) ہمارے آقا (مسیح) نے اپنی تعلیمات ایسے انداز میں پیش کی ہیں جو ہر زمانہ کے سیاسی حالات کے ماتحت قابل عمل ہو سکیں۔

۲۔ یک نخت غلامی کے رواج کا خاتمہ کر دینا اس کے لیے کوشش کرنا رومانی سوسائٹی کے نظام معاشرت کو صدمہ عظیم پہنچاتا۔

۳۔ گرجا کا ابتدائی عہد اس امید میں تھا کہ حضرت مسیح پھر دوبارہ جلد ہی تشریف لائیں گے اس بنا پر غلامی ایسی مادی چیز پر کوئی توجہ نہیں کی گئی اور یہ خیال قائم کر لیا گیا تھا کہ ہر انسان کو اپنی اس دنیاوی زندگی میں اپنی حالت پر قانع رہنا چاہیئے خواہ وہ کسی کا حاکم رہ کر زندگی بسر کر رہا ہو یا کسی کا محکوم و مغلوب ہو کر۔

اسی مضمون میں اس کی ایک اور توجہ یہ کی گئی ہے اور وہ غالباً سب سے زیادہ عجیب و غریب ہے فاضل مقالہ نویس کہتا ہے۔

"غالباً سینٹ پال کو اس کا خطرہ تھا کہ اگر عیسائیوں نے یہ محسوس کر لیا کہ تمام عیسائی خواہ وہ دنیاوی پولیشن کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کتنی ہی مختلف ہوں روحانی برتری اور معنوی بزرگی کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر ہیں تو کہیں اس احساس کے باعث پرانا نظام معاشرت درہم درہم نہ ہو جائے۔

ہم نہیں کہتے کہ حضرت عیسیٰ کی تعلیمات کی یہ توجہات و تاویلات غلط ہیں لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اسلام پر اعتراض کرتے وقت بھی یہ تاویلات ان مسیحی ارباب قلم سے فراموش نہ ہو جاتیں۔

**غلاموں کا مسیحی تخیل** آغا اور غلام کا رشتہ کیا ہوتا ہے اسکندر یہ کے سینٹ کارل نے ان دونوں کو صانع و مصنوع سے



تبشہہ دی ہے اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات غلام کو کس مستحقانہ نظر سے دیکھتے تھے (مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا) انجیل میں غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم کہیں نہیں ہے اور نہ ان کے ساتھ حسن معاشرت کرنے پر زور دیا گیا ہے اس کے برعکس غلاموں کو جگہ جگہ تینہہ کی گئی ہے کہ اپنے آقاؤں کی اطاعت کریں اور ان کے حکم سے سر مو مخرف نہ ہوں۔

حضرت مسیح کے حواری بولیس نے اپنے ایک خط میں جو اس نے افسین کے نام لکھا ہے غلاموں کا ذکر کیا ہے اور ان کو تاکید کی ہے کہ تم اپنے آقاؤں کی اطاعت ایسی ہی کرو جیسی کہ حضرت مسیح کی کرتے ہو اور جو خط تیموشادس کو لکھا ہے اس میں بھی یہی تحریر کیا ہے اور اخیر میں یہ تصریح کر دی ہے کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں وہ حضرت مسیح کی بعینہ تعلیم ہے اور جو شخص اس سے انکار کرتا ہے جھوٹا ہے حضرت مسیح کے ایک دوسرے حواری پطرس نے بھی غلاموں کو وصیت کی ہے کہ انھیں چاہیے کہ ہر وقت اپنے آقاؤں کے اطاعت گزار و فرمانبردار بنے رہیں۔

بولس نے جو خط اہل افسین کے نام لکھا ہے قدیس باسیلیوس نے اپنی کتاب العقائد الادبیہ میں اس کے بعض حصوں کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ یہ خط اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ غلام پر اپنے آقاؤں کی اطاعت واجب ہے اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے (اسلام میں غلامی کی حقیقت ص ۲)

مسیحی علماء غلاموں کو انسانی بجگی و بے بسی کا المناک حادثہ نہیں سمجھتے تھے بلکہ ان کا خیال تھا کہ انسانی طبیعت کا اقتضاء ہی یہ ہے کہ ان میں بعض افراد احرار ہوں اور بعض غلام جیسا کہ قدیس لوقاس نے اپنی کتاب میں تحریر کیا ہے اور پھر اپنے دعوے کو مذہبی و وضعی قوانین سے ثابت کیا ہے ان لوگوں کو غلاموں پر رحم کیوں آتا یہ سمجھتے تھے کہ ہم نے غلاموں کو قتل نہیں کیا یہی ہمارا سب سے بڑا احسان اور کرم ہے جیسا کہ ایک مشہور پادری لوسونٹ فرسادی نے لکھا ہے۔

علامہ فرید وجدی نے لادوس کی انسائیکلو پیڈیا کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے

تمام عیسائی علماء اس کا اقرار کرتے ہیں کہ غلام بنانے کا دواج ان کے یہاں مشروع تھا اور مذہبی احکام میں داخل تھا مسٹر اے۔ این گلبرسن تحریر فرماتے ہیں کہ ہم کو یہ یاد دلانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ ابھی تھوڑے ہی زمانے تک غلامی نہ صرف یہ کہ ترقی یافتہ قوموں کی حکومتوں میں منظم طریقہ پر رائج تھی وہ تو میں جو مذہب عیسائی تھیں۔ بلکہ دینیات کے بڑے بڑے عالم اس کو حکم خداوندی سمجھتے تھے اور ایک مصلحانہ قانون یقین کرتے تھے (مذہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا) پھر اس مصلحانہ قانون میں اس قدر شدت اور انحراف ہوئی کہ افریقہ کی بعض قوموں کا بالکل خاتمہ ہی ہو گیا اور یورپ والوں نے ان کو پکڑ پکڑ کر غلام بنایا ایک عیسائی مبلغ لکھتا ہے "یورپ والوں نے افریقہ کے سیاہ فام انسانوں پر بڑے بڑے مظالم کیے ہیں اور اتنے سخت کہ اب ان کا کفارہ بھی ادا نہیں ہو سکتا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ اکثر قومیں بالکل ختم ہو گئی ہیں مثلاً سونفوی اور فالوہ اور نکوی سفید فام نحاس آتے تھے اور انھیں اور ان کے بچوں کو گرفتار کر کے بیجاتے تھے (حاضر العالم الاسلامی مصنف Lathrop Slodderad بحوالہ الاسلام والحضارة العربیہ ص ۹)

**کیا یورپ نے غلامی کو مٹا دیا** اس میں شک نہیں کہ یہودیت اور عیسائیت میں جو غلامی مروج تھی وہ ہو بہو ان اقوام کی غلامی سے مشابہ تھی جن کا ذکر ہم کر چکے ہیں یورپ نے جب تجارت اور ترقی کے میدان میں قدم رکھا تو وہاں کے باشندوں نے ان غلاموں کے علاوہ جو ان کے قبضہ میں تھے افریقہ اور امریکہ سے وہاں کے اصل باشندوں کو گرفتار کر کے لانا شروع کر دیا اور ان سے شب روز اپنی مصنوعات کی تیاری میں اس قدر کام لینے لگے کہ وہ بیچارے کام کرتے کرتے تنہک جاتے اور جان سے گزر جاتے تھے یہ اس زمانے کا ذکر ہے جب کہ اسپین کی عیسائی سلطنت کے پاس یورپ کی تمام سلطنتوں سے زبردست بیڑہ موجود تھا اور اس کو غلاموں کو پکڑ کر لانے اور اس سے منفعت حاصل کرنے سے تمام سلطنتوں پر تجارت میں فوق حاصل تھا اگر دوسری سلطنت اپنے ملک کے کارخانوں کے لیے غلام لینا چاہے تو وہ اس کے لیے



حکومت ہے۔ مولف

امریکہ میں وہاں کے اصل باشندوں کا باوجود عیسائی ہونے کے جو کچھ حال ہے۔ وہ سب پر عیاں ہے گوری قوموں کے لوگ ذرا اسی بات پر بھڑک بھڑک کر جس جس طرح انھیں قتل کرتے اور ان کی درگت بناتے رہتے ہیں اخبار پڑھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ گذشتہ جنگ نے جس طرح یورپ کے چہرہ سے تہذیب کا دلچسپ نقاب اٹھا کر اس کی بہیمیت اور وحشت کو عالم میں آشکارا کر دیا ہے اور کسی طرح اس کی نقاب کشائی ممکن نہ تھی اگرچہ جنگ ختم ہو گئی لیکن اس کے ہیبت ناک مظالم کو پڑھ کر دنیا صدیوں لمزہ بر اندام رہے گی۔

یورپ کے کارخانوں کو دیکھو اس کے محسروں مزدوروں ملازموں کی فریادیں سنو قلیل قلیل اجرتوں پر جیسے جیسے سخت کام وہ کرتے ہیں غلام اس سے کچھ زیادہ نہ کرتے ہوں گے ہندوستان کے ہر قسم کے محکموں میں جاؤ اور سیر کرو تو معلوم ہو جائے گا کہ چند درہم کے لیے جو تن کے ڈھانپنے اور پیٹ کے پالنے کے لیے بھی کافی نہیں۔ لوگ غلامی کے طوق میں جکڑے ہوئے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ وہ کون سا کام ہے جو آزادی کے پردے میں آزاد غلام نہیں کر رہے ہیں ہوا زمنہ گذشتہ میں غلام کرتے تھے۔

جنھیں انگلستان کے اخبارات پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے وہ دیکھتے ہوں گے کہ تقریباً ہر ایک اخبار میں انھیں کوئی نہ کوئی عنوان ”غلام محرم“، ”کنیز عورتیں“، ”غلام مزدور“ وغیرہ کا نظر آتا ہے اور جس کے ذیل میں انھیں موجودہ آزادی کے خوفناک کرشمے نہ دکھائی دیتے ہوں۔

**نسلی امتیاز اور مغرب نسلی برتری کی تھیوری جس کے بعض اہل فلسفہ**  
\*\*\*\*\* یا بعض منکرین قائل ہیں وہ ملتوی کی مساوات و برابری کے قائل نہیں ہے نسلی برتری کے طرفدار یہ چاہتے ہیں کہ بہترین و طاقتور نسل کو دنیا میں حکومت کرنی چاہیے اور کمزور و پست اقوام کو ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنی چاہیے اس بات سے قطع نظر کرتے ہوئے کہ ایسا طرزِ نگرانیات بشری کے اصول سے

اسپین کی دست نگر ہتی تھی کیوں کہ بردہ فروشی کی ٹھیکہ داری اسپین کے ہاتھوں میں تھی اور یہ ظاہر ہے کہ اسپین کے باشندے صرف انھیں غلاموں کو دوسروں کے ہاتھ فروخت کرنے پر رضامند ہوتے اور وہ بھی حد درجہ گراں قیمت پر جو آزاد ہوتے اس طرح دوسرے ممالک تجارت میں اسپین کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے اس تجارت کی دوڑ میں یورپ کی کوئی سلطنت اس وقت تک اسپین سے آگے نہ بڑھ سکتی تھی جب کہ غلامی کا حربہ اسپین کے ہاتھوں سے ٹوٹ کر نہ گرجائے اس لیے سب سے پہلے برطانیہ نے اس راز کو سمجھا۔ اور انگریزوں نے اس کے خلاف آواز بلند کی یہاں تک کہ وہ اس میں کامیاب ہو کر رہے اور ایک عہد نامہ کے ذریعہ دنیا سے غلامی کا رواج ظاہری طور پر مٹ گیا لیکن دیکھنا یہ ہے کہ آیا غلامی کا رواج دنیا سے اٹھ گیا ہے یا صرف اس کی ہیئت اور نام میں تبدیلی ہو گئی ہے اگر ہم موجودہ زمانے کے تمدن کا بغور مطالعہ کریں تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ غلامی پہلے سے زیادہ بھیانک صورت میں موجود ہے یورپ باوجود دعوائے آزادی افراد قوموں کو غلام بنا رہا ہے اور نہ صرف غلام بنا رہا ہے بلکہ غلام بنا کر ان سے ایسی سخت مشقت لے رہا ہے کہ جس پر قدیم یونان و روم کے لوگ ہی عمل کرتے تھے یورپ کے باشندے ذرا ذرا سے مالی نفع کے لیے خدا کی مخلوق کا خون بہانے سے دریغ نہیں کرتے مثال کے طور پر ہم ایک واقعہ درج کرتے ہیں۔

”بیلیجیم جس کو تمام یورپ مظلوم بیلجیم کے نام سے یاد کرنے کا عادی ہو گیا ہے ملک افریقہ کا ایک علاقہ ہے جس میں بڑا پیدا ہوتا ہے بیلجیم کے لوگ بڑے حاصل کرنے کے لیے وہاں ایسے ظلم کرتے ہیں کہ دل کانپ جاتا ہے وہ اس خطرہ کے اس باشندوں کے ہاتھ کاٹ ڈالتے ہیں قتل کر دیتے ہیں غرض جو چاہے کرتے ہیں لیکن سوائے اس کے کہ دوسرے ممالک کے اخبار ان مظالم کے ٹوٹا پٹے اخباروں میں چھاپ دیں اور دو چار لفظ ہمدردانہ پیرایہ میں لکھ دیں ان سے کوئی باز پرس نہیں کرتے (اب یہ علاقہ آزاد ہو چکا ہے اور وہاں جمہوری نظام



زیادہ تر ذہنوں میں راسخ ہے گوارہ تمدن میں سیاہ رنگ جرم ہے اور عملی طور سے کالے بہت سی جائز آزادی اور حقوق انسانی سے محروم ہیں امریکہ کے بعض مقامات پر قانوناً کالا آدمی گورے سے شادی نہیں کر سکتا اور نہ مدرسہ، یونیورسٹی، اسپتال وغیرہ میں گوروں کے ساتھ رہ سکتا ہے بلکہ دونوں کے لیے الگ الگ مدرسے، الگ الگ اسپتال قائم کیے گئے ہیں گوروں کے مجمع عام مہان خانوں اور کھانے کے کمروں ڈاننگ ہال میں سیاہ پوستوں کا داخلہ ممنوع ہے عام بسوں اور کار خانوں میں کالے ایک برتھر پر گورے کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے انتہائی شرمناک بات یہ ہے کہ بعض گرجاؤں میں کالوں کو مذہبی مراسم (ادارے) کا حق نہیں ہے۔

امریکہ کے سابق رییس جمہوریہ نے فردی ۱۹۶۳ء میں نمائندگان ممالک کے کانفرنس میں اعلان کیا کہ بلا کسی تخصیص کے امریکہ میں ہر جگہ گورے بچوں کے مقابلہ میں نصف کالے بچوں کو یہ حق ہے کہ وہ تعلیم حاصل کریں اور گوروں کے مقابلہ میں ایک تہائی کو یہ حق ہے کہ یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں اور اسی طرح ایک تہائی کو حق ہے کہ کسی فن میں اسپیشلسٹ بنیں اور وہ تہائی کو حق یہ ہے کہ وہ بیکار نہ ہوں۔

رسالہ اخبار دگزار شہائے جہاں لکھتا ہے کہ امریکہ میں گیارہ مقامات پر کالے حق رائے دہی حق تعمیر مکان، ریستورانٹ میں آزادی، دو کالوں کی آزادی سے محروم ہیں، یعنی مختصر آئندگی کے ہر شعبہ میں ان کو محروم رکھا گیا ہے الا باپا، می سی پی اور اسی طرح جنوبی امریکہ وغیرہ کے تمام مدارس میں نمونے کے طور پر بھی ایک سیاہ پوست نہیں ملے گا۔

۱۹۵۲ء میں امریکی پارلیمنٹ نے رائے دی کہ سیاہ پوست بھی مدارس میں گوروں کی طرح برابر تعلیم حاصل کر سکتے ہیں تو صرف چار فیصد سیاہ پوست طلباء کو گوروں کے مدارس میں قبول کیا گیا اور بہت سی جگہوں پر سیاہ پوست کے نام لکھوانے پر جنگ وجدال کی فوج آگئی اور پولیس کو دخل دینا پڑا (تہران مصور شمارہ ۱۱۷۴)

نسل نہیں کھاتا اور شخصی و اجتماعی آزادی کے اصول کے بالکل خلاف ہے علی و تارکینی نقطہ نظر سے بہت سے معاصر اہل فلسفہ و محققین نسلی برتری کو امر موہوم و خود ساختہ و بے بنیاد سمجھتے ہیں یہ بات ملحوظ خاطر ہے کہ بعض محققین اس قانون کی بنا پر کہ ابھی تک خالص نسل نہیں دیکھی گئی اور نہ کسی علمی تحقیق نے نسلی امتیاز کو مکمل واضح کیا ہے آریائی نژاد کے قائل نہیں ہیں اور اس کو ایک افسانے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے اور نہ کسی طرح یہ بات ثابت ہو سکی ہے کہ تاریخ میں واقعا کوئی آریائی نژاد قسم کی چیز موجود تھی صرف آریائی زبان کا وجود ثابت ہے مگر آریائی نسل نہیں ثابت ہو سکی اور عموماً یہ بات دیکھی گئی ہے کہ بہت سی نسلیں ایک ہی زبان بولتی ہیں (تاریخ ادیان ص ۲۱۹)

دوسری عالمی جنگ کے منجملہ اسباب میں ہٹلر کی جرمنی میں فلسفہ نیشنل سوشلزم National Socialism کا پھور تھا جس کی بنیاد ہی نسلی برتری پر رکھی گئی تھی ہٹلر کا اصلی مقصد جرمنی کی وسعت اور یورپ کے مرکز میں ایک نہایت طاقتور مقتدر جرموں کی حکومت کا قیام تھا اس منہوس نے اپنی جابرانہ حکومت میں نمائندگان ممالک کا اجتماع کر کے اور وسیع تر تبلیغ کر کے قومی طاقتوں کو اپنا گردیدہ بنالیا اور اس بہانے سے جذبہ ہوس ملک گیری کو سکون پہنچایا۔

ڈاکٹر گسٹاف لی بان Dr. Gustaf Lebon لکھتا ہے ایک اہم بات جس نے معاشرہ کو برباد کیا وہ یہی نسلی برتری کا عقیدہ تھا گذشتہ حکام وقت اس عقیدہ کے پکے حامی تھے اور ان کی سیاست کا محور یہی عقیدہ تھا انجام کار خونی کشمکشوں کا سلسلہ بڑھتا گیا اور بے انتہاد طرانت پر جا کر ختم ہوا۔

اس عقیدے کو ضرورت سے زیادہ تقویت اس خیال سے پہنچی کہ غیروں کے حلوں سے محفوظ اور قوی تر وہی قوم و ملت ہو سکتی ہے جس کی زمین زیادہ ہو اور جس کی تعداد زیادہ ہو حالانکہ ایسی قومیں غالب ہونے کے بجائے مغلوبیت سے بہت قریب ہوتی ہیں۔ دنیا کے تمدن ترین ملکوں میں یہی طرز فکر یہی گورے کو کالے پر برتری ہے اب بھی



کونے کے ساتھ ان کی قومیت کو بھی بتاتا ہے مختلف نسلوں کے لوگ مختلف بسوں اور ریلوں میں سفر کرتے ہیں گرجاؤں میں ہسٹلوں میں الگ الگ جاتے ہیں ٹیکسی اسٹینڈ۔ ٹیلی فون بوسٹھ سے الگ الگ استفادہ کرتے ہیں الگ الگ اسپتالوں میں علاج کراتے ہیں حد یہ ہے کہ الگ الگ قبرستان میں دفن ہوتے ہیں۔

اس ملک میں کالے گورے کی شادی ممنوع ہے خلاف ورزی کرنے والوں کو شدید ترین سزائیں دی جاتی ہیں گوروں کے ایریا میں کالے کوئی فنی کام انجام نہیں دے سکتے بلکہ بہت ہی معمولی کاموں پر بہت کم مزدوری پر کام کرتے ہیں۔

جنوبی افریقہ میں نسلی طبقہ بندی بھی ایک اہمیت رکھتی ہے کیوں کہ اس طبقہ بندی کی وجہ سے اس کی آزادی اور اختیارات کے حدود معین کئے جاتے ہیں کہ کون کون اور کہاں زندگی بسر کرے کس کے ساتھ شادی کر سکتا ہے اور کس قسم کا کام کر سکتا ہے اور کیسی تعلیم و تربیت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے کبھی کبھی اس ملک کے قید خانوں میں قیدی ہو جاتے ہیں کالوں کی قسمت کا فیصلہ گوروں کے رحم و کرم پر ہے کوئی قانون ان کی حمایت نہیں کر سکتا ملکی اخباروں میں عدالت کا ایک فیصلہ شائع کیا گیا تھا جس کو ہم یہاں درج کر رہے ہیں۔

جنوبی افریقہ کے ایک شہر میں ایک سفید پوست خاندان میں کالی لڑکی پیدا ہو گئی تو جنوبی افریقہ کی عدالت نے یہ فیصلہ دیا کہ ایک کالے کو گوروں کے خاندان کا فرد بننے کا حق نہیں ہے اس لیے اس لڑکی کو اس خاندان سے نکال دیا جائے اور کالوں کے محلہ جو ہانسبرگ Johannesburg میں رہنے پر مجبور کیا جائے عدالت نے یہ بھی کہا تھا کہ یہ لڑکی ملازمہ کی حیثیت سے اپنے باپ کے گھر کام کر سکتی ہے لڑکی کے والدین اس فیصلہ سے مبہوت ہو گئے اور اس کے باپ نے کہا اگر میں اپنی لڑکی کا حق دلانے میں ناکامیاب ہو گیا اور جنوبی افریقہ کی ہائی عدالتوں نے بھی اس غیر انسانی فیصلے کو تبدیل تو بیرون ملک کے جو لوگ اس لڑکی کو قبول کرنے پر تیار ہوں گے میں ان کے سپرد

گوروں نے سیاہوں پر ایسے ایسے ظلم و ستم کو جائز قرار دے رکھا ہے جس سے قرون وسطیٰ کی تباہ کاریاں اور ظلم و ستم یاد آجاتے ہیں۔

عالمی حقوق انسانی کی حفاظت کرنے والی کمیٹی بھی اس ظلم و ستم کو سخت نہ کر سکی تیسخرفضا کے اس دور میں بھی دنیا قومی تعصب اور نسلی برتری کی آگ میں جل رہی ہے اور انسانی رنگوں کے اختلافات کو سرسام آور حد تک محفوظ رکھا ہے۔

مشہور فلسفی اے سورو کین A. Sorokin کہتا ہے میں اس شرکاشت سے مخالف ہوں کہ مشرق مشرق ہے اور مغرب مغرب۔ یہ دونوں ایک جگہ اکٹھا ہی نہیں ہو سکتے آخر کیوں؟ انسانوں میں کیا فرق ہے؟ حضرت مسیح نے دو ہزار سال پہلے یہ پیغام دیا تھا فضیلت و انسانیت کا دار مداریت عمل نیک پر ہے اور ہم بیسویں صدی کے تمدن لوگ انسانوں کی فضیلت و برتری کو خون و رنگ میں منحصر سمجھتے ہیں۔

لوگ کہتے ہیں ہٹلر بہت برا تھا کہ نسلی برتری کا قائل تھا لیکن آج ہم جدھر دیکھتے ہیں ادھر ہی چھوٹے چھوٹے ہٹلر بھرے ہیں اگر ان کا بس چلے تو نازیوں کے خدائے مرحوم و ملعون کو بھی سفید کر دیں ذرا جنوبی افریقہ کو دیکھئے خود ہمارے امریکہ کو دیکھئے ہر جگہ نسلی برتری موجود ہے میرا یہ عقیدہ ہے کہ دیت نام میں ہونے والی ہمدانی جنگ بھی "نسلی جنگ" ہے جس کا محرک مغربی گوروں کا کمزور ایشیائی لوگوں پر احساس برتری ہے "خداوند و کعبہ ص ۱۹۸"

جنوبی افریقہ کی عین جو کھائی (۱۹۴۷ء) آبادی کالوں پر مشتمل ہے اس کے باوجود گورے اپنی نسلی برتری کو نہایت شدت و سختی کے ساتھ باقی رکھتے ہیں اس ملک میں برتری جو اپارٹیڈ کے نام سے مشہور ہے۔ اسی قاعدے پر مبنی ہے جس نے کالوں اور گوروں میں کامل جسمانی جدائی پیدا کر رکھی ہے اس قانون کی بنا پر گورے ہندی کالے ہمارے الگ زندگی بسر کرتے ہیں ان کے شناخت ناموں میں یہ بات تحریر کر دی جاتی ہے جنوبی افریقہ کے رہنے والوں کا شناخت نامہ ان کی شخصیت کا تعین



اور یہ سب اس لیے کرتے ہیں تاکہ لوگ ان کی خواہشات کے سامنے سر جھکا دیں یہ ظالم ڈکٹیٹری سرمایہ داری کے ذریعہ سے لوگوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں۔ اور اپنے ظلم و جبر کے ذریعہ معاشرے کو حق و عدالت کے برخلاف قوانین کی پیروی پر مجبور کرتے ہیں اسی لیے اسلام نے تمام اقسام قدرت کو خدا میں منحصر کر کے بندوں کو سرکشوں اور ظالموں کے غلامی سے نجات بخشی ہے تاکہ وہ لوگ واقعی آزاد آدمی سے فائدہ مند ہو سکیں ایسی آزادی جو کسی ظالم نظام کے تحت نہ ہو۔

اسلام چاہتا ہے کہ لوگ اپنے اندر انسانی مشرف کو محسوس کر سکیں اور یہ احساس اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک معاشرہ کے تمام افراد صرف ایک خدا کے سامنے سر نہ جھکائیں کیوں کہ اسی صورت میں یہ بات ممکن ہے کہ کوئی کسی کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا بلکہ ہر شخص کا حکم ایک ہی ہے۔

اسلام تمام تر انسانی قدر و قیمت کا قائل ہے اس کا مقصد اصلی انسان کے فطری حقوق کی حفاظت ہے اور شخصی و اجتماعی زندگی کے تمام گوشوں میں عدالت و برابری کی برقراری ہے اسلامی معاشرے میں قانون نے تمام لوگوں کے برابری کی ذمہ داری لی ہے اور قانون کے سامنے سب کی حیثیت ایک ہے۔

اگر اسلام نے قومیت، ملیت، نسلی عنصر کا اعتبار کیا ہوتا تو کسی بھی قیمت پر ایسے درختوں پیش رفت سے ہٹکا رہا ہو سکتا۔ ترقی کا یہی راز ہے کہ جس کی بنا پر ایک صدی سے بھی کم مدت میں آدھی سے زیادہ دنیا پر اس نے حکومت قائم کر لی اور ہر جگہ بہت ہی گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا گیا اور مختلف اقوام و ملل نے اسلام قبول کیا۔

تاریخ گواہ ہے کہ ہر زمانے میں کچھ بے بنیاد قسم کے عقائد و انکار نے ملتوں کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اور انسان کے مختلف گروہوں میں جنگ کی آگ بھڑکادی ہے اس قسم کی چیزوں میں سب سے زیادہ دخل نسلی برتری، ملت پرستی، مذہبی احساسات

کر دوں گا (کیہان شمارہ ۱۳۰۱ء)

شارپ ولے (Sharpville) کا حادثہ جنوبی افریقہ کے گورڈوں کا کالوں پر ظلم و ستم کا ایک معمولی واقعہ ہے شناخت نامہ کو ہمراہ رکھا ضروری ہے اس حکم کے خلاف جنوبی افریقہ کے چند شہروں میں مظاہرے کیے گئے کچھ افریقی بہت آرام و اطمینان سے شارپ ولے میں ایک ٹھکانے کی طرف سے گزرے۔ پولیس نے شناخت نامہ نہ ہونے کے جرم میں گرفتار کرنے کے بجائے گولی چلا دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۶۹ آدمی قتل ہو گئے اور ۱۸۰ آدمی شدید زخمی ہوئے (اطلاعات شمارہ ۱۳۱۲۹) آخر اس غلاب انسانیت اور وحیانہ رفتار کا کیا نام ہے؟ کس عاقلہ بشری سے اس کو الہام ہوتا ہے؟ اس قسم کے اعمال سے غلامی کے علاوہ کسی اور چیز کا تصور ہو سکتا ہے؟ ایک جماعت کا دوسری جماعت کو اپنی پیروی پر جبراً مجبور کرنا غلامی کے علاوہ اور بھی کچھ ہو سکتا ہے؟ ان حالات کے پیش نظر غلامی کہاں ختم ہوئی؟ اور کس عدالت نے غلامی کے قانون کو ختم کیا؟

مشہور امریکی رائٹر ہری ہاروڈ (Harry Harwood) اپنی کتاب (آزادی زنجیاں) میں لکھتا ہے یہ صحیح ہے کہ قدرون وسطیٰ والی غلامی اس دور میں ختم ہو گئی ہے لیکن طبقہ بندی کی شکل میں ہمارے نظام میں غلامی اب تک باقی ہے آج بھی یہی کوشش ہے کہ کالے ذلت کی زندگی بسر کریں۔

ظالمانہ قوانین کے ماتحت کبھی ان کے حقوق پامال کیے جاتے ہیں اور کبھی حکومت کی لاپرواہی اور کبھی بغیر کسی اطلاع کے معمولی بہانہ کر کے ان کو قتل کر دیا جاتا ہے (مغربی تمدن کی ایک جھلک ص ۸۶-۸۷ مضائقہ مجتبیٰ لاری)

**اسلام عدالت و آزادی کا دین ہے** ان ظالموں اور جاڑوں

\*\*\*\*\* کے تسلط سے آزادی کا نام اسلام ہے، جو اپنے خود غرضی کے ماتحت انسانوں کو غلام بنانا چاہتے ہیں جو لوگوں کی مشرافت، آبرو، جان و مال سے کھیلنا چاہتے ہیں جو لوگوں کو اپنا ذریعہ سمجھتے ہیں



میں تمام لوگ دو ہی طرح کے ہیں ایک گروہ تو وہ ہے جو تقوائے الہی کی بناء پر بارگاہ ایزدی میں بزرگ ہے دوسرا گروہ وہ ہے جو گنہگاری کی وجہ سے اس کے سامنے سر جھکائے ہے۔

ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کی مولائے زمین پر کوئی ایسا نہیں ہے جس کے آباؤ اجداد آپ کے آباؤ اجداد سے بالاتر اور شریف تر ہوں۔ امام نے فرمایا ان کی بزرگی تقویٰ کی وجہ سے تھی ان کا مقصد حیات اطاعت پروردگار تھا یہ شخص امام کی نسلی برتری ثابت کرنا چاہتا تھا آپ نے فوراً اس کے غلط طرز فکر کو روک کر برتری کا معیار تقویٰ کو بتایا ایک اور شخص نے حضرت سے کہا خدا کی قسم آپ دنیا میں سب سے بہتر ہیں امام نے فوراً کہا اے شخص قسم مت کھا اگر کوئی مجھ سے زیادہ متقی ہے اور مجھ سے زیادہ خدا کی عبادت کرتا ہے تو وہ مجھ سے بہتر ہے خدا کی قسم ابھی یہ آیت نسخ نہیں ہوئی ہے (وہ آیت یہ ہے) تم میں سب سے محرم وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

وہی تقویٰ جو عین حریت ہے نہ کہ محدودیت کیوں کہ محدودیت انسان کو سعادت سے محروم کر دیتی ہے لیکن تقویٰ روح کی زہرہ ہے جو اس کو مغنویت عطا کرتی ہے اور اس کو قید بندگی و ہوا و ہوس سے آزاد کرتی ہے اور شہوت و حسم حرص و طمع کی زنجیروں کو اپنے گلے سے نکال دیتی ہے اجتماعی زندگی میں بھی تقویٰ بشر کے لیے آزادی بخش ہے جس کے گلے میں روپے اور مرتبے کی زنجیر پڑی ہو وہ اجتماعی لحاظ سے آزاد زندگی نہیں رکھتا۔

حضرت علیؑ ارشاد فرماتے ہیں قیامت کے دن درستی و پاکیزگی کی کبھی اور ذخیرہ تقویٰ ہے یہی تقویٰ غلامی کی ہر قید و بند سے آزادی ہے ہر بد بختی سے نجات دہانی ہے تقویٰ سے انسان اپنے مقصد کو حاصل کر لیتا ہے دشمن کے شر سے محفوظ رہتا ہے اپنی امیدوں اور آرزوؤں کو حاصل کر لیتا ہے۔

تاریخ کے اس تاریک ترین دور میں جب نسلی و طبقاتی نزاع و کشمکش لوگوں میں بوری شدت کے ساتھ موجود تھی اور عقل و آزادی کے برخلاف وسیع پیمانے پر امتیازات

کے غلط استعمال کو ہے اسلام نے عوامل اختلاف کو بنیاد نہ بنا کر عوامل وحدت اور انسانی قدر و قیمت اور اشتراک ایمان کو اساس بنایا ہے۔ مسلمان تو یہودی۔ مجوسی نصرانی سب ہی سے کہتا ہے آخر ہم آپس میں کیوں اختلاف کریں اوسب مل کر ایک خدا کی پرستش کریں قرآن کہتا ہے اے آسمانی کتابوں کے ماننے والو! ہمارے تمہارے درمیان میں جو بنیاد مشترک ہے اس پر عمل کریں اور وہ مشترک بنیاد یہ ہے کہ غیر خدا کی عبادت نہ کریں کسی کو اس کا شریک نہ کریں ہم میں سے کچھ لوگ دوسرے لوگوں کو خدا کی جگہ پر صاحب اقتدار نہ مانیں۔

آج جو قومیں وحدت، یگانگت، عدالت، حریت کی منہی ہیں جو استعمار کے جنگل سے اور نسلی امتیاز کی تباہ کاریوں سے نجات چاہتی ہیں وہ اپنے مقصد کو اسلامی نظام کے اندر ہی پاسکیں گی۔ کیوں کہ اسلام ہی کے زیر سایہ ملتوں کا اتحاد افراد انسانی کی مساوات متحقق ہو سکتی ہے۔ اور تمام لوگ۔ سیاہ، سفید، زرد، سرخ۔ انسان کے دوش بدوش چل سکتے ہیں اور کامل آزادی سے زندگی بسر کر سکتے ہیں۔

اسلام کسی بھی شخص کی برتری کا دو بنیادوں پر قائل ہے۔ علم و عمل اور امتیاز کا دار و مدار صرف پاکیزگی روح اور فضیلت اخلاق پر ہے۔ اسلام نے شرافت اور شخصیت کی بنیاد تقویٰ پر رکھی ہے اس کے علاوہ کوئی معیار فضیلت نہیں ہے ارشاد خدا ہے تم سب ہمارے نزدیک یکساں ہو تم میں سب سے بزرگ وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو (سورہ حجرات - آیت ۱۳)

رسول خدا نے علی الاعلان فرمادیا عرب کو عجم پر اور سفید کو سیاہ پر کوئی فضیلت نہیں ہے البتہ تقویٰ و روحانی فضیلت سبب ہے۔

مکہ فتح کرنے کے بعد رسول خدا نے متکبر خود پسند زبان و نسل کو مایہ افتخار سمجھنے والے عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا۔ اس خدا کی تعریف ہے جس نے اسلام کے طفیل میں تمہارے جاہلیت کے آثار، فخر، تکبر، نخوت کو ختم کیا۔ یاد رکھو خدا کی بارگاہ



کی مخالفت کرتا تھا اس لیے مکہ چھوڑنے پر مجبور ہوا اسلام ایک طرف سے تو تمام دوسرے مذاہب کے خصوصیات کا حامل ہے لیکن دوسری طرف سے سرزندہ و مادی جنموں کا بھی حامل ہے رہبانیت سے فرار نسلی و قبائلی مساوات زن و مرد کے حقوق کی مساوات غلاموں کی حمایت غریبوں مجبوروں کی طرف داری سادہ اصول یہ چیزیں ایسی ہیں جس نے اسلام کو دوسرے مذاہب سے ممتاز کر دیا۔

خونخوار اور مغرور حاکموں کے سر پر اسلام سنگین ضرب بن کر آیا دیہاتیوں پیشیہ و شہریوں نے اس کو رحمت و نجات سمجھ کر دل سے لگایا۔ عظیم پیکر شاہی (مگر بوسیدہ) پر بہت ہی بر محل اسلام نے ضرب کاری لگائی اور اس کو نیست و نابود کر دیا اور دوسری کے اندر اندر چین سے لے کر اسپین تک اپنی عظیم حکومت قائم کی (ماہنامہ مردم شمارہ دوم سال سوم)

جس وقت اسلامی پیشواؤں اور سوشلسٹ ملکوں کے ذمہ داران حکومت کا مقابلہ کیا جائے تو پتہ چل جاتا ہے کہ ان حکومتوں میں اور اسلام میں زمین سے لے کر آسمان تک فرق ہے اسلام طبقاتی نظام کے بالکل برخلاف ہے وہ حاکم و محکوم کو نہیں پہچانتا وہاں کامل مساوات ہے حضرت علیؑ کو جب یہ خبر پہونچائی گئی کہ آپ کے نامندہ "عثمان بن حنیف" کے اعزاز میں بصرہ کے اندر ایک دعوت کا اہتمام کیا گیا ہے تو آپ کو یہ بات نہایت ہی ناگوار گزری کہ حاکم اور شہر کے اونچے طبقہ میں خصوصی روابط پیدا ہو جائیں جس کے سبب سے بڑے لوگوں کے ساتھ خصوصی برتاؤ کیا جائے آپ نے فوراً اپنے گورنر کو ایک عتاب آمیز خط لکھا اور بہت زیادہ اس میں عثمان کی سرزنش کی (منہج البلاغہ)

نسلی امتیازات کا مقابلہ دنیا کے تمام مکاتیب فکر سے پہلے اسلام نے کیا اگرچہ آج ساری دنیا میں سیاہ و سفید کے برابری اور قانونی مساوات کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے لیکن قول و فعل میں بہت فرق ہے کیوں کہ شری تاریخ کے تاریک ترین زمانے کی طرح

موجود تھے جب کمزور و تہی دست تمام شخصی و اجتماعی حقوق سے محروم تھے قوم و ملت خونخوار حاکموں کے پنجوں میں تڑپتے تھے اس وقت پیغمبر اسلام نے بڑی بے جگری کے ساتھ ہر قوم کے ناجائز و غلط امتیازات کو لغو قرار دیا اور تمام افراد میں برابری و کامل مساوات کا اعلان فرمایا بندگی خدا کے زیر سایہ ہر شخص کو معقول آزادی بخشی یہاں تک کہ معاشرہ کے وہ کمزور طبقے جو اشراف حکام کے سامنے اپنے ارادے کو ظاہر کرنے پر قادر نہیں تھے اسلام کے مبنی بر انصاف قانون کے زیر سایہ طاقتور ہو گئے اور دوسا دوزگار قوم کے شانہ بشانہ چلنے لگے۔

جن لوگوں کا خیال ہے کہ دنیا کے موجود مکاتیب فکر اجتماع بشری سے محروم اور ستم رسیدہ لوگوں کا دفاع اسی طرح کر سکتے ہیں جس طرح اسلام نے کیا ہے وہ یقیناً اشتباہ میں مبتلا ہیں انھوں نے حقیقت اسلام کو درک ہی نہیں کیا حقیقت یہ ہے کہ اجتماعی عدالت جو کامل ترین صورت اسلام نے پیش کی ہے کوئی بھی سسٹم یا مکتب فکر نہیں پیش کر سکا انتہا یہ ہے کہ کمیونسٹ جو دین و مذہب کے دشمن ہیں اسلام کے عظیم نہضت، موثر نقش و اثرات تعلیمات کا اعتراف کرتے ہیں۔

ایران کا ایک کمیونسٹ اخبار لکھتا ہے ساتویں صدی عیسوی کے اوائل میں اسلام کا ظہور تاریخ کا وہ بہترین شاہکار ہے جس نے بشر کے چہرہ تمدن میں انقلاب پیدا کر دیا اس عظیم واقعہ ظہور اسلام جس کے فتوحات ایک صدی سے بھی کم مدت میں ایک طرف تو ساحلی "لوآر" تک اور دوسری طرف ساحل "سندھ و جیخون" تک پہنچ گئے تھے نے کتاب زندگی میں ایک دلچسپ باب کا اضافہ کیا ہے۔

خود جزیرہ العرب کے اندر یہودی عیسائی متعدد مرکز تبلیغ تھے اعراب مکہ اور بادیہ نشین قبائل بت پرست تھے مگر مرکز تجارت تھا سود خواروں کا گڑھ تھا قبائل سسٹم کا لمباد ماویٰ تھا ملکی تعصب کا منبع تھا مختلف مذاہب کا مرکز تھا اسلام ابتداً اچھوٹے موٹے تاجروں کسانوں غلاموں میں مقبول ہوا اور چونکہ سود خواروں



مردم و بے چارہ تھے ان کو اقامت بخشی ہے زمانہ جاہلیت میں جو لوگ ذلیل تھے اسلام کی دہرے آج صاحب عزت ہیں اسلام نے زمانہ جاہلیت کی خود پسندی نسلی و خاندانی تفاخر کے محلوں کو مسمار کر دیا ہے آج تمام کالے گورے برابر ہیں، عرب عجم برابر ہیں سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کئے گئے تھے خدا کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب و پیارا شخص وہی ہے جو تقویٰ و پرہیزگاری میں سب سے بہتر ہو اسے جو سیرا میں کسی کو تم سے برتر نہیں سمجھتا البتہ وہ شخص جس کا تقویٰ اور اطاعت خدا تم سے زیادہ ہو وہ تم سے بہتر ہے ورنہ نہیں اس کے بعد فرمایا تم قبیلہ "بنی بیاضہ" کے شریف ترین شخص "زیاد بن لبیہ" کے پاس جا کر کہو کہ رسول خدا نے فرمایا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دو جس وقت جو سیر پہنچے تو زیاد اپنے قبیلہ والوں کے ساتھ گھر میں بیٹھے ہوئے تھے جو سیر اجازت حاصل کر کے اندر داخل ہوئے اور سب کو سلام کر کے زیاد کو مخاطب کرتے ہوئے کہا رسول خدا نے مجھے تمہارے پاس ایک حاجت لے کر بھیجا ہے آپ کہئے تو سب کے سامنے عرض کر دوں یا آپ چاہیں تو تنہائی میں عرض کر دوں؟ زیاد نے کہا تنہائی میں کیوں؟ نہیں نہیں تم سب کے سامنے کہو! کیوں رسول خدا کا پیغام میرے لیے باعث صداقت ہے جو میر نے کہا! رسول خدا نے فرمایا ہے آپ اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کر دیں! زیاد نے کہا ہم انصار اپنی لڑکیوں کی شادی اپنے سے کم مرتبہ والے کے ساتھ نہیں کرتے واپس جاؤ اور رسول خدا کو میرا خدا بتا دو!

جو سیر وہاں سے روانہ ہوئے کہ رسول خدا کو جواب بتادیں! ادھر زیاد بہت پشیمان ہوئے اور ایک آدمی کو بھیج کر جو سیر کو راستے ہی سے واپس بلا لیا اور ان کے ساتھ بڑی مہربانی کے ساتھ پیش آئے اور کہا آپ کھڑے ہیں پیغمبر اسلام سے بات کر کے آتا ہوں وہاں پہنچ کر کہنے لگے میرے ماں باپ آپ پر خدا ہو جائیں جو سیر آپ کی طرف سے ایک پیغام میرے پاس لائے تھے میں نے

آج بھی انھیں بنیادوں پر مختلف امتیازات موجود ہیں کیا صرف برابری مساوات آزادی جیسے الفاظ بشریت کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں جب کہ ان لفظوں کے پیچھے تلخ حقائق اور ناگوار حقائق پنہاں ہوں کیا ان تمام موجودہ امتیازات کے باوجود آج کی متمدن قوموں کو آزادی و حریت کا بنیاد گزار کہا جاسکتا ہے؟

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد بشری آزادی و برابری کا منشور ساری دنیا میں مان لیا گیا اسی طرح حقوق بشر کو فرانس کے انقلاب کے بعد درست مانا گیا لیکن یہ سب صرف زبانی جمع خرچ ہے کیوں کہ جس ملک میں ان کے خصوصی منافع پر جو طنز پڑتی ہو وہاں تو اس پر عمل درآمد ہوتا ہے ورنہ مختلف بہانوں سے اس مسئلے کو گول کر دیا جاتا ہے۔ بہت سے متمدن ملکوں کے رہنے والوں کے لیے اب تک یہ بات ناقابل فہم ہے کہ رنگ و نسل کا اختلاف سبب فضیلت و برتری نہیں ہوا کرتا اسلام کی طویل ترین تاریخ میں "نسلی امتیاز" کا سلسلہ ہی نہیں اٹھا آج کی طرح کل بھی تمام کالے لوگ بلا کسی احساس کتری کے اسلامی اجتماعات مذہبی جگہوں پر جمع ہو کر تے تھے اور معاشرہ کے جملہ حقوق سے بہرہ مند ہو کر تے تھے باقی اسلام نے چودہ سو سال پہلے کی تاریک دنیا میں علی طور سے اس نابرابری کا خاتمہ کیا اور اسی مقصد کی خاطر اپنی پھوپھی زاد بہن "زینب" کا عقد اپنے غلام "زید بن حارثہ" سے کیا۔

ایک دن رسول خدا (ص) بہت ہی حسرت کے ساتھ "جو سیر" یہ ایک سیاہ رنگ کے فقیر تھے مگر بہت پرہیزگار لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ کی طرف دیکھ کر فرمایا جو سیر کتنا اچھا ہوتا کہ تم شادی کر لیتے تاکہ شریک زندگی مل جاتی جو دنیا و آخرت میں تمہاری مدد کرتی جو سیر نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر خدا ہوں بھلا کون عورت مجھ سے شادی پر تیار ہوگی؟ میں نہ حسب رکھتا ہوں نہ نسب نہ مال نہ منال نہ حسن و جمال پھر کوئی عورت میری بیوی بننا کیوں کر گوارہ کرے گی؟ رسول خدا نے فرمایا خداوند عالم نے زمانہ جاہلیت کے بے سبب اقامت کو لغو قرار دے دیا ہے اور جو لوگ اسلام سے پہلے



ہو، رسول خدا کو اس حالت میں دیکھ کر ابوذر کے جو اس گم ہو گئے اور اپنی اس غلطی پر بہت یشتان ہوئے معاملے کو دفع کرنے کے لیے اپنے چہرے کو زمین پر ملنے لگے تب رسول اسلام نے اس لغزش کو معاف فرمایا۔

ساری دنیا میں غالباً اسلام ہی ایسا مذہب ہے جس نے خون، نسل، رنگ، قومیت کے حدود و فاصلوں کو ختم کر دیا ہے اور اسلامی معاشرے کی چار دیواری میں ایسا اتحاد اور یگانگت قائم کیا ہے کہ اسلامی نقطہ نظر سے افراد بشر کے درمیان کفر و ایمان کے علاوہ کوئی حد فاصل نہیں ہے صرف ایک چیز جو سب کو ایک پرچم کے نیچے لاسکتی ہے اور بشریت کی خدمت کر سکتی ہے وہ یہی اتحاد و یگانگت ہے جو ایمان باللہ اور روحانی و اخلاقی فضائل کے محور پر گھومتی ہے کیوں کہ اس قسم کے اتحاد میں برادری کی روح بیدار ہوتی ہے اور دل و فکر باہم مربوط ہو جاتے ہیں نسلی امتیاز، قومی اختلاف قسم کی چیزیں اس میں ضل انداز نہیں ہو سکتیں۔

اسلام انسانی معاشرے کو بہت اوسپنا کرنا چاہتا ہے اور چاہتا ہے مسلمانوں میں اتحاد رہے اور ان کے دل پاک انسانی احساسات سے بھر پور رہیں خدا نے دنیا اس لیے نہیں پیدا کی کہ انسانی قلوب میں شکاف و فاصلے باقی رہیں ارشاد ہوتا ہے ہم نے تم کو قیلولوں میں اس لیے فراد دیا تاکہ ایک دوسرے کو پہچانو۔

اسلامی برادری ایک بہت ہی پر ارزش و واقعی مسئلہ ہے جس میں ہر قسم کی محبت و عطف کو ہونا چاہیے اگرچہ مغربی غلط افکار کے تاثر کی وجہ سے اسلامی معاشرہ میں روح مادیت و سود خوری وسیع ہو گئی ہے لیکن پھر بھی بہت سے مسلمانوں کی زندگی ان خرافات سے خالی ہے اسی لیے ایک مغربی سیاح کہتا ہے شفقت، مہربانی، مہمان نوازی، غریب پروری مشرقی لوگوں کا خاصہ ہے جس میں اسلامی تعلیمات نے اور زیادہ صلاح بخشی ہے ان میں سے تھوڑی سی بھی خصوصیت یورپی لوگوں میں نہیں پائی جاتی۔ (مغربی

نہن کی ایک جھلک ص ۱۹۶)

چاہا میں خود براہ راست حضور سے بات کر لوں اور عرض کر دوں کہ ہم انصار اپنے سے کمتر والے میں لڑکیوں کی شادی نہیں کرتے رسول اسلام نے فرمایا! اے زیاد جو یرمومن ہے مومن کی ہمسرہ مومنہ ہوتی ہے مسلمان کی ہمسرہ مسلمہ ہوتی ہے اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دو اس کو داماد بنانے میں ننگ و عار محسوس نہ کرو زیاد وہاں سے واپس آئے بیٹی سے پورا واقعہ بیان کیا لڑکی نے کہا بابا رسول کے مشورہ پر جو یر کو اپنا داماد بنا لیجئے زیاد وہاں سے نکل کر باہر آئے جو یر کا ہاتھ پکڑ کر قبیلہ کے افراد کے پاس لائے اور ان کے ساتھ اپنی بیٹی بیاہ دی مہر و جہیز کا انتظام بھی خود ہی کیا اور زیاد کے حکم سے ایک گھر جس میں لوازمات زندگی موجود تھے جو یر کے حوالے کر دیا گیا اور اس طرح ایک عظیم قبیلہ کے بزرگ ترین شخص کی بیٹی ایک فقیر سیاہ رنگ کے ساتھ بیاہ دی گئی جس کے پاس ایمان کے سوا کوئی دولت نہ تھی۔

ایک جگہ تین مختلف قوم کے آدمی جمع تھے مسلمان فارسی، صہیب رومی، بلال حبشی اتنے میں وہاں قیس آیا اس نے تینوں کی اہمیت کو دیکھتے ہوئے کہا اوس و خدو راج تو خیر عرب تھے جنہوں نے اپنی خدمات و فداکاری کے ذریعہ رسول خدا کی مدد کی! اگر یہ تین آدمی کہاں سے آگئے! کس نے ان کو پیغمبر کی مدد کے لیے بلایا تھا؟ جب رسول خدا کو اس کی خبر ہوئی تو بہت ناراض ہوئے لوگوں کو مسجد میں جمع ہونے کا حکم دیا اور ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا خدا ایک ہے تمہارا باپ ایک ہے تمہارا دین ایک ہے جس عربیت پر تم فخر کر رہے ہو نہ وہ تمہاری ماں کی طرف سے آئی ہے اور نہ باپ کی طرف سے! عربیت تو صرف تمہاری زبان ہے۔

رسول خدا قومیت کا سرکچنے اور برابری کا قانون نافذ کرنے کے لیے ہر وقت کوشاں رہتے تھے ایک دن ایک کالا آدمی پیغمبر کے پاس آیا ابوذر کو اس سے کچھ پہلے ہی سے پر خاش تھی لہذا اس کو دیکھتے ہی کہنے لگے اے فرزند سیاہ! بس اتنا سنا تھا کہ رسول کو غصہ آگیا ابوذر سے فرمانے لگے کیا اس کی ماں کے کالے پن پر طنز کر رہے



جن لوگوں کا ادارہ کیا جاتا ہے اس میں شریف ذیل امیر فقیر سیاہ سفید سب ہی برابر ہیں۔

گوب G O B اپنی کتاب میں لکھتا ہے اسلام میں ابھی اتنی قدرت ہے کہ انسان کی بزرگ و عالی خدمت انجام دے اصولی طور پر اسلام کے علاوہ کوئی بھی مذہب یا گروہ ایسا نہیں ہے جو انسان کے مختلف فسلوں کو کسی ایک ایسے مقصد پر جمع کر کے جس کی بنیاد مساوات پر ہو عظیم کامیابی سے ہمکنار ہو سکے افریقہ ہندستان و انڈونیشیا میں عظیم اسلامی معاشرہ اور چین میں یہی چھوٹا معاشرہ اور جاپان میں بہت ہی قلیل اسلامی معاشرہ خبر دیتا ہے کہ اسلام کے اندر ایسی طاقت ہے جو ان تمام مختلف عناصر و طبقات کے درمیان اثر انداز ہو سکے اگر کبھی مشرق و مغرب کی بڑی حکومتیں اپنے اختلافات کو دور کرنے کے لیے کسی ترازو کا سہارا لیں تو وہ سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

مراسم حج میں بھی وحدت فکرو عمل کی بنیاد پر اسلامی تعلیم استوار کی گئی ہے ظاہری امتیازات کا وہاں کوئی شائبہ بھی نہیں ملتا۔ خانہ کعبہ مسلمانوں کے تمام فرقوں کو اپنی عجیب و غریب قوت جاذبہ کی بنا پر اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور تمام لوگ صرف ایک قانون کی پیروی کرتے ہیں اور کسی سیاہ و سفید سرخ و زرد امتیاز کے بغیر ایک صف میں پہلو پہلو پر شکوہ با عظمت مراسم کو بجالاتے ہیں۔

فیلپ ہٹی PHILIP HATTI یونیورسٹی کا استاد لکھتا ہے کہ اسلام میں فریقہ جج کی بنیاد تمام زبانوں میں ایک اہم اجتماع کا سبب ہے اور مسلمانوں میں سب سے بڑا اجتماع یہاں ہوتا ہے کیوں کہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ زندگی میں کم از کم ایک مرتبہ بشرط استطاعت اس فریقہ کو بجالائے یہ عظیم اجتماع جو دنیا بھر کے مسلمانوں کو چاروں طرف سے کھینچ لیتا ہے عجیب و غریب اثر رکھتا ہے جس کا انکار ناممکن ہے۔

اسلامی مساوات پر مغربی دانشوروں کا اعتراف مشہور فرانسسی

دانش مند ڈاکٹر کسٹاؤ لیبون (Dr Castave Lebon) لکھتا ہے مسلمانوں میں مساوات دہر ابری حد درجہ کھلی یورپ میں جس مساوات کا ذکر بڑی شدت سے کیا جاتا ہے اور مختلف لوگوں کی زبان زد ہے یہ صرف کتابوں کی حد تک ہے خارج میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے مگر مسلمانوں میں عملی طور سے موجود کھلی اور مشرقی معاشرت کا جو کھلی طبقاتی اختلافات جن کی بنا پر یورپ میں انقلاب آیا مسلمانوں میں نہیں ہیں پیغمبر اسلام کی نظر میں ہر مسلمان برابر ہے۔

دنیا کے عرب میں ایک ایسی شخصیت پیدا ہوئی جس نے مختلف اقوام و قبائل کو ایک جھنڈے تلے جمع کر دیا اور ان کو مخصوص قوانین و نظام کی مضبوط زنجیر میں باندھ دیا کسی بھی ملک کا رہنے والا مسلمان دوسروں کے لیے اجنبی نہیں ہے مثلاً ایک چینی مسلمان کا حق اسلامی ملکوں میں اتنا ہی ہے جتنا کسی اسلامی ملک میں رہنے والے کا ہے اگرچہ خود مسلمان نسل و ملت کے لحاظ سے اختلاف رکھتے ہیں لیکن مذہبی رشتے کی بنا پر ان کے اندر ایک خاص قسم کا مغوی ربط موجود ہے جس کی بنا پر بہت آسانی سے ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔

ایم یو لپلاو M-U. LEPLAV لکھتا ہے کہ کاریگروں اور ستم دیدہ افراد کے اصلاح حال کے سلسلہ میں جن خطرات اور برے نتائج سے یورپ میں انتظامیہ دوچار ہوئی ہے اسلامی معاشرے میں اس کا وجود نہیں ہے مسلمانوں کے یہاں بہترین انتظامیہ ہے جس کی بنا پر امیر فقیر کے درمیان صلح و آشتی قائم رہتی ہے صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے جس قوم کے لیے یورپ کا دعویٰ ہے کہ ان کو تعلیم دے کر تربیت دینی چاہیے واقعا خود یورپ کو اس سے سبق لینا چاہیے اسلام میں ممتاز طبقے، موروثی منصب کا کوئی وجود نہیں ہے اسلام کا سیاسی نظام بہت ہی سادہ ہے اور اس نظام کے تحت



کہ ان کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ ہونے لگا صفوف بشر میں وہ آزاد آدمیوں کے پہلو پہلو بیٹھنے لگے ان سے انسانیت سوز برتاؤ کا خاتمہ کر دیا غلاموں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ وہ بھی انسان ہیں ان کو بھی دنیا میں جینے کا حق ہے وہ سمجھنے لگے کہ جس طرح آزاد انسان تعمیر دنیا کی ایک بنیادی اینٹ ہیں وہ بھی انھیں کے مانند ایک انسان ہیں انھیں بھی تعمیر دنیا میں دی کرنا ہے جو آزاد انسانوں کو کرنا ہے۔

غلام کی غلامی کی بقا کے ساتھ اسلام نے اسے اتنا نواز کہ بڑے بڑے نامی گرامی افراد ان کے مقابلہ میں پست ہو گئے اس لیے کہ اسلام نے شرافت و بزرگی کا ایسا معیار بنایا کہ جو اپنے کو اس معیار کے مطابق بنالے وہ محروم و محض ہو سکتا ہے خواہ وہ سید ہو قریشی ہو یا غلام جلتی ہو ارشاد باری ہے ان اکرم عند اللہ اتقاکم خدا کے نزدیک سب سے گرامی وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو احادیث میں بھی اس مضمون کی بکثرت احادیث موجود ہیں ان بہترین تعلیمات پر خود پیغمبر اسلام اور ائمہ معصومین و بزرگان دین نے عمل کر کے دکھایا مسلمان فارسی غلام تھے۔ جو ایمان کے دس درجوں پر فائز تھے بلال مودن رسول غلام ہی تھے جن کو حضرت نے اپنا مودن قرار دیا زید بن حارثہ غلام ہی تھے پیغمبر اسلام نے ان کو اپنا مہینی بنایا اور جنگ موتہ میں لشکر اسلام کی سرداری عطا کی جس میں ہاجرین و انصار سبھی موجود تھے غلام جب آزاد کر دیا جاتا تھا تو اس میں اور آزاد مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا تھا بلکہ وہ ان تمام حقوق کا مستحق ہو جاتا تھا جو مستند سے مستند کسی قبیلہ کے افراد کے حقوق ہوتے تھے یہ ظاہر ہے کہ ایک وہ جس کا حسب نسب معلوم ہو شرافت و نجابت کا شہرہ ہو اور کجاوہ بازاریں اس طرح لایا گیا ہو کہ کسی جنگ میں اسیر کیا گیا ہو اور فروخت کر ڈالا گیا ہو نہ اس کا حسب معلوم نہ نسب نہ شرافت و نجابت خاندانی کی خبر اس پر طرفہ اضافہ یہ ہے کہ کل تک قلاۃ غلامی گردن میں پڑا ہوا تھا اگرچہ اب آزاد ہو گیا ہے لیکن شرفاء کے مقابلہ میں جب

۴۶ اپنے خدا کے حضور میں زندگی برائی، صنی، ایرانی، ہندی، ترکی، شامی، عربی، عینی، فقیر، بلند، پست سب ہی مل جل کر متحد ہو کر کلمہ شہادتین پڑھتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ عظیم سالانہ اجتماع اس نظریہ کے ماتحت عظیم ترین خدمت انجام دیتا ہے اور ملیوں کی ایسے آدمیوں کے درمیان جو دنیا کے مختلف گوشوں میں زندگی بسر کرتے ہیں دین و مذہب الہی کو نشر کرتا ہے (اسلام از نظر گاہ دانش مند ان عرب ۲۳۹، ۲۴۰)

**اسلام اور غلامی :-** حضور رحمت للعالمین کی آمد سے پہلے یہ دنیا \*\*\*\*\* جہاں تمام اقسام کے فسق و فجور میں ملوث تھی وہیں غلاموں کے لیے بھی جہنم سے کم نہ تھی غلامی جس کے ذریعہ افراد بشر کو اس طرح گرفت میں لے لیا جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا دشوار ہو جاتا ہے کوئی پسندیدہ چیز نہیں غلاموں کے ساتھ اسلام سے پہلے ایسا سلوک کیا جاتا تھا جس کے تصور سے روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں دیگر زار عرب ہی میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں حسب حیثیت کم و بیش غلام موجود نہ ہوں اور ان غلاموں کی وقعت بھی ان کے آقاؤں کی نظروں میں ایسی ہی تھی جیسی کہ دیگر ممالک میں ان کی حیثیت کیڑے کوڑوں جیسی تھی جھٹیں مالک تکلیفیں دے دے کہ جب چاہیں مار ڈالیں یا وہ حیوان تھے کہ ذرا ذرا سی بات پر کوڑوں سے پیٹتے پیٹتے لہو لہان کر دیے جاتے۔

اسلام نے جہاں دنیا کے دیگر عیوب کی اصلاح کی وہاں غلاموں کی حالت میں ایسا تغیر پیدا کر دیا کہ گویا غلام تھے ہی نہیں اور اگر تھے بھی تو ایسے کہ صرف چند روز میں ان کی غلامی کا خاتمہ ہو جائے اسلام نے جس غلامی کو باقی رکھا ہے۔ وہ غلامی نہیں بلکہ انسانی ہمدردی و غم خواری تھی اسلام نے غلاموں کو ممنوع تو نہیں قرار دیا لیکن شریعت میں ایسے احکام جاری کئے جن پر عمل ہوتا رہتا تو کچھ دنوں میں غلامی کا خاتمہ ہو جاتا اسلام نے سب سے پہلا قدم تو غلاموں کے سلسلے میں یہ اٹھایا



بیٹھے گا سرنگوں ہو جائے گا آزاد غلاموں کا یہ حال تھا۔

اسلام دین فطرت ہے قیامت تک کے لیے آیا ہے اس کی شریعت ہمیشہ باقی رہے گی اس لیے معاشرے پر اسے نظر کرنا ہی پڑے گی کہ آیا یہ پسماندہ اور گرا ہوا طبقہ ہے جو کبھی غلام تھا جس کے حسب و نسب قوم و قبیلہ کا کچھ پتہ نہیں کس طرح رکھا جائے کل تک یہ غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا ان کے پاس مال و دولت تھی نہ زمینوں اور باغات کا مالک تھا اب آزاد ہونے کے بعد اس سے کیا برتاؤ کیا جائے بیت المال میں اس کا کیا حصہ مقرر کیا جائے شادی بیاہ اس کے ساتھ کی جائے یا نہیں؟ اسے تعلیم دی جائے یا جاہل رکھا جائے؟ میل جول اور معاشرت میں کیا اسے مساوی درجہ دیا جائے یا نہ دیا جائے کسی عہدہ اور منصب پر اسے سرفراز کیا جائے یا محروم رکھا جائے؟

اسی طرح کے بکثرت مسائل ہیں جن پر اسلامی نقطہ نظر سے روشنی ڈالنا ہے یا اسے اسلام نے نظر انداز کر دیا ہے یا ادباً جاہلیت کی سیرت پر عامل رہا یا اس لیے کہ یہ کبھی اولاد آدم و حوا کی اولاد میں داخل ہیں مسائل کشمکش حیات میں مساویانہ اور عادلانہ برتاؤ کیا جائے حقیقت یہ ہے کہ اسلام نے آزاد شدہ غلاموں سے وہی برتاؤ کیا جو برتاؤ مستند قبائل کے رؤساء سے کیا جاتا ہے جب قرآن و احادیث و سیرت کی سیر کی جاتی ہے تو واضح الفاظ میں ملتا ہے کہ بیت المال سے جو حصہ قریش یا صاحب حسب و نسب افراد کو دیا جاتا تھا اتنا ہی آزاد شدہ غلاموں کو بھی ملتا تھا تعلیم معارف و حقائق میں اسلام نے کوئی امتیاز غلاموں اور آزاد افراد میں نہیں کیا ہے بلکہ پیغمبر اسلام اور ان کے اوصیاء طاہرین جب معارف و حقائق شریعت کی تعلیم دیتے تھے تو جس طرح اس سیلاب علم سے آزاد لوگ اپنی پیاس بجھاتے تھے انھیں کے دوش بدوش غلام و کنیز خواہ آزاد کبھی نہ ہوں اپنے کو زیور علم سے آراستہ کر لیتے تھے آج ہمارے پاس اسلامی تعلیمات کا جو عظیم

ذخیرہ پایا جاتا ہے وہ جس طرح آزاد لوگوں کا رہنما ہے اسی طرح غلاموں کا بھی ممنون احسان ہے راویان حدیث میں ایک بڑا طبقہ غلاموں کا بھی داخل ہے منصب و عہدے جس طرح آزاد افراد کو دیئے جاتے تھے غلاموں کو بھی یہ عزت دی جاتی تھی۔

بعض لوگ جن کی نظریں سطحی اور علم محدود ہوتا ہے اسلام پر اپنی کوتاہ نظری کے سبب کبھی کبھی ایسے اعتراض کر دیا کرتے ہیں جو حقائق سے بہت دور ہوتے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام نے اگرچہ غلاموں کے متعلق حسن سلوک کے احکام جاری کر کے ان کی حالت قدرے بہتر بنا دی لیکن غلامی کی رسم کو بالکل نابود نہ کر سکا یہ اعتراض زیادہ تر یورپین مودعین اور ان کے متبعین کی کتابوں میں پایا جاتے ہیں ہم اس سلسلے میں ان سے صرف اتنا سوال کرتے ہیں کہ اگر ان کے حسب نفاذ اسلام تمام غلاموں کو فی الفور آزاد کرادیتا تو وہ بیچارے کھاتے کہاں سے اپنے پیٹ کو پالنے کے لیے کام کہاں تلاش کرتے اور آخر اس کا جو خونناک اثر بصورت بدامنی اور نفاق پیدا ہوتا اس کا ذمہ دار کون ہوتا؟ پھر یہی رحم دل بھڑیئے حضور پر قلت تدبر اور قانون فطرت سے نادان قہقی کا الزام لگاتے اور کہتے کہ جو شریعت اسرار فطرت سے اس قدر نادان قہقی پر مبنی ہو وہ خدا کی طرف سے کس طرح ہو سکتی ہے غرض کہ حیلہ جو را بہانہ بسیار۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے اور حضور سرور کائنات قانون فطرت کے سب سے بڑے ماہر تھے اس لیے اس کے جو احکام ہیں وہ سب فطرت سے مناسبت رکھتے ہیں اس لیے غلامی اور غلاموں کے متعلق بھی جو احکام ہیں وہ ایسے پر حکمت ہیں کہ اگر زمانہ بعد کے مسلمان بھی ان پر عمل کرتے تو غلامی صدیوں پہلے نابود ہو گئی ہوتی اور دشمن کو اعتراض کا موقع ہی نہ ملتا آپ قرآن شریف اور حدیث کو اگر غور سے ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا اسی حکم خداوندی کی خلاف ورزی



لیکن بایں ہمہ بعض لوگ غلاموں کی خدمت سے اس زمانہ میں بھی ایسے ہی بے نیاز نہیں ہو سکتے تھے جیسے کہ اس زمانہ میں ملازموں سے۔ اس زمانہ میں ملازموں کے بجائے غلام کام کرتے تھے اور بعض غلام بھی اپنا اور اپنے عیال کا پیٹ پالنے کے لیے آزادی کی نسبت اپنے آقا کے یہاں رہنا زیادہ پسند کرتے تھے اس لیے انکی نسبت بھی جو حضور کا فرمان ہے ”سُنْ لِحَبِّی“ اُن پر اتنا بوجھ نہ ڈالو کہ وہ مخلوب اور عاجز اجنبی اور اگر بھی بضرورت تم کسی مشکل کام کی تکلیف انھیں دو بھی تو اُن کا ہاتھ بٹاؤ جو خود کھاتے اور پہنتے ہو وہی انھیں بھی کھلاؤ اور پہناؤ“ حضور کے اس فرمان کا صحابہ پر یہ اثر تھا کہ حضرت ابوذر جب بازار میں نکلتے تو لوگ دیکھتے کہ جو لباس آپ کا ہے بعینہ وہی غلام کا بھی ہے ایک دفعہ حضرت امام حسنؑ کھانا کھا رہے تھے غلام شوربہ کا پیالا لایا جلدی میں یا کسی اور وجہ سے وہ شوربہ آپ کے کپڑوں پر گر گیا حضرت نے بس ایک نگاہ ڈالی مگر جرم کے احساس سے دل اُس کا لرز رہا تھا اُس نے کہا ”جو نہ کہ انتاد طبع مصون“ معلوم تھی وہ اس کا ظہین الغیظ غصہ کے روکنے والے آپ نے فرمایا کظمت غیظی اچھا میں نے روکا اپنے غصہ کو“ العافین عن الناس اور عفو کرنے والے لوگوں کے حضرت نے فرمایا میں نے تجھے معاف کیا اس نے کہا واللہ سبحانہ المحسنین آپ نے فرمایا میں نے راہِ خدا میں آزاد کر دیا۔

حضور اور حضور کے اہلبیت کے عملی نمونوں نے غلاموں کی حالت کو اس قدر ارفع کر دیا تھا کہ زمانہ اولیٰ میں مسلمان اپنے غلاموں کو اپنے اہل و عیال اور بال بچوں کی طرح رکھتے تھے کسی گھرانے کا غلام اس گھر کا ممبر سمجھا جاتا تھا فضہؓ جناب سیدہؓ کی کنیز تھیں مگر حبیبؓ انھیں اماں فاضہؓ کہہ کر پکارتے تھے ایک دن گھر کا کام ملکہ خانہ کرتی ہیں اور ایک دن فاضہؓ کرتی ہیں قبر امیر المومنینؑ کے غلام تھے قبر کو ساتھ لے کر بازار میں پکڑا خریدنے تشریف لے جاتے ہیں ایک سات درہم کا اور ایک پانچ درہم کا پیراہن خرید فرماتے ہیں سات درہم والا قبر کو عنایت فرماتے ہیں اور پانچ درہم کا لباس خود زیب جسم فرماتے

۷۸ پر اسلام جو مسلمانوں سے فدیہ چاہتا ہے وہ غلام کو آزاد کرنا ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا اور ہونا چاہیے تھا کہ جہاں جہاں اسلام پہنچتا آہستہ آہستہ غلامی کا نام و نشان تک مٹ جاتا اسلامی احکام کے بعد جو ہمیں دیکھتا ہے وہ یہ ہے کہ جس شریعت کے یہ احکام ہیں اس کے مبلغ اور متبعین کا عمل کیا تھا انھوں نے ان احکام کو عملی طور پر کس طرح جامہ پہنایا اور خود نمونہ بن کر دنیا کو بتا دیا کہ دیگر مذاہب کی طرح اسلام کے احکام صرف کتابوں ہی میں محفوظ رکھنے کے لیے نہیں ہیں بلکہ عمل کرنے کے لیے بھی تھے۔

حضور رحمۃ اللعالمینؐ جن کی شفقت و محبت مرد، عورت، بچہ، بوڑھا انسان حیوان، غلام و آزاد سب کے لیے یکساں تھی وہ اس مظلوم فرقہ کی تکالیف سے کیونکر نہ متاثر ہوتے انھوں نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ اپنے غلام کو بچہ اور لونڈی کو بچی کہہ کر پکارا کریں تاکہ لفظ غلام سے ان کا دل نہ دکھے حضور کے پاس جن قدر غلام آتے رہے حضور ان کو آزاد فرماتے رہے کوئی غلام ایسا نہ تھا جو حضور کے سایہ شفقت میں آیا اور حضور نے اس کو آزاد نہ کر دیا ہو یہ دیکھ کر صحابہ میں غلام آزاد کرنے کا ایسا شوق پیدا ہو گیا تھا کہ بعض صحابہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ جاتی تھی عمر بن عبدسہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے فرمایا جس شخص کی جو انی اسلام میں گزری قیامت کے دن اس کے لیے ایک نور ہوگا اور جو شخص اللہ کی راہ میں ایک تیر بھی مارے خواہ وہ دشمن تک پہنچنے یا نہ پہنچنے اُس کو ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب ملے گا اور جو شخص ایک غلام آزاد کرے اللہ تعالیٰ اس غلام کے ہر عضو کے بدلے میں ایک عضو آزاد کرنے والے کا اگ سے بچا لے گا تیس بن عاصمؓ ایک صحابی تھے انھوں نے عرض کیا حضور میں زمانہ جاہلیت میں اپنی بارہ تیرہ لڑکیاں زندہ دفن کر چکا ہوں اس کا کیا کفارہ دوں حضور نے فرمایا ہر لڑکی کے غرض ایک غلام آزاد کر دو۔



# تذکرہ غلامان اسلام

\*\*\*\*\*

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غلامی کے معنی اور اس کی تاریخی اور سماجی پہلوؤں پر جائزہ لینے کے بعد ان غلاموں کے حالات پیش کر دیے جائیں جن کی عظمت اور بلندی ایساں پر اسلام اور مسلمانوں کو ناز ہے۔

سب سے پہلے ہم پیغمبر اسلام کے غلاموں اور کنیزوں سے اس موضوع کی ابتدا کر رہے ہیں ان سب کے حالات زندگی تو لکھنا بہت دشوار ہے البتہ کوشش ہوگی کہ مشہور و معروف غلاموں کا تذکرہ ناظرین کرام کی خدمت میں پیش ہو سکے۔

**غلامان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم**۔ سلطان فارسی زید بن حارثہ اسامہ بن زید

ابو رافع آنحضرت کے چچا عباس نے ان کو آنحضرت کی غلامی میں دیا تھا حضرت نے ان کو آزاد کر دیا تھا ابو رافع کی بیوی سلمیٰ کے بطن سے عبید اللہ پیدا ہوئے یہ امیر المومنین کے کاتب تھے بلال حبشی صہیب رومی سفینہ ان کا نام مفلح الاسود تھا رومان بنی بکاءے جاتے تھے یہ ام سلمہ کے غلام تھے حضرت نے ان کو آزاد کر دیا ام سلمہ نے آنحضرت کی خدمت کی شرط کر لی تھی۔ تو بان حمیری ان کو آزاد کر دیا تھا گریہ زمانہ معاویہ تک آنحضرت اور ان کی اولاد کی خدمت سے جدا نہ ہوئے یسار ثوبی یہ غزوہ ثعلبہ میں قید ہوئے بعد کو حضور

ہیں قبر نے عرض کیا کہ یہ لباس آپ زیب جسم فرمائیے آپ نے جواب دیا جیسے بچوں کو جواب دیا جائے (قبر تم نو عمر ہو تمہارے لیے یہی لباس بہتر ہے میں یہ لباس پہن لوں گا۔  
ایک شخص نے امام زین العابدین سے عرض کیا کہ آپ کے غلام آپس میں تذکرہ کرتے ہیں کہ آپ کا کوئی رعب ان کے دلوں پر نہیں ہے تو آپ نے سجدہ شکر ادا کیا فرمایا  
میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اُس کے بندے مجھ سے ڈرتے نہیں اس کا نتیجہ یہ تھا کہ غلام اپنے مالک کو بارِ خاطر نہ سمجھتے تھے یہ غلام درحقیقت فرزندوں کی طرح رہتے تھے غلام کا نام بدنام ہے لیکن اچھائی اور برائی حقیقت سے تعلق رکھتی ہے تو اسلام کی غلامی دوسرے اقوام کی آزادی سے بہتر ہے یہی وجہ ہے کہ اسلام کے بہت سے مائتہ از محدث فقہ عالم فاضل اور بادشاہ یا تو غلام تھے یا غلاموں کی اولاد۔ دور کیوں جائیے ہندوستان میں ہی خاندان غلامان کے بادشاہ اس امر کی دلیل ہیں کہ اسلام نے غلاموں کے لیے ہر قسم کی ترقیوں کی راہیں کھول دی تھیں اور دوسرے آزاد مسلمانوں کی طرح وہ بھی اپنی لیاقت کے جوہر دکھا دکھا کر دنیا کی سب سے بڑی عزت و عظمت یعنی تخت حکومت تک حاصل کر لیا کرتے تھے سلطان محمود غزنوی کا باپ تک غلام تھا اس مختصر مضمون میں انھیں چند الفاظ پر اکتفا کر کے ہم دنیا بھر کے مذاہب اور قوموں بلکہ زمانہ موجودہ کی تہذیب ترین قوموں کو اس تہذیب کے زمانہ میں بھی چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک آدھ ہی ایسا نمونہ تمام دنیا کی تاریخ میں تلاش کر کے دکھائیں یا اس روشن ترین زمانہ میں ہی کوئی ایسا نمونہ پیدا کر دیں ورنہ کہا جائے گا۔

ہاں غلامی وہی اب بھی وہی آقا ہی ہو  
دورِ حاضر کی مسادات کو پسائی ہو



روز بہ ہمارے نزدیک روزیہ زیادہ معتبر ہے ان دُناموں کے علاوہ بھی لوگوں نے آپ کے نام لکھے ہیں مثلاً ماہویہ، بہود اور حمد اللہ متوفی نے آپ کا نام ناجیہ بتایا ہے لیکن یہ زیادہ مشہور نہیں ہیں۔

اظهار اسلام کے بعد آنحضرت نے آپ کا نام سلمان اور امیر المومنین نے مسلسل رکھا تھا آپ کی کنیت ابو عبد اللہ، ابوالبنات اور ابوالمرثد ہے سلمان خیر و سلمان محمدی کے القاب سے یاد کیے جاتے ہیں آپ خود اپنے کو سلمان ابن اسلام کہتے تھے۔  
**حلیہ** آپ کے سر کے بال گھنے، کان لمبے اور دراز قد آدمی تھے اس لیے اس حلیہ ایران ہیئت کو دیکھ کر لوگ گرگ آمد گرگ آمد (گرگ ایران کے ایک شہر کا نام تھا) کہتے ایک مرتبہ گورزی کے زمانے میں اس شان و شوکت سے نکلے کہ سواری میں بلا زین کا گدھا تھا لباس میں ایک تنگ اور چھوٹی قمیص تھی جو سواری پر سے کسی دھبے سے اٹھ گئی تھی جس سے گھٹنے بھی نہ چھپتے تھے ٹانگیں کھلی ہوئی تھیں۔  
 آپ کے اس ہیئت کذائی میں دیکھ کر ان کے پیچھے لگ گئے لوگوں نے یہ طوفانِ بدتمیزی دیکھا تو ڈانٹ کر ان کو ہمایا کہ امیر کا پیچھا کیوں کرتے ہو (ابن سعد ج ۴ ص ۶۲)

**حسب و نسب** آپ ایرانی النسل ہونے کے باعث سلمان فارسی کہے جاتے ہیں بعض نے رامہر مز بعض نے حمی جو اصفہان کا ایک شہر ہے آپ کا اصل وطن بتایا ہے ابن شہر آشوب اور علامہ نوری نے آپ کو شیرازی لکھا ہے اور وہ روایت نقل کی ہے جو خود جناب سلمان فارسی نے امیر المومنین سے اپنے ایمان کے بارے میں بیان کی ہے جو آئندہ نقل کی جائے گی۔

اگرچہ مذہب اسلام میں ظاہری حسب و نسب کی ایساں و عمل کے مقابلہ میں کوئی وقعت و حیثیت نہیں ہے لیکن اس اعتبار سے بھی آپ ایک بلند شخصیت کے مالک ہیں آپ کے والد شیراز کے صاحبِ دولت و ثروت مالکِ مکانات و جائیداد ہقان تھے لیکن نہ ہبّا آتش پرست (مجموعی) تھے اس لیے آپ نے ہمیشہ اس دنیاوی عزت کو دین

نے انھیں آزاد کر دیا۔ شقران ان کا نام صالح بن عدی حبشی تھا یہ غلام آپ کو اپنے باپ سے ورثہ میں ملا تھا یہ دے کے دہقانوں کی اولاد سے تھا عم حبشی یہ فردہ بنت عمر جند امی کا بہیر تھا۔ ابو موسیٰ بہبہ آپ نے انھیں بھی آزاد کر دیا تھا ابو بکث اس کا نام سلیم تھا ارض دوس یا مکر کا رہنے والا تھا حضرت نے اسے خرید کر آزاد کر دیا تھا ابو بکر ہاشم اس کا نام نقیص تھا اس کو بھی آپ نے آزاد کر دیا تھا۔ ابوالایمن جن کا نام رباح تھا۔ یہ مباح نام تھے ابوبابہ قرظی جس کو آنحضرت نے خرید کر آزاد کر دیا تھا فضالہ ان کو دفاع بن زید جند امی نے آپ کو ہبہ کیا تھا دادی قرظی میں قتل ہوئے۔ انجب بن کر دی یزعم کے رہنے والے تھے بدر میں شہید ہوئے اور بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ ابو بکر کی خلافت کے زمانے میں وفات پائی۔ کرکۃ یہ آپ کو ہدیہ ملا تھا آپ نے آزاد کر دیا بعض کے نزدیک یہ غلامی کی حالت میں انتقال کر گئے۔ ابو ضرہ اس کو ام سلمہ نے آنحضرت کے لیے خریدا تھا حضرت نے ان کو آزاد کر دیا تھا۔ اسلم الاصغر رومی حبشہ حبشی، ماہر شاہ حبشہ بنو قیس نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں بھیجا تھا۔ ابونابت۔ ابویزید۔ ابوسلمی۔ ابوعیث۔ ابو رافع۔ اصغر۔ ابولقیط۔ ابوالبشر۔ مہران۔ عبید۔ فلاح۔ رفیع۔ یسار اکبر۔ رباح۔ ردیف۔ ابوبند۔ الجثنہ۔

**کنیزیں:** حارثہ بنت شمعون شاہ حبشہ نے آپ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا ہ  
 تھا۔ سلمیٰ۔ ورضوی۔ ام ایمن ان کا نام برکہ تھا۔ سلمہ۔ آنسہ۔ موسیٰ بہبہ بعضوں نے ان دونوں کو غلاموں میں شمار کیا ہے اور موسیٰ بہبہ نحسی تھا اور اس کو ابور کہتے تھے (مناقب شہر آشوب البحر الادول ص ۱۰۱-۱۰۲ حیات القلوب)

## سلمان فارسی

نام کنیت اور القاب: اظهار اسلام سے پہلے کتب تواریخ و احادیث میں آپ کے دو نام زیادہ نظر آتے ہیں مابہ اور



۸۵  
 کے والد بھی قدیم دستور کے مطابق نیا لباس پہن کر چلنے کے لیے تیار ہوئے اور آپ سے بھی چلنے کے لیے کہا اول تو آپ نے چلنے سے انکار کر دیا لیکن جب زیادہ مجبور کیا گیا تو ساتھ ہو لیے جو کام دل سے نہیں ہوتا اس میں لذت بھی نہیں آتی سب لوگ عید گاہ میں خوش خوش نظر آتے تھے مگر آپ رنجیدہ تھے ماں باپ نے ان سے کہا تم ایسا کیوں نہیں کرتے آپ نے جواب دیا میں اصل سبب تو نہیں بتا سکتا صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میرا دل ان مذموم رسوم کی ادائیگی کے قابل نہیں ماں باپ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور جب عید گاہ سے واپس ہوئے تو بہت کچھ ڈانٹا ڈپٹا مگر آپ کے دل پر ان کی خفگی کا کوئی اثر نہ ہوا۔ ماں باپ نے آخری حجت تمام کرنے کے لیے پھر ایک روز سمجھایا اور نرم دگم دونوں طریقے استعمال کیے لیکن انھوں نے صفائی کے ساتھ کہہ دیا کہ میں ایک ایسے نبی کی آمد کا منتظر ہوں جو اخلاق کریمہ اور صفات پسندیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دے گا اور بتوں کی پرستش سے منع کر کے اس واحد و بیکتا خدا کی پرستش اور عبادت کا شوق دلائے گا جو جسم و جہانیاں اور مکان و مکانیات سے منزہ و مبرا ہے میں آفتاب کو خدا سمجھ کر کبھی سجدہ نہیں کر سکتا یہ جو اب سن کر والدین غصہ میں آگ بگولہ ہو گئے اور اسی روز اس بزرگوار خدا کو ایک گہرے کنویں میں قید کر دیا دن بھر میں صرف ایک روٹی کھانے کو اور ایک پیالہ پانی پینے کو دیا جاتا تھا جب قید کی مدت کو طویل ہوا تو آپ نے رور و کر در گاہ الہی میں دعا کی کنویں میں ایک نورانی بزرگ نے آکر اس مصیبت سے نجات دلائی اور ایک دیر میں لا کر چھوڑ دیا ان نورانی بزرگ کے غائب ہوجانے کے بعد آپ دیر کے اندر گئے دیر کے راہب نے آپ کا نام لے کر بلایا اور وہ لوح طلب کی جو آپ کے پاس تھی (مسلمان محمدی مؤلف راقم الحروف)

**تلاش حق :-** جناب مسلمان فارسی اپنے ایمان لانے کی داستان خود بیان  
 فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جائیداد اور مالک مکانات

۸۴  
 کے مقابلہ میں بیچ سمجھا آپ کا سلسلہ نسب یہ ہے مابہ بن بوذخشان بن مورسلان بن بہبودان بن فیروز بن شہرل شاہ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۱۸)  
 اکمال الدین میں آپ کے والد کا نام خبثوزان اور بعض لوگوں نے مشہد شاہ منوچہر کی اولاد سے بتایا ہے آپ کے والد کے نام کے بارے میں روایات کی کثرت تائید کرتی ہے کہ بدخشاں تھا اور آپ ایران کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔  
 لیکن آپ نے اس ظاہری حسب و نسب پر کبھی فخر نہیں کیا بلکہ اگر کبھی کسی پوچھنے والے نے آپ سے آپ کے نسب کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ میں سلمان ابن اسلام ہوں (مزید تفصیلات کے لیے دیکھئے ہماری تصنیف سلمان محمدی صفحہ ۲۶۲، ۲۵۲)  
**تعلیم و تربیت :-** آپ کے والدین کو آپ سے حد درجہ محبت تھی ہر وقت اپنی نظروں کے سامنے رکھتے تھے اگرچہ آپ کے علاوہ بھی آپ سے بڑا ایک لڑکا موجود تھا مسلمان خود فرماتے ہیں کہ میں ان کو تمام خلافت میں سب سے زیادہ محبوب تھا انھوں نے مجھے گھر میں مثل لڑکیوں کے بٹھایا اور پرورش کیا تھا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۴ صفحہ ۱۸)  
 سن شعور کو پہنچنے کے بعد والدین نے آپ کو بغرض تعلیم شیراز کی ایک مجوسی درس گاہ میں داخل کیا اس زمانہ کے رواج کے مطابق درس گاہوں کے معلم جو موبد و راہب کہلاتے تھے ثند و استاد اس زمانہ کے ایرانی عقائد کی آسمانی کتابیں انھیں کے علاوہ صحف ابراہیم و توریت و انجیل کی بھی تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ جناب سلمان فارسی نے ایک مدت تک شیراز کی مختلف درس گاہوں میں ان کتابوں کی تعلیم حاصل کی۔ ان کتابوں میں چونکہ بعثت محمدی کی بشارت اور آنحضرت کے فضائل و مناقب کا تذکرہ موجود تھا لہذا آپ کے دل میں بتائید ایزدی اسلام اور پیغمبر اسلام کی محبت پیدا ہونا شروع ہوئی جس قدر مطالعہ بڑھتا گیا اسی قدر یہ عشق ترقی کرتا گیا تاہم ان کی محبت سے ان کو قطعاً نفرت و بیزاری ہو گئی ایک بار وہ اپنے وطن میں موجود تھے کہ ایک مجوسی عید آگئی لوگ مذہبی رسوم ادا کرنے کے لیے عید گاہ کی طرف جانے لگے آپ



تھے انھوں نے ایک دن مجھ سے کہا اے فرزند تم دیکھتے ہو میں یہاں مشغول ہوں تم باہر کھیتوں پر چلے جاؤ لیکن وہاں کھڑے جانا کہ میں جائیداد کا خیال چھوڑ کر تمہاری فکر میں پڑ جاؤں میں کھیتوں کے دیکھنے کے لیے نکلا اور نصرا نیوں کے گر جا کے پاس سے ہو کر گزرا۔ وہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے میں ان کو دیکھنے لگا مجھے ان کا یہ طریقہ عبادت بہت پسند آیا اور میں نے اپنے دل میں کہا بخدا یہ ہمارے دین سے بہتر ہے میں ان کے پاس کھڑا ہوا ان کی عبادت دیکھ رہا تھا کہ آفتاب غروب ہو گیا نہ میں کھیتوں پر پہنچا اور نہ باپ کی طرف لوٹ کر آیا والد نے میرے آنے میں تاخیر ہو جانے پر قاصدوں کو بلانے کے لیے بھیجا میں نے نصاریٰ سے پوچھا کہ اس دین کی اصل کہاں ہے لوگوں نے جواب دیا کہ شام میں۔

میں اپنے گھر واپس آیا میرے والد نے مجھ سے پوچھا اے فرزند میں نے تمہارے بلانے کو قاصد روانہ کئے تھے میں نے جواب دیا کہ میں ایسی قوم کے پاس سے آ رہا ہوں جو گرجا میں نماز پڑھ رہے تھے مجھ کو ان کا دین پسند آیا اور میں نے جان لیا کہ ان کا دین ہمارے دین سے بہتر ہے میرے والد نے کہا بخدا ہرگز نہیں! ان کو میری طرف سے اندیشہ ہوا اور انھوں نے مجھ کو قید کر دیا میں نے نصاریٰ سے کہلا بھیجا اور میں نے ان سے ان کے دین پر موافقت کا اظہار کیا اور ان سے پوچھا کہ جو شخص شام کے جانے کا ارادہ رکھتا ہو مجھ کو آگاہ کر دو انھوں نے ایسا ہی کیا میں نے بیڑیوں کو اپنے پیروں سے اتار دیا اور ان کے ساتھ وطن سے شام کے سفر کے لیے نکل پڑا یہاں تک کہ شام میں پہونچا اور ان سے ان کے عالم کے بارے میں معلوم کیا انھوں نے اسقف کا نام لیا میں اس کے پاس آیا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ میں تمہاری خدمت کروں گا اور تمہارے ساتھ نماز پڑھوں گا میں اس کے ساتھ رہتا تھا لیکن وہ اپنے دین میں برا آدمی تھا وہ لوگوں کو صدقہ کا حکم دیتا اور خود اپنے واسطے ذخیرہ کر لیتا تھا اس طرح اس نے سات ٹکے سونے اور چاندی سے بھر کر جمع کر لیے تھے

جب وہ مر گیا میں نے لوگوں کو اس کے حال سے آگاہ کیا ان لوگوں نے اس کی لاش کو لٹکا کر سنگسار کیا اور دفن نہیں کیا پھر میں نے ان لوگوں کو اس کا مال بتا دیا ان لوگوں نے اس کی جگہ پر ایک بڑے دیندار زادہ اور آخرت میں رغبت رکھنے والے شخص کو بٹھا دیا خدا نے اس کی محبت میرے دل میں ڈال دی یہاں تک کہ اس کے مرنے کا وقت آگیا اور میں موصل میں چلا آیا اور اس شخص سے جس کا ذکر مرنے والے نے کیا تھا ملا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا میں نے اس کو اسی کے طریقہ پر پایا اور جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا کہ مجھ کو وصیت کر اس نے کہا میں کسی کو نہیں جانتا جو میرے طریقہ پر ہو سوائے ایک شخص کے جو عموریہ میں رہتا ہے میں عموریہ میں آیا اور اس کو اپنے حال سے آگاہ کیا اس نے مجھ کو ٹھہرنے کا حکم دیا یہاں میرے پاس مال دنیا سے کچھ جمع ہو گیا تو میں نے کچھ بکریاں اور گائیں خرید لیں جب اس کے مرنے کا وقت آیا تو میں نے اس سے کہا مجھ کو اب کس کے پاس جانے کی وصیت کر تا ہے اس نے جواب دیا کہ اس وقت کسی کو نہیں جانتا جو ہماری جیسی حالت پر ہو لیکن اس نبی کا زمانہ تم سے قریب ہے جو دین خیف ابراہیم پر مبعوث ہو گا اس کی ہجرت کی جگہ کھجوروں والی زمین ہے اور اس میں کھلی ہوئی نشانیاں اور علامتیں ہیں اس کے دونوں شانوں کے درمیان پہرہ نبوت ہے وہ ہدیہ کھاتا ہے صدقہ نہیں کھاتا پس اگر تم سے ہو سکے تو اس کے پاس پہونچ جاؤ وہ یہ کہہ کر مر گیا۔

عرب کے نبی کلب کا قافلہ میرے پاس سے ہو کر گزرا میں نے ان سے ساتھ چلنے کی درخواست کی اور یہ بھی کہا کہ میں اپنی گائیں اور بکریاں تم کو دے دوں گا تم مجھ کو اپنے شہر کی طرف لے چلو وہ مجھے وادی القریٰ کی طرف لے گئے اور مجھ کو ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا میں نے کھجوروں کے درختوں کو دیکھ کر جان لیا کہ یہ وہی شہر ہے جس کی صفت مجھ سے بیان کی گئی ہے میں اپنے آقا کے پاس رہا اس کے پاس قبیلہ بنافریط کا ایک شخص آیا اور اس نے مجھ کو اس سے خرید لیا وہ مجھ کو مدینہ لے کر آیا میں



اتار دی میں نے مہربانیت کی زیارت کی اور اس کو بوسہ دیکر رونے لگا اپنے بھائی کو اپنے سامنے بٹھایا میں نے آپ سے اپنا کل حال بیان کیا جس طرح اے ابن عباس میں تم سے بیان کرتا ہوں آپ نے اس کو پسند کیا اور چاہا کہ اپنے اصحاب کو بھی یہ خبر سنائیں۔ میں بدر اور احد میں اپنی غلامی کی وجہ سے آپ کے ساتھ شریک ہونے سے معذور رہا آپ نے مجھ سے فرمایا اے سلمان تم مکاتب بن جاؤ یعنی اپنے مالک کو کچھ معاوضہ دے کر آزاد کرالو میں اپنے مالک سے کہتا تھا لیکن وہ کسی طرح رضامند نہ ہوتا تھا ایک دن میں نے اس سے تین سو درخت خرّم لگانے اور چالیس اوقیہ سونے پر کتابت کر لی آنحضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ اپنے بھائی کی کھجوروں کے درخت سے مدد کرو لوگوں نے پانچ پانچ دس دس درختوں سے میری مدد کی تین سو درخت میرے پاس جمع ہو گئے اور آپ نے مجھ سے فرمایا ان کے واسطے تھالے کھودو اور ان کو بٹھاؤ نہیں میں ان کو اپنے ہاتھ سے بٹھاؤں گا میں نے تھالوں کو کھودا اور صحابہ نے میری مدد کی جب میں فارغ ہو گیا اور آپ کے پاس آیا تو میں آپ کو درخت لاکر دیتا تھا اور آپ اس کو بٹھاتے اور مٹی برابر کرتے جاتے تھے آپ لگا کر واپس آگئے خدا کی قسم ان درختوں میں سے ایک درخت بھی ضائع نہیں ہوا اب صرف سونا باقی رہ گیا تھا آنحضرت بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ کے ساتھیوں میں سے ایک شخص اندھے کے برابر سونا لایا جو اس کو کسی کان میں ملا تھا آپ نے فرمایا مسکین سلمان فارسی کو بلاؤ میں حاضر خدمت ہوا آپ نے وہ سونا مجھے دیا اور فرمایا کہ اس کو ادا کر دے میں نے کہا یا رسول اللہ جو کچھ مجھے ادا کرنا ہے اس کو یہ کہاں پورا کر سکتا ہے ابو طفیل نے سلمان سے روایت بیان کی ہے کہ رسول نے سونے کے اندھے سے میری مدد فرمائی تھی اگر میں اس کو کوہ احد سے وزن کرتا تو وہ اس سے بھاری ہوتا (ترجمہ اسد الغابہ ص ۱۴۴-۱۴۵) اکمال الدین اور روضۃ الواعظین میں محمد الفتح سے مروی ہے کہ ایک دن قبر رسول کے پاس اصحاب پیغمبر بیٹھے ہوئے تھے امیر المؤمنین علی ابن ابی طالب نے جناب سلمان فارسی سے ان

اس کے پاس اس کی کھجوروں میں کام کرتا تھا اسی اثنا میں خدا نے اپنی نئی کھجوریں کھجوریں میں اس سے غافل رہا اور اطلاع نہ مل سکی یہاں تک کہ آپ مدینہ میں تشریف لے آئے اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں اترے میں کھجور کی چوٹی پر تھا کہ میرے مالک کا بھتیجا آیا اور اس نے کہا اے فلاں خدا بنی قبیلہ کو ہلاک کرے میں ابھی ان کے پاس سے ہو کر گزارا وہ لوگ ایک شخص کے پاس جو مکہ سے آیا ہے اور اپنے کو نبی کہتا ہے جمع ہیں۔

بخدا میں یہ سن کر خوش ہو گیا اور مارے خوشی کے درخت پر کانپنے لگا قریب تھا کہ نیچے گر جاؤں میں جلدی سے درخت سے اتر ا اور دریافت کیا کہ یہ کیسی خبر ہے میرے مالک نے ایک گھونسا مارا اور کہا تم کو ان سے کیا مطلب اتر اپنا کام کر دو میں اپنا کام کرنے لگا شام ہوئی تو میں نے کچھ کھجوریں جمع کیں اور ان کو لے کر آنحضرت کے پاس آیا آپ اپنے اصحاب کے ساتھ قبا میں تھے میں نے کہا میرے پاس کچھ جمع ہو گیا ہے چاہتا ہوں کہ اس کو صدقہ کر دوں مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نیک آدمی ہیں اور آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب محتاج ہیں میں آپ لوگوں کو اس کا مستحق زیادہ جانتا ہوں یہ کہہ کر اس کو آپ کے سامنے رکھ دیا آپ نے اپنا ہاتھ روک لیا۔ اور اپنے اصحاب سے فرمایا کہ کھاؤ وہ لوگ کھانے لگے میں نے اپنے دل میں کہا یہ ایک نشانی پوری ہوئی میں واپس آیا اور آپ بھی قبا سے مدینہ واپس چلے آئے میں نے کچھ اور جمع کیا اور اس کو آپ کے پاس لے کر گیا اور کہا میں نے آپ کی بزرگی کو دوست رکھا اور اب یہ ہدیہ لے کر حاضر ہوا ہوں یہ صدقہ نہیں ہے آپ نے اپنا ہاتھ بڑھایا اور اصحاب کے ساتھ آپ نے بھی کھایا میں نے کہا یہ دو نشانیاں ہوئیں اور واپس آیا پھر میں آپ کے پاس گیا اس وقت آپ ایک جنازہ کے ساتھ بقیع کے طرف تشریف لے جا رہے تھے آپ کے گرد و پیش آپ کے اصحاب تھے میں نے سلام کیا اور پھر آپ کی پشت میں مہربانیت دیکھنے لگا آپ نے میرا ارادہ معلوم کر کے چادر



دھی (حضرت علیؑ) کا واسطہ دے کر خدا سے دعا کی کہ مجھے ایسا بلا سے بچات دے۔ پس ایک شخص سفید پوش میرے پاس آیا اور کہا کہ اے روزیہ تیار ہو جا اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کنویں سے باہر نکالا ایک راہب کے دیر میں لے آیا اور غائب ہو گیا میں نے کہا اشدھان لالہ الا اللہ وان عیسیٰ روح اللہ دان محمد صیب اللہ اس راہب نے کہا اے روزیہ تو میرے پاس رہا کر معلوم ہوتا ہے کہ راہب کو بھی پہلے سے کسی غیبی طاقت نے اطلاع کر دی تھی میں دو سال اس کے پاس رہا جب وہ مرنے لگا تو مجھ سے راہب انطاکیہ کے بارے میں وصیت کی کہ میں اس کے پاس چلا جاؤں اور کہا کہ میرا اس سے سلام کہنا اور یہ لوح اس کو دے دینا پس میں وہاں گیا اور دو سال اس کی خدمت میں رہا جب وہ مرنے لگا تو اس نے راہب اسکندریہ کے بارے میں وصیت کی اور کہا اس کو میرا سلام کہنا اور یہ لوح اس کو دے دینا جب میں اس کی تجیز و تکفین سے فارغ ہوا تو وہاں پہونچا اور صومہ میں آیا اور اشدھان لالہ الا اللہ وان عیسیٰ روح اللہ دان محمد صیب اللہ کہا پس دو سال اس کی خدمت میں رہا جب وہ مرنے لگا تو میں نے اس سے پوچھا کہ اب تو مجھے کس کے پاس چھوڑتا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں کسی سے واقف نہیں ہوں جو میرا ہم ملک ہو البتہ ولادت محمد مصطفیٰ کا زمانہ قریب ہے جب تو ان کی خدمت میں وارد ہونا تو میرا سلام کہنا اور یہ لوح ان کو دے دینا جب میں اس کے دفن سے فارغ ہوا تو وہاں سے چل دیا اور ایک قوم کے ساتھ رہنے لگا جو بکری کو ذبح کر کے اس کا گوشت کھاتے تھے میں نے کہا میں مرد راہب ہوں گوشت نہیں کھاتا پھر وہ شراب پیش کرتے تو میں اس کو بھی قبول نہ کرتا اس پر انھوں نے مجھے خوب مارا میں نے اس خوف سے کہ مجھے قتل نہ کر دیں ایک شخص کی غلامی قبول کر لی اس نے مجھے اس قوم سے نکال کر ایک یہودی کے ہاتھ تین سو درہم میں فروخت کر دیا اس یہودی نے میرا قصہ معلوم کیا تو میں نے اس سے کہا کہ میرا سوائے اس کے اور کوئی قصور نہیں ہے کہ میں محمدؐ اور ان کے وصی (علیؑ) کا دوست ہوں یہودی نے یہ سن کر کہا میں تیرا اور محمدؐ دونوں کا دشمن ہوں اس نے مجھے اپنے دروازے کے

کے ایمان لانے کا سبب دریافت فرمایا آپ نے جواب دیا میں شیراز کے ایک دہقان کا لڑکا ہوں میرے والد مجھ سے بہت محبت و الفت کرتے تھے ایک دن عید کے موقع پر میرا گزرمومہ (دیر) کی طرف ہوا وہاں ایک شخص کو کہتے ہوئے سنا اشدھان لالہ الا اللہ وان عیسیٰ روح اللہ دان محمد صیب اللہ محمد کا نام سنتے ہی میرے رگ و پے میں محبت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیوست ہو گئی جب میں گھر واپس آیا تو ایک نوشتہ میں نے اپنے مکان کی چھت میں لٹکا ہوا دیکھا میں نے ماں سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو اس نے کہا کہ اس کے قریب نہ جانا اس لیے کہ اگر تیرے باپ کو پتہ چل گیا تو وہ تجھے قتل کر ڈالے گا میں اس وقت تو خاموش ہو گیا لیکن جب رات کی تاریکی چھا گئی تو میں نے وہ تحریر وہاں سے لے لی اور پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ہذا عہد من اللہ الی ادم افی خالق من صلیہ نبیا یتقال لہ محمد یا مریکام الاخلاق وینہی عن عبادۃ الاوثان یا روزیہ! ات وصی عیسیٰ فامن واترک المجوسیۃ

بسم اللہ الرحمن الرحیم یہ عہد نامہ ہے اللہ کی طرف سے آدم کے لیے کہ میں ان کے صلب میں ایک نبی کو پیدا کرنے والا ہوں جس کا نام محمدؐ ہو گا وہ مکام اخلاق کے تعلیم دے گا اور لوگوں کو بت پرستی سے روکے گا اے روزیہ (مسلمان) کا پہلا نام وصی عیسیٰ کے پاس اگر ایمان لا اور مجوسیت کو چھوڑ دے۔

مسلمان کہتے ہیں کہ اس سے قبل میں عربی زبان سے ناواقف تھا اللہ نے مجھے اسی دن عربی سے واقف کر دیا اور میں عربی کا عالم ہو گیا اس عہد نامہ کو پڑھ کر مجھ پر بجلی سی گر گئی میں یہ پڑھ کر حیران رہ گیا اور گھر سے تلاش حق میں نکل جانے کا مصمم ارادہ کر لیا جب میرے ماں باپ کو پتہ چلا کہ میں گھر سے جانے والا ہوں تو انھوں نے پہلے تو سختی کی پھر مجھے ایک گہرے کنویں میں ڈال دیا اور کہا کہ اگر تو اپنے آبائی دین سے پلٹ گیا تو ہم تجھے قتل کر ڈالیں گے انھوں نے آب و طعام میرے اوپر بند کر دیا جب میرے اوپر یہ مصیبت آئی اور مدت طولانی ہوئی تو میں نے حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کے



نے مجھ سے فرمایا کہ اب جا کہ اس سے کہو کہ تیری خواہش پوری ہو گئی اب ہماری چیز ہمارے حوالے کر اس نے آکر کہا میں اس وقت تک فردخت نہ کروں گی جب تک یہ خرے زرد رنگ کے نہ ہو جائیں پس جبرائیل امین آئے اور اپنے پروں سے درختوں کے پھلوں کو مس کیا وہ فوراً زرد ہو گئے اس عورت نے کہا مجھے محمدؐ اور تجھ سے زیادہ یہ خرے کے درخت پسند ہیں اور میں نے کہا مجھے آج تجھ سے اور دنیا کی ہر چیز سے محمدؐ زیادہ محبوب ہیں۔ پس رسولؐ نے مجھے آزاد کر دیا اور میرا نام سلمان رکھ دیا (ابن شہر آشوب ص ۱۰۱) ۱۱۲

جناب سلمان کے عشق رسولؐ میں وطن چھوڑنے اور ایمان لانے والی روایت کو ہم نے دو کتابوں سے نقل کیا ہے پہلی روایت نہ صرف اسد الغابہ بلکہ اہلسنت کی تمام کتابوں میں اسی طرح نقل کی گئی ہے جن میں اصحاب فی تہذیب الصحابہ استیعاب اور طبقات ابن سعد قابل ذکر ہیں روایت جناب ابن عباس سے نقل کی گئی ہے اور دوسری روایت مناقب ابن شہر آشوب کے علاوہ تمام شیعہ کتب حیات القلوب، نفس الرحمن فی فضائل سلمان، بحار الانوار، اکمال الدین و صفۃ الاعظمین وغیرہ میں بھی اسی طرح درج ہے چند باتوں میں اختلاف ہے اہل کتب اہلسنت میں اس لوح کا تذکرہ نہیں ہے جس میں آنحضرتؐ کی نبوت کی پیش گوئی تھی ۲۔ محبت رسولؐ کے ساتھ دوسری رسولؐ کا تذکرہ نہیں ہے جو تمام شیعہ کتب میں موجود ہے ۳۔ کتب اہلسنت میں ہے کہ آپؐ نے چندہ کر کے آپؐ کو آزاد کر لیا اور کتب شیعہ میں ہے کہ آپؐ نے با عجزاً درخت خرما اگائے اور قیمت ادا کی (۲۴) اسد الغابہ اور دوسری اہلسنت کی کتابوں میں ہے کہ آپؐ مدینہ میں ایمان لائے اور مناقب اور دوسری شیعہ کتابوں میں ہے کہ آپؐ نے مکہ میں اہل اسلام کیا۔

مجھے یقین ہے کہ ناظرین کے لیے اب وجہ اختلاف معلوم کرنے میں سہولت ہو گئی ہو گی چونکہ تائیدیں ان حکومتوں کے اشاروں پر لکھی گئیں جو علیؑ اور اولاد علیؑ کی دشمن تھیں ان کی یہ کوشش رہی کہ جہاں بھی علیؑ اور اولاد علیؑ کی کوئی فضیلت ظاہر ہوتی ہو اس کو مٹا دیا جائے چنانچہ سلمان کے ایمان لانے کے واقعہ کو بھی توڑ مروڑ کر پیش

باہر نکال دیا جہاں ریت کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا اس نے مجھ سے کہا کہ اس ریت کو صبح تک یہاں سے اٹھا کر پھینک دے ورنہ میں قتل کر دوں گا میں نے رات بھر اسے اٹھایا مگر ختم نہ ہوا میں نے اللہ سے دعا کی ناگاہ ایک آنڈھی آئی اور اس ریت کو اڑالے گئی جب یہودی نے صبح کو دیکھا تو کہا کہ تو جادوگر ہے میں تجھ سے ڈرتا ہوں۔ اس شخص نے مجھے ایک عورت کے ہاتھ فردخت کر دیا اس کا ایک باغ تھا اس نے اس کی نگرانی میرے سپرد کر دی ایک دن سات آدمی وہاں آئے جن کے سروں پر ابرسایہ فگن تھا ایک محمدؐ مطھے دوسرے علیؑ مرتضیٰ تیسرے ابوذرؓ چوتھے مقدادؓ پانچویں عقیلؓ چھٹے حمزہؓ اور ساتویں زید۔ میں نے ان کے سامنے کچھ خرے رکھے اور کہا کہ یہ حد ہے پس رسولؐ نے اصحاب کو سوائے علیؑ ابن ابی طالب کے کھانے کا حکم دیا سب نے ان کو کھایا لیکن آپؐ اور آپؐ کے بھائی نے چھو اتک نہیں پھر میں نے ایک طبق خرموں کا پیش کیا اور کہا کہ یہ حد یہ ہے وہ انھوں نے بسم اللہ کہہ کر کھالیے میں نے اپنے دل میں کہا دو علامتیں تو ابر کا سایہ فگن ہونا اور حد حرام ہونا ظاہر ہو گئیں اب میں تیسری علامت کی تلاش میں حضرت کے پیچھے آیا آپؐ نے فرمایا اے روزیہ مہربوت کی تلاش ہے یہ فرما کہ آپؐ نے شانے کھول دیے میں نے مہربوت کی زیارت کر لی آپؐ کے قدموں پر گر پڑا اور آپؐ کا دین قبول کر لیا آنحضرتؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم اپنی مالک کے پاس جا کہہ دو کہ محمدؐ بن عبد اللہؐ پوچھتے ہیں کہ تم اپنے غلام کو فردخت کرنا چاہتی ہو میں نے اپنی مالک کے پاس جا کہہ آپؐ کا پیغام پہنچایا اس نے جواب دیا میں چار سو درخت خرما پر فروخت کر سکتی ہوں جن میں دو سوا ایسے ہوں جن پر سرخ رنگ کے خرے آئیں اور دو سوا ایسے ہوں جن پر زرد رنگ کے خرے آئیں میں نے آپؐ کو آکر مطلع کر دیا آپؐ نے فرمایا یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے آپؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا اے علیؑ چار سو گٹھلیاں جمع کر کے ان کو بودا اور میرا اب کو دو حضرت علیؑ نے حکم کی تعمیل کی درخت خرما فوراً ہی جوان ہو کر پھل دینے لگے آپؐ



نقیہ سے مخفی علوم میں بحث اور اخبار سے استدلال کرتے تھے چار سو برس سے قیام قائم سید اولین و آخرین حضرت محمد مصطفیٰ کے منظر تھے یہاں تک کہ آپ کو ان کی ولادت کی بشارت دی گئی۔

ایک روز کسی شخص نے حضرت امیر المومنینؑ سے جناب سلمان کے بارے میں سوال کیا آپ نے فرمایا اس کامل ایمان کا کیا کہنا اس کی طینت ہماری طینت سے ہے اس کی روح ہماری روح سے ہے خدا نے اس کو اول و آخر اور ظاہر و باطن سے شخص فرمایا ہے اے شخص ایک دن میں خدمت رسولؐ میں موجود تھا سلمان بھی اس وقت موجود تھے ایک مرد عرب آیا اور ان کو ان کی جگہ سے ہٹا کر بیٹھ گیا آنحضرتؐ کو غصہ آ گیا فرمایا۔ اے شخص تو نے اس شخص کو ہٹایا ہے جس پر جبرائیل امین خدا کا سلام میرے پاس لاتے ہیں تو نہیں جانتا سلمان ہم سے ہے جس نے اس پر ظلم کیا اُس نے ہم پر ظلم کیا۔ جس نے اسے اٹھایا اُس نے مجھے اٹھایا جس نے اس کو اپنے پاس بٹھایا اس نے مجھے اپنے پاس بٹھایا اے شخص سلمان کے بارے میں دھوکہ نہ کھا خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں سلمان کو لوگوں کی موت کے اوقات اور ابتلا سے آگاہ کر دوں اور وہ امور تعلیم کر دوں جو حق کو باطل سے جدا کرتے ہیں اعرابی نے عرض کی یا رسول اللہ میرا خیال نہیں تھا کہ سلمان ایمان کے اس درجہ پر فائز نہیں ہیں بلکہ صرف اتنا پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا وہ پہلے مجوسی نہیں تھے فرمایا اے عرب تو عجیب عقل کا آدمی ہے تجھ سے برابر سلمان کے فضائل بیان کرتا رہا ہوں اور تو یہی کہے جا رہا ہے کہ سلمان مجوسی تھے ادبے عقل وہ مجوسی نہ تھے بلکہ شرک کو تقیہ کے طور پر ظاہر کرتے اور ایمان کو پوشیدہ رکھتے تھے۔

سید المتہامین حیدر بن علی آل امی نے کتاب کشکول میں فرمایا کہ جناب سلمان آنحضرتؐ کی جستجو کرتے ہوئے مکہ تک پہنچے اور مشرف باسلام ہو کر زمرہ مہاجرین میں شامل ہو گئے تھے (مجالس المومنین ص ۸)

کیا گیا تاکہ فضیلت علیؑ پر پردہ ڈال دیا جائے اور لوح کے تذکرے کو حذف اور مدینہ میں ایمان لانے کو اس لیے بیان کیا گیا کہ لوگوں کی سبقت ایمانی باقی رہے جناب سلمان کا اسلام و ایمان \*\*\*\*\* ایمان لانے کی حکایت اس لیے وضع کی ہے کہ آپ کا اگر مکہ میں ایمان لانا بیان کیا جاتا تو پھر لوگوں کی سبقت ایمانی پاش پاش ہو کر رہ جاتی حالانکہ شیعہ سنی اختلاف کے باوجود بھی امیر المومنین علیؑ کے بعد سبقت سلمان ہی کو حاصل رہتی ہے فرق اتنا ہی رہتا ہے کہ شیعہ کتب میں ہے کہ وطن ہی میں آپ غائبانہ ایمان لے آئے تھے اور سنی کتب میں ہے کہ عوریر کا راہب جو آخری راہب تھا اس کی وصیت کے بعد سے آنحضرتؐ کی محبت و الفت آپ کے دل میں پیدا ہو گئی تھی مگر یہ زمانہ بھی آنحضرتؐ کی ولادت سے پہلے کا ہے۔

در حقیقت سلمان نے خدمت پیغمبرؐ میں حاضر ہو کر اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اہل اسلام کیا ہے آپ کو سرکار رسالت کی نبوت و رسالت کا یقین قبل ولادت ہی اتنا تھا کہ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی حاصل نہ ہو سکا آپ کی شخصیت وہ عظیم شخصیت ہے جس نے کبھی رسول اسلام کی نبوت و رسالت میں شک و بعثت سے پہلے بھی نہیں کیا اور آنحضرتؐ کو لوگوں کو آپ کے مبعوث ہو جانے اور معجزات دیکھنے کے بعد بھی بار بار شک ہوتا رہا آپ اہل اسلام سے پہلے ہی آنحضرتؐ کے سچے عاشق اور دین الہی کے سچے پیرو تھے آنحضرتؐ کی محبت ہی نے ان کو وطن چھوڑنے پر مجبور کیا تھا وہ ظاہر ایمان لانے سے پہلے ہی ایمان کی اس منزل پر فائز تھے کہ بارگاہِ صمدی میں ان کی دعا قبول ہوئی تھی اور درود کی جاتی تھی آنحضرتؐ فرماتے ہیں: ما کان سلمان مجوسیاً و لکن کان مظهرًا للشرك و مبطنًا للإيمان۔ سلمان کبھی مجوسی نہیں تھے بلکہ وہ ظاہر میں مشرک اور باطن میں مومن تھے علامہ صدوق نے احوال الدین میں کہا ہے کہ سلمان روئے زمین پر طلب محبت میں پھرتے رہے ایک عالم سے دوسرے عالم اور ایک نقیہ سے دوسرے



تاریخ گزیدہ میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا سابقین اسلام چار ہیں میں عرب میں صہیب روم میں سلمان فارس میں اور بلال جلس میں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایمان کے دس درجے ہیں مقدار اکھ درجوں پر ابوذر نوذر جوں پر اور سلمان دس درجوں پر فائز ہیں۔

**آپ وصی عیسیٰ تھے :-**

سلمان نے سورج کو کبھی سجدہ نہیں کیا بلکہ وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے تھے ان کی نماز کے لیے مشرق کی سمت قبلہ قرار دی گئی تھی ان کے والدین یہ سمجھتے تھے کہ وہ سورج کو سجدہ کرتے ہیں حالانکہ ایمان تھا وہ جناب عیسیٰ پیغمبر کے وصی تھے آپ کی وصایت اس طرح کی تھی جیسے پیغمبر اسلام نے جناب امیر المومنین کے بارے میں جناب ام سلمہ کو وصی بنایا تھا اور امام حسینؑ نے اپنی بیٹی جناب فاطمہ کبریٰ یا روایت دیگر اپنی نانی جناب ام سلمہ کو امام زین العابدین علیہ السلام کے حق میں اپنی جانب سے وصی قرار دیا تھا کہ یہ تبرکات میری شہادت کے بعد میرے فرزند زین العابدین کو پہونچا دینا جس طرح جناب ابوطالب وصی ابراہیم واسمعیل تھے یعنی وہ ان کتابوں کے محافظ تھے جناب سلمان کی وضاحت بھی ایک امر خاص میں تھی اور وہ حمل لوح اور سلام کا آخری نبی تک پہونچنا تھا اور ایک وقت میں بہت سے وصی ہو سکتے ہیں (نفس الرحمن فضائل سلمان)

**اخلاق و اوصاف** جناب سلمان محمدی نے اپنے اخلاق و اوصاف کی تکمیل

کا ایک فرد بن کر لی لیے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے اخلاق و عادات زندگی کے ہر شعبہ میں معیاری حیثیت کے مالک تھے خاص خاص اخلاق و اوصاف جن کے متعلق مورخین نے مخصوص طور پر واقعات نقل کیے ہیں وہ آپ کی سادگی و اداری مسادات، مہانوازی، غرباء و مساکین کی امداد اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی، شجاعت و بہادری، جرات و صاف گوئی اور جی گوئی، عبادت و ریاضت زہد و ورع اور تقویٰ و پرہیزگاری وغیرہ ہیں جن میں سے

صرف بعض صفات کا یہاں مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

**سادگی** مدائن کی امارت کے زمانے میں جب کہ شان و شوکت کے تمام لوازم

\*\*\*\*\* آپ کے لیے مہیا تھے اور پانچ ہزار وظیفہ پاتے تھے اس وقت بھی آپ کی سادگی میں کوئی فرق نہ آیا ایک چادر تھی جس کے نصف حصے کو پہنتے اور نصف کو بچھاتے تھے زندگی بھر گھر نہیں بنایا دیواروں اور درختوں کے سایہ میں زندگی گزار دی ایک دنہ حذیفہ نے آپ سے کہا ہم تمہارے لیے گھر نہ بنوادیں؟ آپ نے پوچھا کیوں؟ کیا اس لیے کہ مجھ کو بادشاہ بنا دو اور میرے واسطے ایسا گھر تعمیر کرو جیسا کہ تمہارا مدائن میں ہے انھوں نے جواب دیا نہیں بلکہ پھوس کا اور اس کی چھت چٹائی کی ہو گی اور صرف اتنا بلند ہوگا کہ تم کھڑے ہو تو تمہارا سر چھت سے جا کر لگے اور تمہارے سر پر گرنے کے لیے تیار ہو اور جب سو رہو تو تمہارے سر پر دیوار سے ٹکرائیں اور چھت تمہاری آنکھوں پر گرنے کے قریب ہو آپ نے جواب دیا کہ گویا تم میرے دل میں تھے اور جو میری خواہش تھی اسی کو تم نے بیان کیا (اسد الغابہ ج ۱۲)

ایک مرتبہ ایک فوجی دستہ کی سرداری آپ کے سپرد ہوئی فوجی شان و شوکت کا تذکرہ ہی کیا یہاں معمولی سپاہی کی بھی وضع نہ تھی چنانچہ فوجی جو ان دیکھ کر ہنستے تھے اور کہتے تھے یہی ہمارے امیر ہیں وفات کے وقت بیس بائیس درہم سے زیادہ کا اثاثہ نہ تھا بستر میں معمولی سا کچھونا اور دو اینٹیں جن کا تکیہ بناتے تھے اس پر بھی فرماتے تھے کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ انسان کا ساز و سامان ایک مسافر سے زیادہ نہ ہو اور میرا یہ حال ہے (کتاب صحابہ و تابعین ص ۵۵)

**مسادات** کبھی غلام سے دو کام ایک وقت میں نہ لیتے تھے آپ کے یہاں فرائض کی تکمیل تقیم بھی تھی اور اسی طرح حقوق میں بھی حقیقی مسادات تھی

\*\*\*\*\* آپ کا اپنے غلاموں کے ساتھ وہ حرمن سلوک تھا جس کی مثال ملنا مشکل ہے خادم کو گوشت کی بوٹیاں گن کر دیا کرتے تھے کہ کہیں اس کی طرف سے سو وطن پیدا نہ ہو جائے



کے ہاتھوں کا دھون کھلانا چاہتے ہو (ابن سعد جز ۴ ص ۶۱۲)

**رعب و جلال**۔ چونکہ آپ حق بات کہنے میں کسی کی رعایت نہیں فرماتے تھے اس لیے باوجود فقیرانہ زندگی کے اصحاب رسول آپ سے خوف کھاتے تھے ایک مرتبہ آپ حضرت عمر کے پاس گئے اس وقت وہ ایک گدے پر ٹیک لگائے بیٹھے تھے آپ کو دیکھ کر وہ گدا (گاؤ نکیم) آپ کی طرف بڑھا دیا (مسند رک حاکم ج ۳ ص ۹۹)

**ازواج و اولاد**۔ طبقہ جہلا میں عام طور سے آپ کے بارے میں یہ مشہور ہے کہ آپ نے شادی نہیں کی تھی اور آپ عتیں یا خواہہ سرا تھے یہ غلط ہے آپ نے بنی کنذہ کی ایک عورت کے ساتھ شادی کی تھی اس سے دو فرزند پیدا ہوئے انھیں سے آپ کو کثرت نسل کا شرف حاصل ہوا ان میں سے بعض اسی جگہ آباد تھے اور سب کے سب صاحبان فضل و کم تھے (مجالس المومنین ص ۹۹) اسد الغابہ میں ہے کہ آپ کی تین لڑکیاں تھیں ایک لڑکی اصفہان میں اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ اہل اصفہان انھیں کی اولاد ہیں اور دو لڑکیاں مصر میں تھیں (اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۲)

عبداللہ بن سہل سے روایت ہے کہ سلمان نے بنی کنذہ کی ایک عورت سے شادی کی تھی جب رات کا وقت آیا آپ اس کے پاس بیٹھے اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور اس کے لیے برکت کی دعا کی اور اس سے فرماتے تھے میری اطاعت کرو اس چیز میں جس کا خدا نے تجھے حکم دیا ہے وہ اپنی تھی میں مطیع و فرمانبردار ہوں آپ فرماتے تھے کہ میرے خلیل آنحضرت نے مجھے وصیت کی ہے کہ جب میں اپنے اہل کے ساتھ جمع ہوں تو اللہ کی اطاعت پر جمع ہوں پس آپ اور وہ دونوں کھڑے ہو گئے دونوں نے نماز پڑھی نماز سے فارغ ہو کر فطری تقاضہ کی تکمیل کی جو مرد اپنی عورتوں سے کرتے ہیں جب صبح ہوئی مصاحبین نے آپ سے پوچھا آپ نے اپنی زوجہ کو کیسا پایا آپ نے ان کو بتانے سے اعراض کیا اور کہا کہ خدا نے ستر پوشی کا حکم دیا ہے لہذا اس کے بارے میں

(صحابہ و تابعین ص ۵۸)

**ضیافت** جو شخص بھی یحیثیت مہمان آتا ہے تکلفی سے جو کچھ ہوتا اس کے سامنے لا کر رکھ دیتے اور فرمایا کرتے تھے اگر خدا کے برگزیدہ رسول نے تکلف کو منع نہ فرمایا ہوتا تو میں تمہارے لیے ضرورت تکلف کرتا اور تکلف کے معنی یہ ہیں کہ جو چیز موجود نہ ہو اس کو بہ تکلف حاضر کیا جائے۔

ابو دآل سے مروی ہے کہ ایک بار میں اپنے ایک دوست کے ساتھ آپ کا مہمان ہوا آپ نے بے تکلفی سے جو کی روٹی اور نمک ہمارے سامنے لا کر رکھ دیا میرے ساتھی نے کہا اگر اس کے ساتھ پودینہ ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا یہ سن کر آپ اپنا لوٹا لے ہوئے باہر گئے اور چند منٹ بعد پودینہ لے کر واپس آ گئے ہمیں دیکھ کر کہا لا کھاؤ میرے دوست نے کھانا کھانے کے بعد کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو بہاری روزی پر قانع کیا۔ آپ نے فرمایا اگر قناعت کرنے والے ہوتے تو میرا لوٹا دہن ہو کر یہ پودینہ نہ آتا۔ (حیات القلوب ۲ ص ۶۱۲)

**زہد و تقویٰ**۔ حافظ مجیب اللہ صاحب ندوی رفیق دار المصنفین اہل کتاب صحابہ و تابعین میں لکھتے ہیں کہ آپ کا زہد و ورع اس حد تک پہنچ گیا تھا کہ جس کے بعد رہبانیت کی حد شروع ہو جاتی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ اسلام کی تعلیم کے خلاف رہبانیت کی طرف مائل تھے نہ ہی تشدد کے ساتھ ساتھ دنیاوی حقوق کا بھی پورا پورا لحاظ رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے (اہل کتاب صحابہ و تابعین ص ۵۸)

**صدقات سے اجتناب**۔ صدقات سے سخت پرہیز کرتے تھے اگر کسی چیز میں صدقہ کا ادنیٰ شائبہ ہوتا تو اس سے بھی احتراز کرتے ایک غلام نے خواہش کی کہ مجھ کو مکاتب بنا دیجئے فرمایا تمہارا پاس کچھ ہے اس نے عرض کیا میں لوگوں سے مانگ کر ادا کر دوں گا فرمایا تم مجھ کو لوگوں



تھا اے سلمان ذرا غور سے دیکھو وہ شخص میں ہی تو تھا سلمان نے اس کا اقرار خدمت نبوی میں کر کیا اور امیر المومنین سے عرض کیا کہ اے علیؑ اس واقعہ کو تین سو تیس سال گزر گئے ہیں آج تک میں نے کسی سے ذکر نہیں کیا تھا آج آپ نے اس کو یاد دلایا (نجات القدس قلمی ص ۲۳۲ رضالابریری رام پور)

یہ واقعہ آنحضرت کے زمانے کا ہے اگر اس کو آپ کی زندگی کے آخری ایام کا بھی مانا جائے تب بھی پیغمبر کے بعد سلمان ۲۵ سال زندہ رہے اس صورت سے آپ کی عمر ساڑھے تین سو سال سے کچھ زیادہ ہی قرار پاتی ہے۔

**وفات** حضرت عمر بن خطاب نے آپ کو مدائن کا حاکم بنایا تھا اس عہدہ پر آپ \*\*\*\* اس وقت تک قائم رہے جب امیر المومنین ولی امر ہوئے جناب رسول خدا خبر دے گئے تھے کہ اے سلمان جب تمہاری موت کا زمانہ آئے گا تو مردہ تم سے باتیں کرے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا دیکھئے ہماری کتاب سلمان محمدی (۱) ص ۱۱ کہتے ہیں کہ جب مردہ نے آپ سے باتیں کیں اور قبر سے آواز آنا پیدا ہوئی حضرت سلمان فارسی نے کہا کہ اب مجھے گھر لے چلو جب ان کے مکان پر لائے تو آپ نے فرمایا زمین پر ٹٹا دو جب میں نے ٹٹا دیا تو آسمان کی طرف دیکھ کر ایک دُعا پڑھی اور اس دارِ فانی سے دارِ باقی (آخرت) کی طرف کوچ فرمایا میں متحیر تھا کہ آپ کو دفن کیوں کر کروں اتنے میں دور سے ایک سوار دکھائی دیا جب قریب آیا میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا جناب امیر المومنین علی ابن ابی طالب ہیں حضرت نے اگر اپنے دست مبارک سے آپ کو غسل دیا کفن پہنایا اور نماز جنازہ پڑھ کر دفن کیا اور نظروں سے غائب ہو گئے۔

(کتاب فضائل ص ۸۹ تا ۹۰ و حیات القلوب ج ۲ ص ۶۱۵) کولوائج الاحزان بحار الانوار میں حبیب بن حسن نے جابر ابن عبد اللہ انصاری سے روایت کی ہے کہ امیر المومنین نے صبح کی نماز ہمارے ساتھ ادا فرمائی پھر ہماری طرف رخ کر کے فرمایا ایہا الناس! خدا تم کو تمہارے بھائی سلمان کی موت پر صبر کرنے میں اجر عطا فرمائے۔ لوگ اس بارے میں بت

ہرگز سوال نہ کرو

کتاب بیج الدعوات کی حدیث تحفۃ الجنۃ میں ہے کہ آپ کے ایک صاحبزادے تھے جن کا نام عبد اللہ تھا اسی لیے آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہوئی۔

وہ روایت جس میں کہا گیا ہے کہ آپ نے تزویج نہیں کی ضعیف ہے روایات معتبرہ و مشہورہ کے مقابلہ میں اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے اس روایت کا راوی حسین بن حمدانی ضعیف راوی ہے اور اس پر اعتبار جائز نہیں ہے نجاشی کا قول ہے کہ حسین بن حمدان الحسینی ابو عبد اللہ فاسد المذہب تھا اور خلاصہ میں مزید کہا گیا ہے کہ وہ ملعون تھا (نفس الرحمن)

**مدت حیات** آپ کی عمر کے بارے میں مختلف اقوال ہیں کتاب سعد الاخبار میں \*\*\*\* ڈھائی سو تین سو ساڑھے تین سو اور ڈیڑھ ہزار سال تک کی روایات موجود ہیں اسی طرح اسد الغابہ میں ہے کہ عباس ابن یزید نے کہا ہے کہ سلمان ساڑھے تین سو برس زندہ رہے لیکن ڈھائی سو برس میں کسی کو شک نہیں ابو نعیم نے کہا کہ سلمان بڑی عمر والوں میں سے تھے بعض لوگ کہتے ہیں کہ انھوں نے خود عیسیٰ ابن مریم کو پایا تھا اور دونوں کتابیں پڑھی تھیں (اسد الغابہ ج ۴)

نجات القدس میں ہے کہ ایک دن جناب امیر بیٹھے ہوئے خرے کھا رہے تھے آپ نے مزاجاً ایک گھٹلی سلمان کی طرف پھینکی جس پر آپ نے کہا اے علیؑ آپ مجھ سے مزاج فرما رہے ہیں حالاں کہ میں آپ سے سن میں بڑا ہوں اور آپ میرے سامنے ایک کمسن بچے ہیں بچوں کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ بڑوں سے مزاج کریں امیر المومنین نے جواب دیا اے سلمان تم اپنے کو بزرگ سمجھتے ہو اور مجھے خرد حالانکہ تم یہ بھول گئے کہ جب تم صحرائیں پانی کے ایک چشمہ پر غسل کر رہے تھے تو ایک جنگلی شیر نے تم پر حملہ کیا تھا تم نے اس مصیبت سے بچنے کے لیے باگاہ قدس میں دُعا کی تھی تو ایک شخص نے جو گھوڑے پر سوار زندہ پہننے ہاتھ میں تلوار لیے ہوئے تھا تمہاری مدد کی تھی جانتے ہو وہ کون



دروازہ پر جا کر بیٹھ جاؤ اور دروازہ بند کر لیا ان کی بیوی نے حکم کی تعمیل کی چند منٹ کے بعد انھوں نے ایک آواز سنی جو نہایت آہستہ سے کھٹی انھوں نے جا کر دیکھا تو آپ کی روح جنت کو پرواز کر چکی تھی (ابو نعیم) یہ اختصاص اور امتیاز بھی صرف آپ ہی کو تمام صحابہ اور تمام اُمت پر حاصل ہے کہ مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابیطالب علیہ السلام نے اپنے دستہائے مبارک سے غسل و کفن دیا نماز جنازہ پڑھی اور دفن کیا باعجاز مدینہ سے مدائن تشریف لائے اور پھر اسی دن مدینہ واپس ہوئے بعض لوگوں کو یقین نہیں ہوا تھا جب اہل مدائن کا خط سلمان کی موت کے بارے میں آیا جس میں وقت وفات اور تمام وہ حالات درج تھے جو امیر المومنین نے بیان فرمائے تھے تب یقین ہوا۔

تاریخ وفات میں اختلاف ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ۲۱ھ کے اوائل میں ہوئی مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمان کے آخری دور خلافت ۳۵ھ میں ہوئی علماء شیعہ کی کثیر تعداد نے اس قول سے اتفاق کیا ہے کہ آپ نے ۳۶ھ کے اوائل خلافت امیر المومنین میں انتقال فرمایا۔

آپ کا مزار مقدس مدائن میں آج بھی زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ہم نے بہت اختصار کے ساتھ آپ کی زندگی کے حالات ہدیہ ناظرین کیے ہیں مفصل حالات زندگی کے لیے ہماری کتاب سلمان محمدی کا مطالعہ فرمائیے

## زید بن حارثہ

نام و نسب :- زید نام۔ ابو اسامہ کنیت۔ حب رسول اللہ لقب والد کا نام حارثہ اور والدہ کا نام سعدی بنت ثعلبہ تھا پورا سلسلہ نسب اس طرح ہے زید بن حارثہ بن شراحیل بن کعب بن عبد العزی بن امر القیس بن عامر بن النعمان بن عامر بن عبد ود بن عوف بن کنانہ بن بکر بن عوف بن عذرہ بن زید اللات بن رقیہ بن ثور بن

چیت کرنے لگے آپ نے رسول کا عمامہ سر پر رکھا زہرہ زینب تن کی رسول کا عصا ہاتھ میں لیا اور تلوار کمر میں باندھی اور آپ کی سواری عصا پر سوار ہوئے اور قبر سے فرمایا دس تک گن قبر کہتے ہیں میں نے تعمیل حکم کی اور ہم نے اپنے آپ کو سلمان کے دروازہ پر (ملائن میں) کھڑا ہوا پایا۔ زادن خادم سلمان فارسی کہتا ہے کہ جب میں نے اپنے آقا کی وفات کا وقت قریب پایا تو آپ سے غسل کے بارے میں سوال کیا۔ آپ نے فرمایا جس نے (علی) رسول خدا کو غسل دیا تھا وہی مجھے بھی غسل دے گا۔ میں نے کہا آپ مدائن میں ہیں اور وہ مدینہ میں۔ آپ نے فرمایا اے زادن! جب تم میری داڑھی باندھ لو گے تو دروازے پر ان کی آواز سنو گے۔ جب میں نے آپ کی داڑھی باندھ دی تو میں نے دروازے پر کسی کو کہتے سنا کہ میں امیر المومنین ہوں میں نے دروازہ کھولا آپ اندر داخل ہوئے اور مجھ سے فرمایا اے زادن! ابو عبد اللہ سلمان نے قضا کی، میں نے کہا مولا ہاں۔ پس آپ اندر داخل ہوئے اور سلمان کے چہرہ سے چادر ہٹائی سلمان امیر المومنین کو دیکھ کر متبسم ہوئے۔ آپ نے فرمایا مرحبا اے ابو عبد اللہ! جب تم رسول سے ملاقات کرنا تو ان سے جو جو مظالم تمہارے بھائی پر روم کی طرف سے ہوئے ہیں بیان کرنا پھر آپ نے سلمان کی تجہیز کی اور جب آپ نے نماز پڑھی تو ہم نے کثرت سے تکبیروں کی آواز سنی میں نے آپ کے ساتھ دو مردوں کو دیکھا ان کے بارے میں سوال کیا تو امیر المومنین نے فرمایا ان میں سے ایک میرے بھائی جعفر طیار اور دوسرے جناب خضر بنغیر تھے اور ہر ایک کے ساتھ شتر صفیں ملائکہ کی سھیلیں اور ہر صف میں ہزار ملائکہ تھے۔ اور مشاق میں ہے کہ زادن خادم سلمان کا کہنا ہے کہ جب امیر المومنین تشریف لائے کہ سلمان کو غسل دیں تو آپ نے پیرا چہرے سے ہٹایا تو سلمان مسکرائے اور قریب تھا کہ بیٹھ جائیں امیر المومنین نے فرمایا اپنی موت کی طرف پلٹ جاؤ۔ رجال کسی میں ہے کہ سلمان کہتے تھے کہ آنحضرت نے مجھ سے فرمایا ہے کہ جب تمہاری موت کا وقت آئے گا تو کچھ لوگ تمہارے پاس آئیں گے جو خوشبو کو پسند کریں گے اور کھانا نہیں کھائیں گے پھر آپ نے مشک کی تھیلی نکالی اور پانی میں ملایا اور زوہر سے کہا کہ



کلب بن برہ بن ثعلب بن حلوان بن عمران بن الحاف بن قضاعہ۔

**ابتدائی حالات :-** گذشتہ بالانسب سے ظاہر ہوا کہ حضرت زید کے والد حارث بن قضاعہ سے تعلق رکھتے

تھے جو یمن کا ایک معزز قبیلہ تھا ان کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ بنی معن سے تھیں جو قبیلہ طے کی ایک شاخ تھی وہ ایک مرتبہ اپنے صغیر السن بچے زید کو ساتھ لے کر اپنے میکہ گئیں اسی اثنا میں بنی قیس کے سوار جو غارت گری سے واپس آرہے تھے اس نوہال کو خیمہ کے سامنے سے اٹھلائے اور غلام بنا کر عکاظہ کے بازار میں فروخت کے لیے پیش کیا ستارہ اقبال بلند تھا غلامی میں بھی سیادت بقدر تھی حکیم ابن حزام نے چار سو درہم میں خرید کر اپنی بھوپھی ام المومنین حضرت فدیجہ بنت خویلد کی خدمت میں پیش کیا جن کی وساطت سے سرور دو عالم کی غلامی کا شرف نصیب ہوا جس پر ہزاروں آزادیاں اور تمام دنیا کی شہنشاہیاں قربان ہیں (طبقات ابن سعد جلد ثانی قسم اول صفحہ ۲)

حضرت زید کے والد حارث بن شرجیل کو قدرۃ اپنے نعت جگر کے گم ہو جانے کا شدید غم ہوا آنکھوں نے سیل اشک بہائے دل آتش فراق سے بھر کر اٹھا اور محبت پدری نے الفاظ کی رنگ آمیزی سے اس طرح اس رنج و الم کا نقشہ کھینچا۔

بکیت علی زید ولم ادر ما فعل احی فیہ حی ام اخی دونہ الاجل

(ترجمہ) میں نے زید پر گریہ و زاری کی لیکن یہ نہ معلوم ہو سکا کہ وہ کیا ہو گیا آیا زندہ ہے جس کی امید رکھی جائے یا اسے موت آگئی۔

فواللہ ما ادری وان کنت سائلًا اغالک سمع الارض ام غالک الجبل

(ترجمہ) خدا کی قسم میں نہیں جانتا اگرچہ پوچھتا بھی ہوں کہ کیا تجھے زم زمین نکل گئی یا پہاڑ کھا گیا۔

فیالیت شعری هل لك الدهر رجعة فحسبني من الدنيا رجوعك لی مجمل

(ترجمہ) کاش میں جانتا کہ تیرا واپس آنا کبھی ممکن ہے پس تیرا واپس آنا ہی میرے لیے دنیا میں کافی ہے۔

تذکرینہ الشمس عند طلوعها وتعرض ذکرا اذا قارب الطفل

(ترجمہ) آفتاب اپنے طلوع ہونے کے وقت یاد دلاتا ہے اور جب غروب کا وقت قریب آتا ہے تو اس کی یاد کو پھر تازہ کر دیتا ہے۔

وان هبت الارواح هیتجن ذکرہ فیاطول ما حزنی علیہ ویاجل

(ترجمہ) باد بہاری کی لپیٹ اس کی یاد کو برا بھلا بھٹکتی ہے آہ مجھے اس پر کس قدر شدید رنج و الم ہے

ساعمل نص العیش فی الارض جاہداً ولا اسام الطواف او تسام الابل

(ترجمہ) عنقریب میں اونٹ کی طرح چل کر تمام دنیا چھان مار دوں گا میں اس آوارہ گردی سے اپنی زندگی بھر نہیں تھکوں گا۔

حیاتی او تاتی علی منیتی کل امرع وان عثرہ الامل

(ترجمہ) یا مجھ پر موت آجائے ہر آدمی فانی ہے اگرچہ سراب امید اسے دھوکا دے۔

واوصی بہ قیساً وعمراً کلیہما واوصی یزیداً اثمن بعدہم جبل

(ترجمہ) میں قیس اور عمر دونوں کو اس کے جستجو کی وصیت کرتا ہوں اور زید کو پھر ان کے بعد جبل کو وصیت کرتا ہوں (جبل سے مراد جبل بن حارث ہیں جو حضرت زید کے بڑے بھائی تھے اور یزید ان کے اخیانی بھائی تھے)۔

ایک سال بنی کلب کے چند آدمی حج کے خیال سے مکہ آئے تو انھوں نے اس یوسف گم گشتہ کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور یعقوب صفت باپ کا ماجرا اے غم کہہ نایا بولے یقیناً انھوں نے میری فرقت میں نوہر خوانی کی ہوگی تم میری طرف سے میرے خاندان والوں کو یہ اشعار سنا دینا۔



بلائے گئے آنحضرت نے ان سے پوچھا تم ان دونوں کو پہچانتے ہو عرض کی ہاں یہ میرے باپ اور چچا ہیں آپ نے ان کے ہاتھ میں قرعہ انتخاب دے کر فرمایا میں کون ہوں؟ اس سے تم واقف ہو میری ہمیشگی کا حال بھی تم کو معلوم ہے اب تمہیں اختیار ہے چاہتے مجھے پسند کرو یا ان دونوں کو۔ حضرت زید کو شہنشاہ کونین کی غلامی میں جو لطف ملا تھا اس پر صدا ہاں ادا کیاں نثار تھیں بولے میں ایسا نہیں ہوں جو حضور پر کسی کو ترجیح دوں آپ ہی میرے ماں باپ ہیں حضرت زید کی اس مخلصانہ وفا شجاری نے ان کے باپ اور چچا کو نحو حیرت کر دیا تعجب سے بولے زید افسوس تم آذائی باپ چچا اور خاندان پر غلامی کو ترجیح دیتے ہو فرمایا ہاں مجھے اس ذات پاک میں ایسے ہی محاسن نظر آتے ہیں کہیں اس پر کسی کو بھی ترجیح نہیں دے سکتا حضرت زید نے اپنی غیر متزلزل وفا شجاری سے آقائے شفیق کے دل میں محبت کی دبی ہوئی چنگاری کو مشتعل کر دیا آنحضرت نے خانہ کعبہ میں مقام حجر کے پاس ان کو لے جا کر اعلان فرمایا کہ زید آج سے میرا فرزند ہے میں اس کا وارث ہوں گا اور وہ میرا وارث ہوگا اس اعلان سے ان کے باپ کا افسردہ دل کھل گیا شگفتہ کی طرح کھل گیا گو والد کو مفارقت گوارہ نہ تھی تاہم اپنے نعت جگر کو ایک شفیق و معزز باپ کے آغوش عاطفت میں دیکھ کر اطمینان ہو گیا اور امتنان و مسرت کے ساتھ دہلیں گئے اس اعلان کے بعد حضرت زید آنحضرت ہی کے انتساب کے ساتھ زید بن محمد کے نام سے زبانِ مذہب و دھام دھام ہوئے یہاں تک کہ جب اسلام کا زمانہ آیا اور قرآن پاک کی الہامی زبان نے صرف اپنے نبی آبا کے ساتھ انتساب کی ہدایت فرمائی تو وہ پھر زید بن حارثہ مشہور ہوئے (طبقات قسم اول جز ۳ ص ۲۷)

اسلام۔ آنحضرت کو خلعت نبوت عطا ہوا تو حضرت زید نے ابتدا ہی میں شرف بیعت حاصل کیا محققین کا فیصلہ ہے کہ وہ غلاموں میں سب سے پہلے مومن تھے حضرت حمزہ ایمان لائے تو رسول خدا نے ان سے بھائی چارہ کر لیا ان دونوں میں اس قدر محبت ہو گئی تھی کہ حضرت حمزہ جب غزوات میں تشریف لے

اشق الی قومی وان کنت ناعیا بانی قطین البیت عند المشاعر (ترجمہ) میں اپنی قوم کا مشتاق ہوں گو ان سے دور ہوں میں خانہ کعبہ میں بیت حرام کے قریب رہتا ہوں۔

فکفوا من الوجد الذی قد شجاکم ولا تعملوا فی الارض نص الاباعر (ترجمہ) اس لیے اس غم سے باز آ جاؤ جس نے تم کو پرالم بنا دیا کھا ہے اور اونٹوں کی طرح چل کر دنیا کی خاک نہ چھانو۔

فانی بحمد اللہ فی خیر اسرۃ کرام معہ کا برا بعد کا بر (ترجمہ) الحمد للہ کہ میں نبی مہد کے ایک معزز اور اچھے خاندان میں ہوں جو پشیمانیت سے معزز ہے بنی کلب کے زبڑوں نے واپس جا کر ان کے والد کو اطلاع دی تو تعجب سے ان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور دھڑپاس نے یک بیک یقین نہ ہونے دیا بولے رب کعبہ کی قسم کیا میرا ہی نور نظر تھا ان لوگوں نے جب تفصیل کے ساتھ طے جائے قیام اور مربی کے حالات بیان کئے تو اسی وقت اپنے بھائی کعب بن شراحیل کو ساتھ لے کر مکہ کی طرف چل کھڑے ہوئے اور حضرت سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہو کر بعد منت و بجا جت عرض کی اے ابن عبد اللہ اے ابن عبد المطلب اے اپنی قوم کے رئیس زادے تم اہل حرم اور اس کے مجاور ہو مصیبت زدوں کی دست گیری کرتے ہو، قیدیوں کو کھانا دیتے ہو تمہارے پاس اس غرض سے آئے ہیں کہ ہمارے لڑکے کو آزاد کر کے ہم کو وہین منت بناؤ۔ زرقادیہ جس قدر چاہو لو ہم زیادہ سے زیادہ معاوضہ دینے کو تیار ہیں ارشاد ہوا وہ کون ہے؟ جو اب ملا زید بن حارثہ آنحضرت نے زید کا نام سنا تو ایک لمحہ تفکر کے بعد فرمایا کیا اس کے سوا تمہاری کوئی حاجت نہیں عرض کی نہیں فرمایا بہتر زید کو بلا کر اختیار دو اگر وہ تمہیں پسند کرے تو تمہارا ہے اور اگر مجھے ترجیح دے تو خدا کی قسم میں ایسا نہیں ہوں جو اپنے ترجیح دینے والے پر کسی کو ترجیح دوں حارثہ اور کعب نے اس شرط پر شکریہ کے ساتھ رضامندی ظاہر کی حضرت زید



غزوات حضرت زید تیر اندازی میں مخصوص کمال رکھتے تھے ان کا شمار شاہسیر  
\*\*\*\*\* صحابہ میں تھا جو اس فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے معرکہ بدر سے غزوہ  
تہ تک جس قدر اہم و خوں ریز معرکے پیش آئے سب میں پامردی اور شجاعت کے ساتھ  
شریک کار زاد ہوئے غزوہ مریح میں چونکہ رسولؐ نے ان کو مدینہ میں اپنی جانشینی کا  
شرف بخشا اس لیے اس مہم میں حصہ نہ لے سکے (طبقات ابن سعد حصہ مغازی)  
متفرق کارنامے مشہور معرکوں کے علاوہ اکثر چھوٹی چھوٹی مہمات خاص ان  
\*\*\*\*\* کی سپہ سالاری میں سر ہوئیں حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ  
جس فوج کشی میں زید شریک ہوتے تھے اس میں امارت کا عہدہ انھیں کو عطا ہوتا تھا  
(طبقات قسم اول جزو ثالث ص ۱۳) اس طرح نو دفعہ سپہ سالار بنا کر بھیجے گئے ان مہمات  
میں سے پہلی مہم سریہ قرہہ تھی جس میں انھوں نے غنیم کو نہایت کامیابی کے ساتھ  
شکست دی اور بہت سے اونٹ مال و اسباب اور دشمن کے ایک سردار فرات بن  
حیان غلی کو گرفتار کر کے لائے (طبقات حصہ مغازی باب سریہ قرہہ ص ۲۲)  
ربیع الثانی ۳ھ میں بنی سلیم کی سرکوبی پر مامور ہوئے جو مقام حجوم میں مسکن  
گزیں تھے اس مہم میں بھی حضرت زید کو غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی بہت سے

حضرت زید چونکہ آنحضرت کے متبی اور زید بن محمد کے نام سے مشہور تھے اس لیے منافقین نے اس واقعہ کو نہایت ناگوار پیرایہ میں شہرت دی اور کہنے لگے محمد ایک طرف تو یہو



لے حیات القلوب میں ہے کہ امام جعفر صادق نے روایت کی ہے کہ اول جناب جعفر طیار کو امیر بنایا اور یہی روایت زیادہ موثق ہے جناب جعفر طیار سے ہرگز ایسی گستاخی نہیں ہو سکتی کہ وہ عمل رسول پر اعتراض کریں (مؤلف)

<http://fb.com/ranajabirabbas>



ہوئی چونکہ غنیم کو اس فوج کشی کی اطلاع پہلے سے مل چکی تھی اس لیے ایک لاکھ کاٹھنی  
دل شکر امنڈ آیا تھا لیکن جناب زید نے اس کثرت کی پروا نہ کی اور علم سنبھال کر پیادہ  
یادشمن کی صف میں گھس گئے ان کی اتباع میں دو سر سردار ان فوج نے بھی ہلہ بول  
دیا ویر تک گھسان کی جنگ رہی اس حالت میں نیزہ کے ایک وار نے اسلامی سالار  
فوج حضرت خیر الانام کے محبوب غلام حضرت زید کو شہید کیا ان کے بعد یکے بعد دیگرے  
حضرت جعفر طیار اور حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور شہید کشت و خون کے  
بعد واصل ہوئے آنحضرت نے میدان جنگ سے اطلاع آنے کے قبل ہی لوگوں  
کو امراء فوج کی خبر شہادت سادی اور غور غم سے آبدیدہ ہو گئے (بخاری غزوہ موتہ)۔  
زید کی ایک صاحبزادی شفیق باپ کا سایہ اٹھ جانے سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی  
تو آپ بھی ضبط نہ فرما سکے اور اس قدر روئے کہ گلو گوفتہ ہو گئے حضرت سعد بن عبادہ  
نے عرض کی یا رسول اللہ یہ کیسا ہے فرمایا یہ جذبہ محبت ہے (معلوم ہوا کہ جذبہ محبت میں  
روانست رسول ہے بس نواسہ رسول پر وہی روئے گا جس کو رسول اور نواسہ رسول سے  
محبت ہوگی۔ مولف) (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۲)

**انتقام** حضرت سرور کائنات کو اپنے محبوب غلام کی مفارقت کا شدید غم تھا۔  
\*\*\*\*\* حجتہ الوداع سے واپس آنے کے بعد ان کے صاحبزادے اسامہ بن  
زید کو ایک جمیعت کے ساتھ انتقام پر مامور فرمایا چونکہ وہ نہایت کمسن تھے اس لیے  
بعضوں نے ان کی سیادت پر ناپسندیدگی ظاہر کی۔ آنحضرت نے فرمایا تم لوگ پہلے  
جس طرح اس کے باپ کی سرداری پر طعن و طنز کرتے تھے اسی طرح اب اس کی  
امارت کو ناپسند کرتے ہو خدا کی قسم زید سزاوار امارت و محبوب ترین شخص تھا اور  
اس کے بعد اسامہ مجھ کو سب سے زیادہ محبوب ہے یہ مہم ابھی روانہ بھی نہ ہوئی  
تھی کہ آفتاب رسالت غروب ہو گیا لیکن خلیفہ اول نے ہجوم مصائب و صعوبات کے  
باوجود کوچ کا حکم دے دیا اور اسامہ اپنے پدر شفیق کے قاتلوں سے انتقام لے

کر غیر معمولی کامیابی کے ساتھ مدینہ واپس آئے (مہاجرین ص ۲۱) عین الدین ندوی  
**اخلاق و عادات**۔ جناب زید کے صحیفہ اخلاق میں ذرا شکاری کا باب سب  
\*\*\*\*\* سے نمایاں ہے گذشتہ واقعات سے اس کا اندازہ ہوا ہو  
گا آقائے نامدار کی رضامندی ان کا پُر لطف مقصد حیات تھا جناب ام ایمن ایک  
معمر عورت تھیں تاہم انھوں نے محض اس لیے نکاح کر لیا کہ آنحضرت ان کو بہت  
زیادہ محبوب رکھتے تھے حضرت رسالت مآب اور ان کے متعلقین کا بے حد ادب احترام  
لمحوظ رکھتے تھے حضرت زینب بنت جحش کے پاس جن کو انھوں نے ناموافقت کے  
باعث طلاق دیدی تھی آنحضرت کی طرف سے پیام لے کر گئے تو محض اس خیال سے آپ  
نے ان سے نکاح کی خواہش ظاہر فرمائی ہے تعظیماً دیکھ نہ سکے اور جو کچھ کہنا تھا نہ پھر  
کہا کہ (مسلّم باب ازدواج زینب) گو جناب زید کے اخلاق کارناموں کی تفصیل نہیں ملتی  
تاہم درحقیقت ان کے وہ اوصاف حسنہ و محاسن جمیلہ ہی تھے جس نے ان کو اور ان  
کی اولاد کو حضرت رسول خدا کی نگاہ میں سب سے زیادہ محبوب بنا دیا تھا حضرت عائشہ  
فرماتی ہیں کہ اگر وہ آنحضرت کے بعد زندہ رہتے تو آپ انھیں کو اپنا جانشین بناتے۔  
(طبقات قسم اول جزو ثالث ص ۳) ہم نے طبقات کے الفاظ حدیث ناظرین کو دیے ہیں  
ان سے ہمارا شفیق ہونا ضروری نہیں ہے حضرت عبد اللہ ابن عمر نے ایک دفعہ ان  
کے پوتے محمد بن اسامہ کو مدینہ کی مسجد میں دیکھا تو تعظیم سے گردن جھکالی اور بولے  
اگر رسول دیکھتے تو اس کو بھی محبوب رکھتے (بخاری ذکر اسامہ بن زید)  
**حکیم اور عمر**۔ حضرت زید کا علیہ یہ تھا کہ کوتاہ ناک پست رنگ گہرا گندمی  
\*\*\*\*\* ۵۳ ۵۵ برس کی عمر میں شہادت پائی۔

**ازواج**۔ مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں بیویوں کے نام یہ ہیں ام ایمن  
\*\*\*\*\* ام کلثوم بنت عقبہ درہ بنت لہب ہند بنت العوام زینب بنت جحش۔  
ناموافقت کے باعث ان کو طلاق دیدی اور اس کے بعد وہ اہبات المومنین میں سے



شامل کی گئیں (اسد الغابہ تذکرہ ذید بن حارثہ)

اولاد۔ دو لڑکے اسامہ بن زید بن زید اور ایک لڑکی رقیہ پیدا ہوئی لیکن اسامہ  
 \*\*\*\* کے سوا موخر الذکر دونوں بچوں نے بچپن ہی میں داعی مفاہقت دیا (طبقات  
 ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۱) مہاجرین ص ۲۲۲ معین الدین ندوی

## حضرت بلال بن رباح

نام و نسب۔ بلال نام ابو عبد اللہ کنیت والد کا نام رباح اور والدہ کا نام حمامہ تھا  
 \*\*\*\* یہ حبشی نژاد غلام تھے لیکن مکہ ہی میں پیدا ہوئے بنی جمح ان کے  
 آقا تھے (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۶)

اسلام۔ حضرت بلال گو صورت ظاہری کے لحاظ سے سیاہ فام تھے تاہم اُمینہ  
 \*\*\*\* دل شفاف تھا اس کو خیال ایمان نے اس وقت منور کیا جب کہ  
 وادی بطنی کی اکثر گوری مخلوق غرورِ حن و زعم شرافت میں ضلالت و گمراہی کی ٹھوکریں  
 کھا رہی تھی جن معدود چند بزرگوں نے داعی حق کو بلیک کہا تھا ان میں صرف  
 سات آدمیوں کو اس کے اعلان کی توفیق ہوئی تھی جن میں ایک یہ غلام حبشی بھی  
 تھا (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶) سچ ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تانہ بخشد خداے بخشندہ

ابتلاء و استقامت۔ کمزور ہمیشہ ظلم و ستم کی آماجگاہ رہتا ہے حضرت بلال  
 \*\*\*\* کی جو ذاتی حالت تھی اس کے لحاظ سے وہ اور بھی  
 ناموس جفا کے شکار ہوئے گوناگوں مصائب اور طرح طرح کے مظالم سے ان کے  
 استقلال و استقامت کی آزمائش ہوئی تیتی ہوئی ریگ جلتے ہوئے سنگریزوں اور  
 دھکتے انگاروں پر لٹائے گئے مشرکین کے لڑکوں نے گلوئے مبارک میں ریاں ڈال  
 کر بازیکچہ اطفال بنایا لیکن تمام رُوح فرسا دجاں گسل آزمائشوں کے باوجود

توحید کا جبل متین ہاتھ سے نہ چھوڑا ابو جہل ان کو منہ کے بل سنگریزوں پر لٹا کر  
 اوپر سے پتھر کی چٹکی رکھ دیتا اور جب آفتاب کی تمازت بے قرار کر دیتی تو کہتا  
 بلال اب بھی محمد کے خدا سے باز آ لیکن اس وقت بھی وہ بن مبارک سے یہی احد  
 نکلتا (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۶) ستم پیشہ مشرکین میں امیہ بن خلف سب سے زیادہ  
 پیش پیش تھا اس کی جدت طرازیوں نے ظلم و جفا کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے  
 تھے وہ ان کو طرح طرح سے اذیتیں پہنچاتا۔ کبھی کھال میں لپیٹتا کبھی لوہے کی ذرہ  
 پہنا کر تپتی ہوئی دھوپ میں بھٹاتا اور کہتا تمہارا خدا آلات و عزی ہے لیکن اس دائرہ  
 توحید کی زبان سے احد احد کے سوا اور کوئی کلمہ نہ نکلتا مشرکین کہتے کہ تم ہمارے  
 ہی الفاظ کا اعادہ کرو تو فرماتے میری زبان ان کو اچھی طرح ادا نہیں کر سکتی (طبقات  
 ابن سعد قسم اول جزو ثالث)

آزادی۔ حضرت بلال ایک روز حسب معمول وادی بطنی میں مشق ستم بنائے جا رہے  
 \*\*\*\* تھے اسد الغابہ میں ہے کہ ابو بکر عم رسول عباس ابن عبد المطلب کے  
 پاس گئے اور ان سے کہا کہ بلال کو ہمارے لیے خرید دو چنانچہ عباس گئے اور بلال  
 کی مالک سے کہا کہ کیا تم اس غلام کو فروخت کر دو گی اس نے کہا اس غلام کو تم کیا کر دو گے  
 یہ نصیبت ہے ایسا ہے ویسا ہے غرض اس نے مال دیا پھر دوبارہ جناب عباس اس  
 سے ملے اور اسی قسم کی گفتگو کی غرض انھوں نے اس سے بلال کو خرید لیا اور ابو بکر کے  
 پاس بھیج دیا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۲ ص ۱۹)

ہجرت۔ وہ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو حضرت سعد بن خبیثہ کے مہمان  
 \*\*\*\* ہوئے حضرت ابو رویحہ عبد اللہ بن عبد الرحمن اخیشمی سے مواخات ہوئی  
 ان دونوں میں نہایت شدید محبت پیدا ہو گئی تھی عہد فاروق میں حضرت بلال نے  
 شامی مہم میں شرکت کا ارادہ کیا تو حضرت عمر نے پوچھا بلال تمہارا وظیفہ کون وصول کرے  
 گا عرض کی ابو رویحہ کیوں کہ رسول اللہ نے ہم دونوں میں برادرانہ تعلق پیدا کر دیا ہے



اس حالت میں بھی آنکھ لگ گئی اور ایسی غفلت طاری ہوئی کہ آفتاب طلوع ہونے تک بیدار نہ ہوئے آنحضرت نے خواب راحت سے بیدار ہو کر سب سے پہلے ان کو پکارا اور فرمایا بلال تمہاری ذمہ داری کیا ہوئی؟ عرض کی یا رسول اللہ آج کچھ ایسی غفلت طاری ہوئی کہ مجھے کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوا تھا ارشاد ہوا بیشک خدا جب چاہتا ہے تمہاری دوسووں پر قبضہ کر لیتا ہے اور جب چاہتا ہے تم میں واپس کر دیتا ہے اچھا اٹھو اذان دو اور لوگوں کو نماز کے لیے جمع کرو (بخاری اذان بعد ذہاب وقت) ہمارے نزدیک یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے اس لیے کہ تمام صحابہ تو نماز سے غافل ہو ہی گئے رسول پر بھی ایسی نیند غالب ہوئی کہ معاذ اللہ آپ نے بھی نماز قضا کر دی جب کہ پیغمبر کی شب بیداری اور رات رات بھر عبادت میں بسر کرنے پر قرآن شہادت دے رہا ہو اور ارشاد ہو رہا ہو یَا أَيُّهَا الْمُرْتَلِّ قُمْ لِّلنَّيْلِ الْآقِلِيلًا نَضْفُهُ أَوْ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا پیغمبر اسلام راتوں کو عبادت الہی میں اتنا کھڑے ہوتے تھے کہ آپ کے پیروں پر دم آجاتا تھا چنانچہ خداوند عالم اپنے حبیب سے پیار بھرے لہجہ میں فرماتا ہے اے میرے چادر پیٹنے والے رسول رات کو نماز کے واسطے کھڑے ہو مگر پوری رات نہیں تھوڑی رات ادھی رات یا اس سے بھی کچھ کم کر دو یا اس سے کچھ بڑھا دو کلام الہی کے مقابلہ میں ہمارے نزدیک کلام بخاری کوئی حیثیت نہیں رکھتا اس سے نہ رسول کی کوئی فضیلت نکلتی ہے اور نہ اصحاب رسول کی (مولفہ)

حضرت بلال جتنی غلام تھے اور آپ سے "ش" نہیں نکلتا تھا بلکہ "س" کہتے تھے لوگوں کو اعتراض ہوا تو آنحضرت نے فرمایا "س" بلال عند اللہ الشین۔ بلال کا "س" اللہ کے نزدیک "شین" ہی ہے ایک دن کچھ لوگوں نے مشورہ کر لیا کہ عربوں کے ہوتے ہوئے یہ حبشی اذان کیوں دیتا ہے یہ بدل جائے صبح کا وقت تھا عربوں نے حسان بن ثابت صحابی رسول کے چھوٹے بھائی کو جو بہت خوش لہجہ تھے انھیں کھڑا کر دیا گلہ سے اذان پر اب جو انھوں نے اذان کہی لوگ جھوم گئے اذان

وہ کبھی منقطع نہیں ہو سکتا (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۱۶۷)

**موذنی:** مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس اور مجبور نہ تھا یہاں پہونچنے کے ساتھ شعار اسلام و دین مبین کی اصولی تدوین و تکمیل کا سلسلہ شروع ہوا مسجد تعمیر ہوئی خدائے لایزال کی عبادت و پرستش کے لیے نماز پنجگانہ قائم ہوئی اور اعلان عام کے لیے اذان کا طریقہ وضع کیا گیا حضرت بلال سب سے پہلے وہ بزرگ ہیں جو اذان دینے پر مامور ہوئے حضرت بلال کی اذان نہایت بلند و لکھن تھی ان کی ایک صد اوجھ کے متوالوں کو سچین کر دیتی تھی مرد اپنا کاروبار عورتیں شہستان حرم اور بچے کھیل کود چھوڑ کر والہانہ وارفتگی کے ساتھ ارد گرد جمع ہو جاتے جب خدائے واحد کے پرستاروں کا مجمع کافی ہو جاتا تو نہایت ادب کے ساتھ آستانہ نبوت پر کھڑے ہو کر کہتے حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح الصلوٰۃ یا رسول اللہ یعنی یا رسول اللہ نماز تیار ہے عرض آپ تشریف لاتے اور حضرت بلال کی صدائے سامعہ نواز یکبیر اقامت کے نعروں سے بندگان توحید کو بارگاہ ذوالجلال والا کرام میں سر بسجود ہونے کے لیے صف بصف کھڑا کر دیتی حضرت بلال کسی روز مدینہ میں موجود نہ ہوتے تو ابن ام مکتوم ان کی قائم مقامی کرتے تھے یہ نابینا تھے اس لیے رات کی اذان یہ دیتے تھے اور صبح کی اذان حضرت بلال۔ حضرت بلال حضور سفر ہر موقع پر رسول اللہ کے مودن خاص تھے ایک دفعہ سفر درپیش تھا ایک جگہ رات ہو گئی بعض صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ اگر اس جگہ پڑاؤ کا حکم ہوتا تو بہتر تھا ارشاد ہوا کہ مجھے خوف ہے کہ نیند تم کو نماز سے غافل کر دے گی حضرت بلال کو اپنی شب بیداری پر اعتماد تھا انھوں نے بڑھ کر ذمہ لیا کہ وہ سب کو بیدار کر دیں گے غرض پڑاؤ کا حکم ہوا اور سب لوگ مشغول راحت ہوئے حضرت بلال نے مزید احتیاط کے خیال سے شب بیداری کا ارادہ کر لیا اور رات بھر اپنے کجاوے پر ٹیک لگائے بیٹھے رہے لیکن اتفاق وقت



شام میں رہنے کے بعد ایک روز رسول اللہ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرما رہے ہیں بلال یہ خشک زندگی کب تک؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کرو؟ اس خواب نے گزشتہ زندگی کے پر لطف افسانے یاد دلادیے عشق و محبت کے مڑجھائے ہوئے زخم پھر ہرے ہو گئے اسی وقت مدینے کی راہ لی جب حضرت بلال مدینے پہنچے روضہ اقدس پر حاضر ہو کر مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگے آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا اور مضطربانہ جوش و محبت کے ساتھ جگر گوشان رسول یعنی امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو چٹا چٹا کر پیار کر رہے تھے دونوں شاہزادوں نے مادر گرامی جناب سیدہ کو بلال کے آنے کی خبر پہونچائی جناب معصومہؑ نے فرمایا شہزادو بلال کو دروازے پر بلا کر لے آؤ حضرت بلال روتے ہوئے درہتول پر آئے سیدہ نے بلال کو سلام کیا تو بلال کی چنجیں نکل گئیں... دامتھا آج یہ وقت آگیا کہ رسول خدا کی بیٹی ہم غلاموں کو سلام کہہ رہی ہے جناب سیدہ نے فرمایا بلال تم نے بھی ہمیں چھوڑ دیا بلال نے روتے ہوئے عرض کی شہزادی جس دروازہ پر کھڑے ہو کر رسول اللہ سلام کہا کرتے تھے میں اس دروازے کی بے سرحمتی نہ دیکھ سکا بنی بی میرا جگر سیٹھ گیا اس لیے حالات سے مجبور ہو کر مدینہ سے مایوس ہو کر نکل گیا فرمایا بلال صبر کرو اس کے بعد کہا بلال ایک مرتبہ اذان سنا دو ہم تو اب تمہاری اذان سے ترس گئے ہیں جناب بلال قسم کہا چکے تھے مگر جانتے تھے کہ سیدہ کا حکم رسول کا حکم ہے مراتب سے واقف تھے انکار نہ کر سکے مگر اتنا کہا میری شہزادی آپ اذان سن نہ سکیں گی جناب سیدہ نے فرمایا بلال جاؤ اور گلدستہ اذان پر کھڑے ہو کر اذان دو بلال نے جو نہی اذان شروع کی تو تمام مدینہ گونج اٹھا جناب سیدہ کو باپ کا زمانہ یاد آگیا اور آپ نے رونا شروع کر دیا اور جب بلال نے کہا اَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ تو شہزادے دوڑے ہوئے آئے اور رو کر فرمایا بلال اذان ختم کر دو ہماری مادر گرامی غش کھا کر گر پڑی ہیں تمام

ہو گئی اور مسلمان انتظار میں ہیں کہ رسول تشریف لائیں تو نماز پڑھیں جب دیر ہو گئی تو در دولت پر حاضر ہوئے اور عرض کی یا رسول اللہ تشریف لائیے رسول پوچھتے ہیں اذان نہیں ہوئی مسلمانوں نے عرض کی یا رسول اللہ آج تو وہ اذان ہوئی کہ لطف آگیا رسول نے فرمایا ہم نے نہیں سنی کس نے اذان کہی تھی؟ مسلمانوں نے کہا فلاں شخص نے رسول فرماتے ہیں کیوں میرے بلال کو کیا ہوا تھا مسلمانوں نے کہا حضور ہم نے چاہا تھا کہ آج عربوں کی زبان سے اذان ہو، حضور نے فرمایا نہیں کالے کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلے گا میرے بلال سے اذان کہلو اور چنانچہ بلال نے اذان کہی حضور برآمد ہوئے اور اس واقعہ سے دنیا کو سبق دے دیا کہ میں کسی جگہ اگر کسی جہشی کو بھی مقرر کر دوں تو نہیں حق نہیں کہ اسے جگہ کسی اور کو دیا لے آؤ (خطیب ابن محسّد)

**غزوات:** حضرت بلال تمام مشہور غزوات میں شریک تھے غزوہ بدر میں انھوں نے امیہ بن خلف کو تہ تیغ کیا جو اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اور خود ان کی ایدارسانی میں بھی اس کا سب سے بڑا ہاتھ تھا فتح مکہ میں بھی آنحضرت کے ہمرکاب تھے آپ خانہ کعبہ میں داخل ہوئے تو اس موذن خاص کو بیعت کا فخر حاصل تھا انھیں حکم ہوا کہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر توحید کی پر عظمت صدا اے تکبیر بلند کریں خدا کی قدرت وہ حریم قدس جس کو ابوالانبیاء حضرت ابراہیمؑ نے خدائے واحد کی پرستش کے لیے تعمیر کیا تھا مدتوں صنم خانہ بننے کے بعد پھر ایک جہشی نژاد کے نعمہ توحید سے گونجا (طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۶۷)

**شام میں وطن:** بعد وفات رسول انھوں نے مدینہ چھوڑ دیا تھا کہ میں اب اس شہر میں نہ رہوں گا جس میں رسول نہ ہوں شام چلے گئے تھے ملک شام کی سرسبز و شاداب زمین پسند آگئی تھی ایک عرصہ تک



۱۲۶  
کے ایک بھائی نے جو بزعم خود اپنے آپ کو عرب سمجھتے تھے ایک عربی خاندان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اس کے خاندان والوں نے جواب دیا کہ اگر بلال ہمارے پاس آکر تصدیق کریں گے تو ہم کو خوشی منظور ہے حضرت بلال نے کہا صاحبو! میں بلال ابن رباح ہوں اور یہ میرا بھائی ہے میں جانتا ہوں کہ اخلاق و مذہب کے لحاظ سے یہ بڑا آدمی ہے اگر تم چاہو تو اس سے بیاہ دو ورنہ انکار کرو انھوں نے کہا بلال تم جس کے بھائی ہو گے اس سے تعلق پیدا کرنا ہمارے لیے عار نہیں (مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۲۸۳)

مذہبی زندگی :- حضرت بلال رسول کے مودن خاص تھے اس بنا پر ان کو ہمیشہ خانہ  
\*\*\*\*\*  
خدا میں رہنا پڑتا تھا معاملات دنیاوی سے سروکار نہ ہونے کے باعث عبادت و شب زندہ داری ان کا خاص مشغلہ تھا ایک دفعہ رسول نے ان سے پوچھا کہ تم کو کس عمل خیر پر سب سے زیادہ ثواب کی امید ہے عرض کی میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا ہے البتہ ہر طہارت کے بعد نماز ادا کی ہے (بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۴)  
ایمان کو تمام اعمال خیر کی بنیاد سمجھتے تھے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ سب سے بہتر عمل کیا ہے جو بے حد ادا اس کے رسول پر ایمان لاؤ پھر جہاد پھر حج مبرور۔ (بخاری ج ۲ ص ۱۱۲۴)

حلیہ :- قد نہایت طویل جسم لاغر رنگ نہایت گندم گوں بلکہ مائل بہ سیاہی سر کے  
\*\*\*\*\*  
بال نہایت گھنے خمدار اور اکثر سفید تھے۔

ازواج :- حضرت بلال نے متعدد شادیاں کیں ان کی بعض بیویاں عرب کے  
\*\*\*\*\*  
صاحبزادی سے خود رسول اللہ نے نکاح کر دیا تھا بنی زہرہ اور حضرت ابودرداء کے خاندان میں بھی رشتہ مصاہرت قائم ہوا تھا لیکن کسی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی (طبقات ابن سعد قسم اول ج ثالث ص ۱۶۹) کامل بھائی میں مذکور ہے کہ بلال

۱۲۰  
عاشقان رسول کے رخسارے آنسوؤں سے تر ہو گئے بیان کیا جاتا ہے کہ مدینہ میں ایسا  
پُر اثر منظر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۵)

وفات :- سن ۲۷ھ میں اس مخلص بادشاہ مودن نے اپنے محبوب آقا کی دائمی رفاقت  
\*\*\*\*\*  
کے لیے دنیا سے فانی کو خیر باد کہا کم و بیش ساٹھ برس کی عمر پائی دمشق میں باب الصغیر کے قریب مدفون ہوئے (اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۰۹)

اخلاق و عادات :- محاسن اخلاق نے حضرت بلال کے پایہ فضل و کمال کو نہایت  
\*\*\*\*\*  
بلند کر دیا تھا حبیب خدا کی خدمت گزاری ان کا مخصوص مقصد حیات تھا ہر وقت بارگاہ نبوی میں حاضر رہتے آپ کہیں باہر تشریف لے جاتے تو خادم جاں نثار کی طرح ہمراہ ہوتے عیدین و سناذ استسقاء کے مواقع پر نیزہ لے کر آگے آگے چلتے وعظ و پند کی مجلسوں میں ساتھ جاتے افلاس و ناداری کے باوجود ان کو جو کچھ میسر آ جاتا اس کا ایک حصہ رسول خدا کی ضیافت کے لیے پس انداز کرتے ایک دفعہ برنی کھجوریں (جو نہایت خوش ذائقہ ہوتی ہیں) آنحضرت کی خدمت میں لائے آپ نے تعجب سے پوچھا بلال! یہ کہاں سے لائے؟ عرض کی میرے پاس جو کھجوریں تھیں وہ نہایت خراب قسم کی تھیں چونکہ مجھے حضور کی خدمت میں پیش کرنا تھا اس لیے میں نے دو صاع دے کر یہ ایک صاع اچھی کھجوریں حاصل کیں ارشاد ہوا۔  
اف اف ایسا نہ کیا کرو یہ تو عین ربا (سود) ہے اگر تمہیں خریدنا تھا تو پہلے اپنی کھجوروں کو فروخت کرتے پھر اس کی قیمت سے اس کو خرید لیتے۔

حضرت بلال مکہ کی زندگی میں جن عبرتناک مظالم و مصائب کے متحمل ہوئے اس سے ان کی غیر معمولی استقامت و استقلال کا اندازہ ہوا ہو گا تو اضع و خاکسادی ان کی فطرت میں داخل تھی لوگ ان کے سامنے ان کے فضائل و محاسن بیان کرتے تو فرماتے میں صرف ایک حبشی ہوں جو کل تک معمولی غلام تھا (طبقات ابن سعد قسم اول ج ثالث ص ۱۶۹) صداقت بے لوثی اور دیانتداری نے ان کو نہایت معتمد علیہ بنا دیا تھا۔ ان



۱۲۳  
 یسار کی وساطت سے امام ابو داؤد ترمذی نے ان سے روایت کی ہے یہ جلیبی تھے۔  
 (اصابہ ج ۳ ص ۲۲ علما ابن اسلام ص ۸۳)

## ابولبابہ

آپ رسول کے غلام تھے محمد بن حبیب نے اپنی کتاب میں اور بلاذری نے ان کا ذکر کیا ہے یہ بنی قریظہ سے تھے اور مکاتبت تھے رسول نے ان کو آزاد کرایا انہی نے آنحضرت سے روایت کی ہے کہ جو شخص استغفر اللہ الذی لا الہ الا هو الھی الیقوم والیوم الیہ کہے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں چاہے وہ جہاد سے فرار ہوا ہو یہ یسار بن زید بن منذر کے والد تھے مصنف اصابہ کہتے ہیں کہ حدیث مذکور کا راوی زید بن بولی ہے جو بنی ثعلبہ سے تھا (اصابہ ج ۱ ص ۱۶۵)

## صہیب رومی

نام و نسب :- صہیب نام اور ابو یحییٰ کنیت تھے والد کا نام سنان اور والدہ کا نام سنانی بنت قحید تھا ان کے والد اور ان کے چچا شاہ قادیان کی طرف سے مقام ابلہ میں جا کر تھے ان لوگوں کے مکانات لب و جملہ موصول کے پاس تھے اہل روم نے ان پر شیخوں مارا اور حضرت صہیب کو جو اس وقت صغیر السن تھے پکڑ کر لے گئے اور غلام بنایا پھر ان کو قبیلہ کلب کے لوگوں نے خرید لیا اور مکہ لے آئے عبد اللہ بن جعدان نے کلب سے خرید کر آزاد کر دیا (اسد الغابہ باب الصادد الہاء)

لیکن ایک دوسری روایت ہے کہ وہ خود بھاگ کر آئے تھے اور عبد اللہ بن جعدان سے مخالفت کر لی تھی اور ابن جعدان کی اخیر زندگی تک اس کے ساتھ رہے (طبقات ابن سعد ص ۱۶ ج ۳) کہ محظہ میں تیس آدمی اسلام لائے تھے کہ صہیب حضرت عمار کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام لائے آپ نے ان

۱۲۲  
 نے ابوبکر کے لیے اذان نہیں کہی اور نہ ان کی بیعت کی شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے کتاب اخبار الرجال میں جناب جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اور حضرت نے ابو البختری سے کراکھوں نے کہا کہ میں نے عبد اللہ بن حسن سے سنا کہ بلال نے ابوبکر کی بیعت نہیں کی عمر نے ان کے کپڑے جو گو سفند کے تھے پکڑ کر کہا تھا کہ ابوبکر کی یہی جزا تھی جو اس نے ہمیں آزاد کیا کہ تم اس سے بیعت نہیں کرتے ہو بلال نے کہا کہ ابوبکر نے اگر خدا کے لیے مجھے آزاد کیا ہے تو مجھے خدا ہی کے لیے چھوڑ دے اور اگر جنگ کے لیے مجھے آزاد کیا ہے تو میں ان کی خدمت میں کرنے کو موجود ہوں لیکن ایسے شخص سے بیعت نہیں کروں گا جس کو رسول خدا نے اپنا خلیفہ نہ بنایا ہو پس عمر نے ان سے سختی کی اور وہ عاجز آکر ملک شام چلے گئے۔

## ابوبکث

سليم نام ابوبکث کنیت تھی وطن و نسب کے اعتبار سے کوئی ان کو فادسی اور کوئی مکی بتاتے ہیں غلام تھے آنحضرت نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا تھا اسلام کا زمانہ متعین نہیں کیا جاسکتا آنحضرت کے شب غلامی سے قیاس ہوتا ہے کہ دعوت اسلام کے شروع زمانے میں ہی اسلام قبول کر لیا ہوگا ہجرت کی اجازت ہوئی تو مدینے پہنچے اور کلثوم بن حذم کے یہاں مقیم ہوئے بدر کے محرم میں شریک تھے اس کے بعد احوال دو سر غزوات میں بھی شریک ہوئے دفات ۲۲ جمادی الثانیہ ۳ھ یوم سر شنبہ جس دن حضرت عمر خلیفہ ہوئے (طبقات ابن سعد ج ۳ قسم اول ص ۳۳)

## زید بن بولی

آنحضرت کے آزاد کردہ غلام تھے ابویسار کنیت تھی ابن شاہین کہتے ہیں کہ آپ نے ان کو غزوہ بنی ثعلبہ میں پایا تھا اور آزاد کر دیا تھا ان کے پوتے بلال بن



میں اور حادث کے درمیان مواخات کرادی تھی کفار و مشرکین مکہ نے ان پر طرح طرح کے جانگسل مصائب توڑے بالآخر حضرت علیؑ کی معیت میں ہجرت مکہ مدینہ آئے مکہ سے روانہ ہو رہے تھے کہ کفار نے تعاقب کیا انھوں نے اپنا ترکش سنبھال لیا اور فرمانے لگے اے قریش کے لوگو! جانتے ہو میں تم سب سے اچھا تیر انداز ہوں خدا کی قسم تم مجھ تک نہیں پہنچ سکتے یہاں تک کہ جتنے تیر میرے پاس ہیں وہ سب میں تم پر ختم کر دوں گا اور اس کے بعد اپنی تلوار سے کام لوں گا جب تک وہ میرے ہاتھ میں رہے گی ہاں اگر تم میرا مال چاہتے ہو تو میں تمہیں بتا دوں۔ ان لوگوں نے کہا اچھا تم ہمیں اپنا مال ہی بتا دو چنانچہ حضرت صہیب نے اپنے مال کا پتہ بتا دیا آنحضرتؐ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا اے ابو بکر! تمہاری تجارت بہت اچھی رہی (غلامان اسلام)

طبیعت میں مزاح بے حد تھا خود فرماتے ہیں کہ میں مکہ سے روانہ ہو کر تھا میں آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس وقت آپؐ کے سامنے کھجوریں رکھی ہوئی تھیں اور آپؐ ان کا شغل کر رہے تھے میری ایک آنکھ آشوب کر آئی تھی راستے میں تشنگی اور بھوک کا غلبہ رہا اس لیے جاتے ہی میں نے کھجوریں کھانا شروع کر دیں آنحضرتؐ نے فرمایا کیا تم آشوب چشم میں حالت میں بھی کھجوریں کھاتے ہو؟ میں نے جواب دیا یا رسول اللہ! میں اس آنکھ کی طرف سے کھاتا ہوں جو اچھی ہے سرور کائنات یہ سن کر مسکرانے لگے یہاں تک کہ دند ان مبارک ظاہر ہو گئے مسترک حاکم ج ۳ ص ۳۹۹ و اسد الغابہ

غزوات: حضرت صہیب تیر اندازی میں کمال رکھتے تھے غزوہ بدر احد و خندق اور تمام دوسرے معرکوں میں آنحضرتؐ کے ہمراہ رہے عالم پیری میں وہ لوگوں کو جمع کر کے نہایت لطف کے ساتھ اپنے جنگی کارناموں کی داستان سنایا کرتے تھے۔

حضرت عمرؓ کو ان سے بہت محبت تھی انھوں نے وفات کے وقت وصیت فرمائی کہ صہیب ہی میرے جنازہ کی نماز پڑھائیں اور اہل شوریٰ جب تک سلسلہ خلافت کو طے نہ کریں خلیفہ کے فرائض انجام دیں چنانچہ انھوں نے تین روز تک بڑی خوش سلیقگی کے ساتھ امامت کا فرض انجام دیا (اسد الغابہ ص ۳۳ ج ۳)

صہیب کا بچپن رومیوں میں گزرا تھا اس لیے زبان میں عجمیت پیدا ہو گئی تھی حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اے صہیب تم میں صرف تین باتیں ہیں جن کو میں برا سمجھتا ہوں اگر وہ نہ ہوتیں تو میں کسی کو تم پر فضیلت نہ دیتا میں دیکھتا ہوں کہ تم اپنے کو عرب کی طرف منسوب کرتے ہو حالانکہ تمہاری زبان عجمی ہے اور تم اپنی کنیت ابو بکرؓ بتاتے ہو جو ایک نبی کا نام تھا اور اپنا مال فضول خرچ کرتے ہو صہیب نے فرمایا میں مال بیجا خرچ نہیں کرتا ہوں اور میری کنیت ابو بکرؓ خود رسولؐ نے رکھی ہے لہذا میں اس کو ترک نہ کروں گا اور میں اپنے کو عرب کی طرف جو منسوب کرتا ہوں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ میں درحقیقت عربی ہی ہوں مگر کمسنی میں اہل روم مجھے پکارتے تھے اس لیے میں نے ان کی زبان حاصل کر لی (اسد الغابہ ص ۳۳ ج ۳)

حلیہ: صہیب کا قد درمیانہ تھا نہ بہت کوتاہ نہ بہت دراز رنگ بہت سُرخ تھا \*\*\*\* سر کے بال گھنے تھے بڑھاپے میں ہندی کا خضاب کرتے تھے۔

وفات: ۳۸ھ میں ماہ شوال مدینہ میں وفات پائی اس وقت آپؐ کی عمر ستر برس \*\*\*\* کی تھی بقیع میں دفن ہوئے۔

فضائل: آپؐ نے متعدد حدیثیں بھی روایت کی ہیں آنحضرتؐ فرماتے تھے صہیب \*\*\*\* روم کا پھل ہے اور آپؐ کی دلجوئی کا اتنا خیال رکھتے تھے کہ ایک بار ابو سفیانؓ مسلمان ہونے سے پہلے حضرت سلمانؓ حضرت بلالؓ اور حضرت صہیبؓ کے پاس سے گزرے تو ان تینوں نے کہا اللہ کی تلوار نے اب تک اس دشمن خدا کی



ایسے غلاموں کے اسناد گرامی بھی نظر آتے ہیں جن کی ذات گرامی اسلام کے لیے سرمایہ افتخار اور جن کے اعمال مسلمانوں کے لیے باعث تقلید تھے یہی وہ بزرگ تھے جنہوں نے سطوت اسلام کا پرچم لہرایا اور اس کی عظمت و بزرگی کا اعتراف اہل عالم سے کرایا (غلامان اسلام ص ۲۵)

## شقران صالح

نام و نسب: شقران لقب اور صالح نام اور والد کا نام عدی تھا جبشی تزا د  
\*\*\*\*\* تھے عبد الرحمن بن عوف کے غلام تھے بعد میں انہوں نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور ہدیہ پیش کر دیا آپ نے ان کو خلعت آزادی سے مشرف فرمایا بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سرور کائناتؐ نے قیمتاً خرید لیا تھا لیکن یہ قول بہت ضعیف ہے خود ارباب سیر نے "قیل" کے ساتھ لکھا ہے (اسد الغابہ ج ۳ ص ۹)

خدمات: آنحضرتؐ نے ان کو غزوہ مریض میں اموال غنیمت کے جمع کرنے  
\*\*\*\*\* اور بدر میں قیدیوں کی دیکھ بھال پر متعین کیا تھا انہوں نے قیدیوں کی نگرانی اس نرمی و ملاحظت سے کی کہ ان سب نے ان کو اس قدر معاف دیا کہ مال غنیمت میں سے جن کو حصہ ملا تھا حضرت شقران ان سب سے اچھے رہے (طبقات ابن سعد قسم اول ج ۳ ص ۳۲) آنحضرتؐ جناب شقران کی حسن خدمت سے بہت خوش تھے یہاں تک کہ آپ نے وفات کے وقت خاص طور سے ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی وصیت فرمائی حضرت شقران بھی اپنے آقا کے ایسے جان نثار غلام ثابت ہوئے کہ جس دامن کرم سے ایک مرتبہ وابستہ ہو گئے تھے آخر تک اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا ان کی وفا کو شہی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ سید کونین کے جسم مطہر کی امانت زمین کے سپرد کی گئی تو اس سے

۱۲۶ گردن نہیں اڑائی حضرت ابو بکرؓ نے یہ سنا تو کہا تم لوگ قریش کے بزرگ کی نسبت ایسا کہتے ہو پھر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس واقعہ کی اطلاع دی آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم نے شاید ان کو خفا کر دیا اگر واقعی ناراض کر دیا ہے تو گویا تم نے اپنے خدا کو ناراض کر دیا یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ ان تینوں بزرگوں کے پاس آئے اور فرمایا اے میرے پیارے بھائیو! کیا میں نے تم کو ناراض کر دیا انہوں نے کہا نہیں ہم غضبناک نہیں ہوئے اے بھائی خدا تمہاری مغفرت کرے۔  
(ترجمہ اسد الغابہ ج ۲ حالات سلمان)

اس روایت سے ایک طرف تو اصحاب پیغمبرؐ سلمان اور صہیب رومی اور بلال کے جوش ایمانی اور شوق جہاد بانی کا پتہ چلتا ہے اور دوسری طرف حضرت ابو بکرؓ کے ایمان کی حقیقت سامنے آتی ہے کہ جو اس وقت تک ابوسفیان کو سید لبطلما اور رسول خدا کو بزرگ نہیں جانتے تھے حضرت ابو بکرؓ کی منزلت وقعت اور وقار بھی سکالر رسالت کی نظر میں اس روایت سے ظاہر ہے آپ نے صاف صاف فرمادیا کہ یہ وہ جماعت ہے (سلمان و صہیب و بلال) جس کی ناراضگی سے خداوند عالم حضرت ابو بکرؓ سے ناراض ہوا اور کوئی پاس و حرمت سابق الالہی و معیت غار ہجرت و بدریت و احدیت و رضوانیت وغیرہ وغیرہ نہیں کیا اور آپ کی صدیقیت صحابہ کی اس جماعت کے مقابلہ میں بالکل ملحوظ نہیں ہوئی۔  
حضرت صہیب کی نسبت ایک مرتبہ آنحضرتؐ نے فرمایا صہیب اچھے بندے ہیں اگر وہ اللہ کا خوف نہ کرتے تب بھی اس کی معیت نہ کرتے۔

اسلام کی ایک یہ بھی عجیب شان ہے کہ وادی فاران کے داعی حق کی نوحہ توحید پر کفر و شرک کی شدید مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود جن بزرگوں نے سب سے پہلے اس دعوت کو قبول کیا ان میں حضرت ابو بکرؓ جیسے بزرگ قریش کے ساتھ حضرت بلالؓ حضرت صہیبؓ حضرت عمارؓ اور حضرت جناب بنی الامیہ



تھا کہ سلمان مٹا اہلیت۔ مگر یہاں بھی اہلیت اور ہیں اور اہلیت سے ہونا اور ہے جب تک آنحضرت دنیا میں تشریف فرما ہے حضرت ثوبان جلوت و خلوت میں آپ کے ساتھ رہے وفات کے بعد کچھ دنوں مدینہ میں ہی قیام رہا پھر مدینہ شام میں اقامت پذیر ہو گئے اور وہیں ۳۵ھ میں وفات پائی۔

جناب ثوبان کو آنحضرت سے جو شرف غلامی حاصل تھا وہ اس کا اس قدر احترام کرتے تھے کہ ایک مرتبہ حمص میں بیمار ہو گئے اور وہاں کا گورنر آپ کی عیادت کے لیے نہ آیا تو آپ نے اس کو لکھا اگر موسیٰ اور عیسیٰ کا غلام تھا ہاں یہاں ہوتا تو کیا تم اس کی عیادت کے لیے نہ آتے گورنر جناب ثوبان کے ان الفاظ سے اس قدر متاثر ہوا کہ فوراً بدھو اسی کے عالم میں گھر سے نکلا اور آپ کے گھر آکر دیر تک مزاج پر سی کرتا رہا (مسند امام احمد ابن حنبل ج ۵ ص ۲۸۵)

جناب ثوبان آنحضرت کے ساتھ رہتے تھے اس لیے آپ کو احادیث کثرت سے یاد تھیں اور پھر حفظ حدیث کے ساتھ وہ اس کی اشاعت و تبلیغ کا فرض بھی انجام دیتے تھے اس فضل و کمال کی وجہ سے لوگ آپ سے احادیث سننے کے مشتاق رہتے تھے ایک بار لوگوں نے اس کی خواہش ظاہر کی تو آپ نے فرمایا جو مسلمان خدا کے لیے ایک سجدہ کرتا ہے خدا اس کا ایک درجہ بلند کرتا ہے اور اس کی خطاؤں سے درگزر کرتا ہے (مسند احمد بن حنبل ج ۵ ص ۲۸۵) بڑے بڑے علماء ان سے اپنی مجموعہ احادیث کی تصدیق کراتے تھے معدان ابن طلحہ جلیل القدر محدث تھے انھوں نے حضرت ابو درداء سے ایک حدیث سنی تو اس کی تصدیق جناب ثوبان سے کی (ابوداؤد ج ۲ ص ۲۳)

معدان کے علاوہ ابو ادیس النخولانی، ابو عامر الہبانی، عبد الرحمن بن غنم، جلیسر بن نفیر اور دوسرے ائمہ حدیث نے ان سے روایت کی ہے (تہذیب التہذیب

۱۲۸ موع پر جناب شقران بھی اہلیت اہلار کے ساتھ موجود تھے جو چادر اس وقت رحمت للعالمین کے ذیب بدن تھی حضرت شقران اس کو ہاتھوں سے تھامے ہوئے تھے یہاں تک کہ ملاز قدس کی یہ امانت با عظمت سپرد زمین ہو کر چشم ظاہر سے قیامت تک کے لیے مستور ہو گئی حضرت شقران سے بعض احادیث بھی مروی ہیں عبید اللہ بن ابی رافع نے ان سے روایت کی ہے کہ آنحضرت کی وفات کے بعد جناب شقران کہاں رہے اس میں اختلاف ہے بغوی فرماتے ہیں کہ مدینہ میں قیام رہا اور بعضوں کا خیال ہے کہ بصرہ چلے گئے ٹھیک معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ان کی جائے وفات و وقت وفات بھی معلوم نہیں (اصابہ ج ۳ ص ۲۹ غلامان اسلام ص ۴۲)

## ثوبان

والد کا نام محمد ریا سجدہ تھا کنیت ابو عبد اللہ اور نام ثوبان یمن کے باشندے تھے پہلے غلام تھے آنحضرت نے خرید کر آزاد کر دیا اور فرمایا اگر تم اپنے خاندان میں جانا چاہتے ہو تو وہاں چلے جاؤ اور اگر یہاں قیام کرنا پسند کرو تو تم میرے اہلیت کی خدمت میں رہو انھوں نے بارگاہ نبوی میں رہنا ہی پسند فرمایا۔ اور سفر و حضر میں آنحضرت کے ساتھ رہے (تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۱) ایک مرتبہ آپ نے اہلیت کے لیے دعا کی ثوبان بولے انا من اہلیت میں بھی اہلیت میں سے ہوں تو آپ نے فرمایا ہاں جب تک تم کسی درد اذہ کی چوکھٹ پر نہ کھڑے ہو یا کسی امیر کے پاس سوال کرنے نہ جاؤ (اصابہ ج ۳ ص ۳۱) ممکن ہے یہاں اہلیت سے مراد کفالت ہو اس لیے کہ جب ام سلمہ جیسی بیوی کو رسولؐ نے جواب دے دیا تھا کہ تم خیر پر ہو اہلیت میں صرف علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ و حسینؑ ہی ہیں یا پھر پیغمبر نے جناب سلمان کے بارے میں فرمایا



نے بھی یہی لکھا ہے کنیت ابورافع مکی ابن عقدہ نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ نام ابراہیم تھا وہ مکہ میں مسلمان ہوئے۔  
ابنہ امیں حضرت عباسؓ کے غلام تھے انھوں نے آنحضرتؐ کو بطور ہدیہ غلامی دے دیا آنحضرتؐ نے حضرت عباسؓ کے اسلام قبول کرنے کی خوشی میں آواز دیا (ابن سعد قسم اول ج ۲ ص ۱۵۱)

اسلام۔ جناب ابورافع اپنے اسلام کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ قریش نے مجھ کو کسی کام سے آنحضرتؐ کی خدمت میں بھیجا آپ کو دیکھتے ہی میرا دل اسلام کی طرف مائل ہو گیا اور میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں قریش کے واپس نہ جاؤں گا سرکار کو نین نے فرمایا میں عہد شکنی نہیں کرتا اور قاصد کو نہیں روکتا اب تو تم واپس چلے جاؤ اگر پھر بھی تم اسلام کے طرف میلان کا جذبہ اپنے اندر پاؤ تو واپس آ جانا چنانچہ ارشاد نبویؐ کے مطابقت یہ واپس چلے گئے اور پھر بارگاہ نبوت پناہ میں حاضر ہو کر دولت اسلام سے بہرہ ور ہوئے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۵)

اخفا کے اسلام۔ بدتمک قریش کے خوف سے اسلام کا اعلان نہیں کیا۔  
\*\*\*\*\* ایک دن زمزم پر بیٹھے تیر دست کر رہے تھے حضرت عباسؓ کی بیوی بھی پاس ہی بیٹھی ہوئی تھیں اتنے میں ابوہلب آیا اور خمیہ کے طناب کے پاس بیٹھ گیا پھر ابوسفیان آیا ابوسفیان نے ابوہلب سے بدر کے حالات پوچھنے شروع کئے بولا کیا بتاؤں مسلمانوں نے ہماری تمام قوت تباہ کر کے دکھ دی کتنے ہی ہیں جن کو ہتھ تیغ کیا کچھ گرفتار ہوئے اسی سلسلے میں یہ ایک عجیب و غریب واقعہ بیان کیا جاتا ہے کہ میدان جنگ میں زمین سے آسمان تک سفید پوش سوار بھرے پڑے ہوئے تھے ابورافع بولے وہ فرشتے تھے یہ سن کر ابوہلب نے ان کے منہ پر زور سے طاسخ مارا یہ سنبھل کر کھٹم لکھا ہو

## ابوعسیب

ان کا نام احمد تھا نبی کریمؐ کے غلام تھے ان سے عمران جوئی اور عازم بن قاسم نے روایت کی ہے ان کے نام میں لوگوں کا اختلاف ہے یہ یزید بن ہارون نے ابونصیر مسلم بن عبیدہ سے انھوں نے ابوعسیب مولیٰ رسولؐ سے انھوں نے رسولؐ خدا سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا جبرائیلؑ میرے پاس بنجا اور طاعون لے کر آئے تو میں نے بنجا کو مدینہ میں روک لیا اور طاعون کو شام بھیج دیا اور وہ میری امت کے لیے رحمت ہے اور کافروں کے لیے عذاب ہے ان کا تذکرہ تینوں نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۳۷)

## احمر

غلام رسولؐ نہیں ہیں حضرت ام سلمہؓ کے غلام ہیں جنادہ بن مفلح نے شریک سے انھوں نے عمران نخلی سے انھوں نے احمد مولیٰ ام سلمہؓ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے ہیں میں ایک جہاد میں نبیؐ کے ہمراہ تھا اس سفر میں ہم لوگوں کا گزر ایک نہر پر ہوا تو میں لوگوں کو اپنی پشت پر سوار کر کے پار اتارنے لگا نبیؐ نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے تو آج کشتی کا کام دیا یہ حدیث جنادہ کی روایت سے مشہور ہے اور دوسرے لوگوں نے شریک سے روایت کر کے اسکی مخالفت کی ہے ان کا تذکرہ ابن مندہ اور ابونعیم نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۴۱)

## ابورافع

نام و نسب۔ نام میں بہت اختلاف ہے زیادہ مشہور اسلم ہے اما بنجاری \*\*\*\*\*



۱۳۲  
گئے مگر کمزور تھے غالب نہ آسکے ابو لہب نے زمین پر پٹنگ دیا اور جتنا مار سکتا تھا مارا حضرت عباس کی بیوی جو پاس ہی موجود تھیں اس ظلم کو برداشت نہ کر سکیں ایک ستون کو اٹھا کر اس زور سے رسید کیا کہ ابو لہب کا سر کھل گیا اور بولیں اس کا آقا موجود نہیں ہے کمزور سمجھ کر مارتا ہے (ابن سعد قسم اول جزو ۴ ص ۵۱)  
ہجرت بعد کے بعد ہجرت کر کے مدینہ گئے اور سرورِ عالم کے ساتھ قیام پذیر ہو گئے احد اور خندق وغیرہ غزوات میں شریک رہے آنحضرت نے سر پر حضرت علیؑ کی زیر سرکردگی جو یمن کی طرف بھیجا تھا اس میں حضرت ابو رافع بھی تھے وہ خود فرماتے ہیں جب حضرت علیؑ چلے گئے تو رسولؐ نے ان سے فرمایا اے ابو رافع تم علیؑ سے جا کو مل جاؤ اور ان کو پیچھے سے آواز نہ دینا ان کو چاہیے کہ کھڑے ہو جائیں اور ادھر ادھر نہ دیکھیں یہاں تک کہ میں آ جاؤں چنانچہ آنحضرت تشریف لائے اور حضرت علیؑ کو چند باتوں کی نصیحت فرمائی اور فرمایا اے علیؑ تمہارے درویش کسی ایک شخص کو ہدایت دے یہ تمہارے لیے بہتر ہے ان تمام چیزوں سے جن پر آفتاب طلوع کرتا ہے (مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹)

۱۳۳  
بہ نسبت دوسروں کے زیادہ افضیت تھی اسی بنا پر اجلہ صحابہ ان سے استفادہ کرتے تھے حضرت ابو رافع کے پوتے عبید اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس میرے دادا کے پاس ایک کاتب کو لے کر آئے اور آنحضرت کے متعلق سوال کرتے کہ فلاں دن آپ نے کیا کیا کام کیے تھے وہ بتاتے جاتے اور کاتب تحریر کرتا جاتا تھا (اصابہ ج ۴ تذکرہ حضرت ابن عباس) جناب ابو رافع کے شرف و مجد کے لیے یہی کیا کام ہے کہ جب آنحضرت نے آزاد کر کے ان کو اپنے خاندان میں شامل کر لیا تو فرمایا مولی القوم من انفسہم اس کے بعد شرافت و نجابت اور فضیلت و بزرگی کا کون سا مرتبہ باقی رہتا ہے تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۹۳)

حضرت ابو رافع کو اس نسبت پر بڑا فخر ناز تھا اور وہ اس کو کسی قیمت پر دینے کے لیے تیار نہ تھے ان کے متعلق صاحب تہذیب التہذیب نے روایت بھی ہے کہ عمر بن سعد بن عاص نے مدینہ کی گورزی کے زمانہ میں ان سے پوچھا تم کس کے مولیٰ ہو انھوں نے فرمایا رسول اللہ کا عمرو بن سعید نے کہا نہیں تم ہمارے غلام ہو انھوں نے انکار کیا یہاں تک کہ عمرو نے ان کو پانچ سو درے لگائے اور بالآخر انھوں نے اقرار کیا ہمارے خیال میں اول تو یہ روایت درست ہی نہیں جیسا کہ خود صاحب تہذیب التہذیب نے اس کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے "میرے نزدیک یہ درست نہیں ہے بلکہ یہ کوئی اور ابو رافع ہیں اور اگر ان سے ہی متعلق ہو تو صحیح یہ ہے کہ آخر دم تک یہ اپنے کو آنحضرت کا غلام کہتے رہے اور عمرو کی غلامی کو تسلیم نہیں کیا جیسا کہ بعض اور روایتوں سے ثابت ہوتا ہے۔

آپ تمام جنگوں میں امیر المومنین کے ساتھ رہے اور بہترین شیعوں میں سے تھے آپ کی طرف سے بیت المال کے خزانہ دار تھے اور ان کے دو بیٹے عبداللہ اور علی حضرت امیر المومنین کے ارکان میں سے تھے (غلامان اسلام ص ۷)  
عبداللہ ابن عباس عبداللہ ابن ابو رافع سے روایت ہے کہ وہ اپنے باپ رافع

فضل و کمال بہ حضرت ابو رافع فضل و کمال میں نمایاں مقام رکھتے تھے ان سے اُسٹھ روایتیں مروی ہیں جن میں سے ایک میں بخاری اور تین میں امام مسلم منفرد ہیں جن حضرات نے ان سے روایتیں نقل کی ہیں اور علمی استفادہ کیا ان کے نام یہ ہیں صاحبزادوں میں حسن رافع عبید اللہ معمر پوتوں میں حسن صالح عام اصحاب میں عطار بن یسار ابو غطفان بن طریف ابو سعید مرقی اور سلیمان بن یسار۔

حضرت ابو رافع ایک خادم کی حیثیت سے آنحضرت کے ساتھ سفر و حضر میں رہتے تھے اس لیے سرور کائنات کی معمولی معمولی جزئیات سے متعلق ان کی



اعانت فرما۔ اس کے بعد حضرت گھر سے باہر ان لوگوں کے پاس تشریف لائے جو باہر جمع ہوئے تھے اور فرمایا۔ اے لوگو! جو شخص میرے نفس اور میرے اہل کے امین کو دیکھنا چاہتا ہو تو یہ ابورافع میرا امین ہے میرے نفس پر۔

اور اسی طرح سے روایت کی ہے طاعون بن عبد اللہ بن ابی رافع سے ابورافع نے کہا کہ جب لوگوں نے حضرت امیر سے بیعت کی اور معاویہ نے اظہارِ مخالفت کی اور طلحہ اور ذبیر بصرہ کی طرف گئے ابورافع نے اپنے دل میں کہا کہ یہی وہ راز ہے جو جناب رسالتؐ فرماتے تھے کہ عنقریب علیؑ سے ایسی قوم قتال کرے گی جس سے راہِ خدا میں جہاد کرنا سخت ہوگا لہذا ابورافع نے اپنا مکان اور اپنی کھیتی جو خیر میں تھی فروخت کر ڈالی اور مقصدِ شہادت حاصل کرنے کے لیے مع اپنے فرزندوں کے حضرت امیر المومنینؑ کے ہمراہ مدینہ سے باہر آئے اور اس وقت ان کی عمر پچاسی برس تھی اتنا راہ میں کہتے جاتے تھے کہ الحمد للہ میں نے دُشمنیں کیں یعنی بیعت عقبہ اور بیعت رضوان اور دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی اور تین ہجرتیں کیں راوی کہتا ہے کہ جب میں نے ان سے پوچھا کہ وہ تین ہجرتیں کون سی ہیں تو جواب دیا کہ ایک ہجرت جعفر ابن ابی طالب کے ساتھ حبشہ کی طرف اور دوسری جناب رسالتؐ کے ساتھ مکہ سے مدینہ کی طرف اور تیسری حضرت علیؑ ابن ابی طالب کے ساتھ کوفہ کی طرف اس کے بعد حضرت علیؑ کے ساتھ آپ ہمیشہ رہے یہاں تک کہ وہ حضرت شہید ہو گئے پھر ابورافع امام حسنؑ کے ساتھ مدینہ واپس آئے جوں کہ مکان و ذراعت نہ رکھتے تھے حضرت امام حسنؑ نے حضرت امیر المومنینؑ کا مکان اپنے اور ابورافع کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا اور ذراعت بھی ان کو عطا فرمائی ورام نے اپنے تجوید میں لکھا ہے کہ علی ابن ابی رافع کہتے ہیں کہ میں عامل بیت المال تھا اور حضرت امیر المومنینؑ کا کاتب بھی تھا بیت المال میں ایک لڑی موتیوں کی تھی جو بصرہ سے حاصل ہوئی تھی حضرت امیر المومنینؑ کی

۱۳۴۲ سے روایت کرتے ہیں کہ میں ایک روز خدمت جناب رسولؐ خدا میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ جناب رسالتؐ سو رہے ہیں یا آپ پر وہی نازل ہو رہی ہے اور گھر کے کنارے پر ایک سانپ ہے میں نے چاہا کہ سانپ کو مار دوں ایسا نہ ہو کہ حضرت میرا ہوا جائیں لہذا میں آنحضرتؐ اور سانپ کے درمیان لیٹ گیا کہ اگر سانپ سے کوئی نقصان پہونچے تو مجھے پہونچے لیکن حضرت محفوظ رہیں اسی اثنا میں حضرت میرا ہوئے اور آیت: اٰثِمًا وَلَيْكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا الَّذِيْنَ يَّقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُوْنُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رَاكِعُوْنَ ۝

(ترجمہ) بیشک اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ جو ایمان لائے نماز قائم کرتے ہیں اور حالتِ رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں تمہارے ولی ہیں پڑھ رہے تھے اس کے بعد ارشاد فرمایا: الحمد للہ الذی اٰکمل لعلیٰ منیتہ وھنیئاً لعلیٰ بتفضل اللہ ایاہ :-

یعنی شکر ہے اس خدا کا جس نے علیؑ کے لیے ان کی آرزو کو پورا کر دیا اور مبارک ہو علیؑ کے واسطے خدا کا تفضل۔ پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھے ایک کنارہ پر لیٹا ہوا دیکھ کر فرمایا اے ابورافع کنارہ پر کیوں لیٹے ہو میں نے سانپ کی حکایت عرض کی فرمایا اٹھو اور اسے اردالو میں نے اٹھ کر سانپ کو مار ڈالا۔ تب حضرت نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لیا اور فرمایا کہ تم اس قوم کے بارے میں کیا کہتے ہو جو حضرت علیؑ سے ایسی حالت میں مقابلہ کرے جب علیؑ حق پر ہو اور وہ لوگ باطل پر ہوں میں نے کہا ایسی قوم سے جہاد کرنا حق ہے اور جس کو جہاد پر قدرت نہ ہو اس کو چاہیئے کہ دل سے اس قوم سے منکر ہو پس میں نے حضرت سے عرض کی یا رسول اللہ میرے حق میں دُعا فرمائیے کہ جب میں اس قوم تک پہونچوں تو خداوند عالم مجھ کو ان سے جنگ کرنے میں قوت دے حضرت نے دُعا فرمائی کہ اے اللہ اسے قوت دے کہ اگر یہ اس قوم تک پہونچے اور اس کی



ہونا ضروری تھا۔

علی ابن رافع کہتے ہیں کہ اس گفت و شنید کے بعد میں نے وہ موتیوں کی لڑی واپس لے لی اور اس کے مقام پر رکھ دی (مواقف المومنین ترجمہ مجالس المومنین ص ۳۵ تا ص ۳۶)

شادی اور اولاد: آنحضرت نے ان کا نکاح اپنی آزاد کردہ جاریہ سلی سے کر دیا تھا جو صاحبزادہ ابراہیم کی آیا تھیں ان سے عبد اللہ تولد ہوئے ان کے علاوہ ابو رافع کی اولاد کے نام حسب ذیل ہیں حسن رافع معمر مغیرہ سلی (اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۹۲ تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۹۲) آپ کی وفات کے متعلق اختلاف ہے کوئی حضرت عثمان کے آخر عہد خلافت میں بتاتا ہے مگر غالباً صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے ابتدائی دور خلافت میں انتقال ہوا اور اصل ابو رافع نام کا ایک شخص ابو جحیم سعید بن العاص کا غلام تھا ان دونوں کے حالات ایک دوسرے سے خلط ملط ہو گئے ہیں (تہذیب التہذیب ج ۱۲ ص ۹۲)

## اسامہ بن زید بن حارثہ بن شراحیل

نام و نسب: صاحب استیعاب نے لکھا ہے کہ ان کی ماں ام ایمن تھیں جن کا نام برکہ تھا اور جناب رسالتؐ کی کنیر تھیں آپ نے ان کا عقد جناب زید سے کر دیا تھا جن سے اسامہ پیدا ہوئے۔

جیش اسامہ: آنحضرت کی وفات کے وقت ان کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ نہ تھی بعض نے انہیں اور بعضوں نے اٹھارہ اور سترہ سال بھی لکھا ہے علامہ حلی وغیرہ نے اسی جیش اسامہ کے ذکر کے سلسلے میں بڑے مزے کا ایک واقعہ ذکر کیا ہے خلیفہ مہدی جب بصرہ آیا تو اس نے ایسا بن معاویہ

۱۳۶  
ایک صاحبزادی نے ایک شخص کو میرے پاس بھیجا کہ میں نے سنا ہے کہ بیت المال میں ایک موتیوں کی لڑی ہے اور وہ تمہارے قبضہ میں ہے میں چاہتی ہوں کہ وہ بطور عاریت مجھے دو کہ روز عید قرباں میں اسے پہنوں میں نے جواب دیا کہ بطور عاریت مضمونہ کے میں دوں گا یعنی اگر تلف ہو جائے تو اس کا تاوان آپ ادا فرمائیں ان معطلہ نے پیام بھیجا کہ ہاں اس طریقہ سے مجھے منظور ہے اور تین روز بعد تمہیں واپس کر دوں گی میں نے وہ لڑی بھیج دی اتفاقاً حضرت علیؑ نے جو انھیں پہنے ہوئے دیکھ لیا اور پہچانا دریافت فرمایا کہ یہ کہاں سے تمہیں ہاس تھا آئی۔ انھوں نے عرض کی علی ابن رافع خازن بیت المال سے میں نے بطور عاریت لی ہے کہ روز عید پہنوں اور پھر اس کو واپس کر دوں حضرت نے مجھے طلب فرمایا جب میں حاضر ہوا تو ارشاد فرمایا کہ تو مسلمانوں کے بیت المال میں بغیر ان کی رضامندی کے خیانت کرتا ہے میں نے عرض کی کہ یا امیر المومنین آپ کی صاحبزادی نے بطور عاریت مضمونہ مجھ سے مانگ بھیجی تھی اور میں نے اپنے اوپر بھی ضمانت رکھ کے ان کو دی ہے کہ میں اس کو اس کی جگہ رکھ کر واپس لاؤں حضرت نے فرمایا کہ آج ہی اسے واپس لینا چاہیے اور اسے اس کی جگہ پر رکھ دینا چاہیے اور اگر پھر تجھ سے ایسا امر ظاہر ہوا تو میں تجھے سزا دوں گا اور اگر میری بیٹی نے بطور عاریت مضمونہ مردود نہ لیا ہوتا تو یقیناً وہ پہلی زن ہاشمیہ ہوتی جس کا ہاتھ چوری میں کاٹا جاتا علی ابن ابی رافع کہتے ہیں حضرت نے جو یہ عتاب مجھ پر فرمایا اس کی خبر ان صاحبزادی کو بھی پہنچ گئی انھوں نے عرض کی کہ میں آپ کی بیٹی ہوں اور آپ کا ایک جزد بدن ہوں مجھ سے زیادہ کون اس کے پہننے کا حق دار ہو سکتا ہے حضرت نے جواب دیا کہ اے لڑکی اپنی خواہش نفس کے سبب سے دائرہ حق سے باہر نہ جا کیا تمام مہاجرین کی عورتیں ایسی ہی موتیوں کی لڑی پہنے تھیں کہ تجھے بھی ان کے ساتھ مزین



بہر حال اسامہ بہ تعمیل حکم علم لے کر بیرون مدینہ آگئے اور بیدہ بن الحسیب کو علم دار شکر مقرر کر کے منظر اجتماع شکر کے تھے فرمان رسول جاری ہوا کہ ابو بکر و عمر و عثمان بھی ہمراہ اسامہ جائیں گے (روضۃ الصفا) علی کا نام مامورین میں نہیں تھا ابن خلدون کے علاوہ اور کسی تاریخ اسلام میں نہیں ملتا لیکن آگے چل کر یہی مورخ لکھتا ہے کہ جب لشکر کو کوچ کی اجازت دی گئی تو علی و عباس کو رسول نے اپنی تیمارداری کے لیے رکھ لیا باقی روانہ ہوئے پس ثابت ہو گیا کہ علی و عباس فرمان حکم روانگی سے مستثنیٰ رکھے گئے تھے۔

مطابق روضۃ الصفا کے حضرت ابو بکر نے بھی تیمارداری کے لیے حاضر رہنے کی اجازت چاہی تھی لیکن رسول نے منظور نہ فرمایا اور صاحب منہاج النبوت نے اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے کہ ابو بکر صدیق نے عرض کی کہ یا رسول اللہ میں چاہتا ہوں کہ آپ کی تیمارداری کروں اور شرائط خدمت بجا لاؤں فرمایا کہ اے ابو بکر اگر میں تیمارداری بغیر اہلبیت کے کسی اور سے لوں تو مصیبت ان کی اور زیادہ ہوگی۔

بروایت روضۃ الصفا اسامہ کی ماتحتی بعض اصحاب کو گراں سمجھتی اور رسول پر اعتراض کرتے تھے کہ ہم کو غلام زادہ کی ماتحتی میں بھیجا جا رہا ہے اور بروایت ابن خلدون ابو بکر وغیرہ فرمان مذکور کے بعد بھی شکر سے حضرت کو دیکھنے آتے تھے جب رسول خدا کو معلوم ہوا تو نہایت غضناک ہوئے اور باوجود نہایت شدید درد سر کے عصابہ سر مبارک سے باندھ کر اور بروایت ابن خلدون عباس و علی کے کاندھوں پر سہارا دیکر مسجد میں تشریف لائے در آنجا ایک پائے مبارک زمین پر مستقیم نہ پڑتے تھے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ اسامہ کی امارت پر اعتراض کیا جا رہا ہے آج تم اسامہ کی افسری پر معترض ہو کل جنگ موتہ میں اس کے باپ زید کی افسری پر معترض تھے بخدا اسامہ دیا

کو جو اس وقت بہت کمسن تھے اور جن کی ذہانت و فراست بطور ضرب المثل مشہور ہے امامت کرتے اور چار سو بوڑھے علماء و فقہاء ان کے پیچھے نماز پڑھتے دیکھا مہدی نے کہا خدا ان دارھی والوں کو غارت کرے کیا اتنے لوگوں میں کوئی بوڑھا اس قابل نہیں ہے کہ آگے بڑھ کر نماز پڑھا دے پھر مہدی خود ایسا کی طرف بڑھا۔ اور پوچھا صاحبزادے کیا سن ہے تمہارا؟ ایسا نے جواب دیا حضور اس وقت میرا سن دہی ہے خدا حضور کو زندہ و سلامت رکھے جو اسامہ بن زید کا اس وقت تھا جب رسول خدا نے انھیں اس لشکر کا افسر مقرر کیا تھا جس میں حضرت عمر بھی تھے اور حضرت ابو بکر بھی مہدی نے کہا آگے بڑھو خدا تمہیں برکت دے بیشک تم امامت کے مستحق ہو علامہ حلبی لکھتے ہیں اس وقت اسامہ کا سن سترہ سال تھا زیادہ تر مورخین نے سترہ برس ہی عمر لکھی ہے۔

شکر اسامہ رسول کی زندگی کا آخری شکر تھا جسے آپ نے روم کی طرف لڑنے کو بھیجا تھا اس لشکر کی روانگی میں آپ نے اہتمام عظیم فرمایا تھا اور حضرت علی کے علاوہ تمام صحابہ کو تیماری کا حکم دیا تھا مسلمانوں کے ارادوں کو مضبوط اور ان کی ہمتوں کو بڑھانے کے لیے لشکر کے ساز و سامان کی فراہمی آپ نے خود بہ نفس نفیس فرمائی۔

مہاجرین و انصاریوں کے سربراہ آدرہ افراد جیسے حضرت ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ سعد بن ابی وقاص وغیرہ میں سے کوئی بھی فرد ایسی نہ بچی جسے فوج میں رسول نے نہ رکھا ہو۔ مصلحت بین و دور اندیش رسول کو منافقین و اہل اسلام کی سازشوں، ارادوں اور منصوبوں سے واقفیت تھی وہ اپنے آخر وقت میں اپنے بعد کے موقع کے واسطے مدینہ کی فضا کو اس نہ ہریلے عنصر سے پاک و صاف رکھنا چاہتے تھے اور اسکی وجہ سے اس درجہ خیال اور تاکید میں تھیں۔



۱۳۰  
ہی امارت کا حق دار ہے جیسا کہ اس کا باب (زید) تھا اور اسامہ کو جو رخصت  
کے لیے آئے تھے دُعا دے کر حکم دیا کہ روانگی میں جلدی کرو اور سب سے کہا کہ جلدی  
جاؤ (روضۃ الصفا) ابن خلدون (یہ حکم زم الفاظ میں نہیں دیا گیا تھا بلکہ فرمایا گیا تھا  
کہ جھڑوا جیش اسامة لعن الله من تخلف عنها۔

ر سب جاؤ جیش اسامہ کے ساتھ جو شخص اس کی مخالفت کرے گا اس پر خدا کی لعنت  
ہوگی (اللہ اکبر کس قدر سخت حکم تھا جس کی مصلحت و ضرورت رسول ہی جانتے تھے  
اس مقام پر وہ حضرات غور کریں جو صحابہ پر لعنت کو حرام جانتے ہیں کہ پیغمبر اسلام  
حکم رسول کی مخالفت کرنے والے اصحاب پر خود لعنت فرما رہے ہیں معلوم ہوا  
کہ حکم رسول کی مخالفت کرنے والے اصحاب پر لعنت جائز ہی نہیں بلکہ سنت رسول پر  
اچھا نسخہ اسامہ نے واپس جا کر کوچ کا حکم دے دیا اور لشکر مقام حرمہ پر  
پہنچ کر پھر رک گیا روانگی لشکر تاریخ روضۃ الصفا نے اربع الاول لکھی ہے لیکن کس  
قدر تعجب خیز بات ہے کہ لشکر اسامہ کتنے عرصہ تک رکا رہا جو کہ ۲۶ صفر ۱ھ کو یہ  
حکم دیا گیا تھا موافق حیات القلوب ابو بکر و عمر و ابو عبیدہ جراح نے اسامہ سے کہا  
تھا کہ رسول کا مرض ترقی پر ہے ہم سب کا مدینہ سے باہر جانا مصلحت نہیں ہے نہ  
معلوم ہماری عدم موجودگی میں کیا ہو جائے اور توقف کیا عائشہ صہیب کے ذریعہ  
خبر پہونچاتی رہیں کہ رات کے وقت خفیہ یہ لوگ لوٹ آئے اور بروایت ام ایمن  
مادر اسامہ نے خبر بھیجی کہ رسول حالت نزع میں ہیں تو تمام اصحاب لشکر سے واپس  
چلے آئے مجبوراً اسامہ بھی واپس آگئے بہر حال دونوں روایتوں سے اسامہ کی دلچسپی  
بہ مجبوری ثابت و معلوم ہوتی ہے ان کی تساہلی یا مخالفت اپنے بقصد و اختیار کسی  
روایت سے ثابت نہیں ہوتی اور نہ ان کی نیت میں شبہ کرنے کی کوئی خاص و مقول  
وجہ دکھائی دیتی ہے اسامہ نے جب دیکھا ہوگا کہ لشکر سے وہ بڑے لوگ جنھیں رسول  
نے خاص طور پر ساتھ جانے کا حکم دیا تھا جن کے نام مورخین نے صاف طور پر

۱۳۱  
ظاہر کر دیے ہیں اور وہ دُوبہ ہی بزرگ ہیں جن کے آنے اور دیکھ کر جانے کا ابن خلدون  
نے تذکرہ بھی کیا ہے اور ان میں سے ہی ایک بزرگ کو اسامہ کی امارت میں کلام  
ہوا تھا یہی وہ لوگ تھے جنھیں رسول کے قریب سے خبریں پہونچنے کی امید تھی  
ان کو رسول کی ترقی پذیر علالت کی وجہ سے کسی نوع دیگر کے خیال نے روانگی میں  
عجلت کرنے سے روکا اور باوجود اس سخت ترین حکم کے جو دیا گیا تھا وہ واپس چلے  
آئے تو اسامہ کیا کرتا یہ ظاہر ہے کہ یہ حکم رسول سے تخلف کرنے والے رسول کے  
سامنے تو ہرگز نہ جاتے ہوں گے لیکن ان کو رسول کی بڑھتی ہوئی علالت کی اطلاع  
پہونچتے رہنا قریب کے مددگاروں سے بہت ممکن تھا جو اور کسی کو ممکن نہ تھا رسول  
نے اس مخالفت کی کیفیت سے مطلع ہو کر مخالفت کرنے والوں سے سخت اظہارِ سزا دی  
کیا کر کیا کرتے اب وہ بستر مرگ پر تھے اب غور طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ اغلاص  
و محبت رسول تھی جس نے ان لوگوں کو روانگی سے روکا اور مستحق لعن ہونے کے  
مقابلہ میں بھی تخلف پر مجبور کیا یا کوئی اور مخفی راز تھا ناظرین خود فیصلہ فرمائیں۔  
اسامہ آنحضرت کی وفات کے بعد وادی القریٰ میں رہنے لگے اور آخر میں  
پھر مدینہ واپس ہوئے اور آخر خلافت معاویہ میں وفات پائی حضرت عمر ابن خطاب  
نے پانچ ہزار اشرفیاں بیت المال سے مقرر کیں اور اپنے بیٹے عبد اللہ کے لیے  
صرف دو ہزار عبد اللہ نے کہا کہ آپ نے اسامہ کو بھر پر فضیلت دیا وہ اس خالیکہ  
میں نے جناب رسالتاب کے وہ غزوات دیکھے ہیں جو اسامہ نے نہیں دیکھے عمر  
نے جواب دیا کہ میں نے اس کو بھڑ پر اس لیے فضیلت دی کہ رسول اللہ اسما  
کو تیرے باپ سے زیادہ چاہتے تھے۔

مولف کہتا ہے کہ حضرت عمر نے سبب تفصیل بیان کرنے میں کذب سے  
کام لیا ہے بلکہ اصل وجہ فضیلت دینے کی یہ ہے کہ اسامہ کو رسول خدا نے امیر لشکر  
کر کے بھیجا تھا اور ابو بکر و عمر وغیرہ کو ان کا تابع قرار دیا تھا اور فرمایا تھا جو



اور عبد اللہ بن عمر کو مال نے میں سے کہ جس سے مراد مال خراج و غنیمت ہے کچھ نہ دو اور اسامہ بن زید کو دو اس لیے کہ میں نے اسامہ کو ان کی اس قسم کے متعلق جو ان پر تھی معذور رکھا لیکن علامہ علیہ الرحمہ نے آخر میں فرمایا ہے کہ ان دونوں ردائیوں کے طریق میں ضعف ہے جس کا ذکر میں نے اپنی کتاب کے آخر میں کیا ہے اور اولیٰ یہ ہے کہ جس حدیث کے راوی اسامہ ہوں اس میں توقف کیا جائے (مواقف المؤمنین ترجمہ مجالس المؤمنین ص ۳۵۴ تا ۳۵۷)

## خباہ بن الارت

شہر مکہ کے رہنے والے تھے اور قبیلہ خزاعہ یا بنی زہرہ کی ایک عورت کے غلام تھے لوہار تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے رسول خدا کو اس جو ان سے محبت و الفت تھی اور آپ کی اس کے پاس آمد و رفت تھی مگر یہ رسول کے غلام نہیں تھے خباہ صفائے طینت و پاک دل انسان تھے اس لیے اوائل بعثت میں ہی دولت ایمان سے مالا مال ہو گئے تھے اور لوگ کہتے ہیں کہ ایمان لانے والوں میں آپ کا چھٹا نمبر تھا یہ اپنے ایمان میں بڑے مستحکم تھے ان کو شکنجہ کیا گیا مگر اپنے مقصد سے پیچھے نہ ہٹے۔

مشرکین مکہ ان کو پکڑ کر آہنی زرد پہنا کر ریگ گرم پر لٹا دیتے تھے تاکہ دین اسلام سے پھر جائیں اور جب دیکھتے کہ اس کا ان پر کوئی اثر نہیں ہوتا کہ لکڑیاں جمع کر کے ان کو جلاتے اور دیکھتے ہوئے انگاروں پر ان کو برہنہ کر کے ان پر لٹا دیا کرتے تھے خباہ کہتے ہیں کہ اس موقع پر قریش میں سے ایک آدمی آتا اور اپنے پیروں پر سے سینے پر رکھ کر اتنا دباتا کہ میرا گوشت دپوست آگ کے انگاروں کو بجھا دیتا۔ آخری عمر تک خباہ کی پشت پر وہ نشانات مثل برص کے باقی تھے جب حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ آیا تو عمر نے خباہ سے ان تکلیفوں کے بارے میں سوال کیا جو صد اسلام

۱۳۲ شکر اسامہ سے رد گردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہے یہ لوگ پلٹ آئے اور خدا کی لعنت کو اپنے حق میں مضر نہیں سمجھا لیکن اسامہ چونکہ آخر رسول خدا تک ان کے امیر تھے اور بعد وفات ان کو اپنا امیر نہیں مانتے تھے آخر کار ان لوگوں نے روپے اور پیسے کی طمع دلا کر اور ان کو امیر بنانے کا وعدہ کر کے اپنی مخالفت اور بنی ہاشم کی متابعت سے باز رکھا اور یہ اسامہ کا ایک بہت بڑا احسان ان کی گردن پر تھا جس کا عوض بمصالح دنیوی وقت گزرنے کے بعد بھی یہ لوگ کرتے رہے پس اصل وجہ اسامہ کے فضیلت دینے کی یہ تھی نہ کہ وہ جو عمر نے اپنے بیٹے سے بیان کی منقول ہے کہ جب حضرت ابو بکر منتظم امر خلافت ہوئے تو اسامہ نے بکمال عتاب ان سے خطاب کیا کہ رسول اللہ مجھے تلکھ پر امیر قرار دیا تھا یہ تجھ کو کس نے مجھ پر خلیفہ بنایا ہے رسول نے جس کو خلیفہ کیا وہ علی ابن ابی طالب علیہ السلام ہیں۔ آخر کار ابو بکر و عمر اسامہ کے پاس گئے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کیا اور اپنی عمر بھر ان کو امیر کہا کرتے تھے بعض تاریخوں میں مذکور ہے کہ جب ابو بکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ کو اسی شکر کے ساتھ جو پیغمبر خدا نے مقرر کیا تھا شام کی طرف جانے کا حکم دیا اسامہ نے کہا پیغمبر خدا نے جن جن لوگوں کو میرے شکر میں شامل کیا تھا اور رد گردانی کرنے پر لعنت کی تھی وہ سب کے سب میرے ساتھ چلیں تو البتہ میں جاؤں گا جن میں سے ایک تو اور دو عمر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو میرے یار و مددگار ہیں ابو بکر کو اس سبب سے رجش پیدا ہوئی اور انھوں نے اسامہ کو معزول کر کے خالد بن ولید کو ان کی جگہ پر منصوب کیا اور بجانب شام روانہ کیا علامہ علی علیہ الرحمہ اور حسن بن داؤد نے روایت کی ہے کہ حضرت امام محمد باقر نے اسامہ کے بارے میں فرمایا کہ اسامہ نے آخر میں حق کی طرف رجوع کی تھی لہذا ان کے حق میں سوائے اچھائی کے کچھ نہ کہو اور اسی طرح سے پھر روایت کی ہے کہ حضرت امیر المؤمنین نے اپنے زمانہ خلافت میں اپنے والی کو لکھا کہ سعد بن قاص



زیادتی ہوئی تو آپ رسول خدا کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ خدا سے میری نصرت و مدد کے لیے دعا فرمائیں خواب کہتے ہیں کہ اس وقت رسول خدا کا چہرہ غصہ سے سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ اس قدر صابر اور متحمل تھے کہ ان کو زمین میں گرٹھا کھود کر دبا دیا جاتا اور ان کا سر زمین سے باہر ہوتا تھا جس کو آرے سے کاٹا جاتا اور لوہے کے کنگھوں سے ان کے گوشت ہڈیوں اور ہڈیوں کو پارہ پارہ کیا جاتا تھا لیکن وہ اپنے دین سے نہیں پھرتے تھے۔ دلیچسپ داستان اس سلسلے میں لوگوں نے یہ نقل کی ہے کہ خواب تلواریں بنایا کرتے تھے اور رسول خدا کا آپ کے پاس آنا جانا تھا خواب ام امتارہ عورت کے غلام تھے اس بات کی خبر اس عورت کو ہو گئی اس عورت نے جب یہ سنا تو لوہا گرم کیا کرتی اور اس گرم لوہے کو خواب کے سر پر رکھ کر اذیت دیتی تھی اور کہتی تھی کہ وہ پیغمبر سے ملنا چھوڑ دے اور ان کے دین سے دست بردار ہو جائے خواب نے اس کی شکایت پیغمبر سے کی آپ نے اس کے لیے دعا کی اللھم انصر خبابا یعنی خدا یا خواب کی نصرت فرما پس اس دعا کے بعد ام امتارہ ایسے درد میں مبتلا ہوئی کہ کتوں کی طرح بھونکتی اور چلایا کرتی تھی بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا علاج یہ بتایا گیا کہ لوہا گرم کر کے اس کے سر پر رکھا جائے چنانچہ خواب لوہا گرم کر کے اس کے سر پر رکھتے تھے جس سے اسے درد سر سے سکون ملتا تھا۔

امیر المومنینؑ نے خواب کی موت کے موقع پر ایک خطبہ دیا جس میں راہ اسلام میں جو ان کو اذیتیں دی گئیں اور ان کو شکنجہ کیا گیا لوگوں کو معلوم ہو جائے خواب کا انتقال بنا بر شہورۃ کوفہ میں ہوا اور ان کی وصیت کے مطابق بیرن کوفہ دفن کیا گیا اس وقت امیر المومنینؑ صفین میں تھے کہا جاتا ہے کہ خواب پہلے وہ شخص ہیں جو کوفہ سے باہر دفن ہوئے یہ اس وقت بیمار تھے اس لیے جنگ میں شرکت نہ کر سکے اور امیر المومنین علیہ السلام کی غیر موجودگی میں وفات پائی۔ جب

۱۲۶ میں کفار کے ذریعہ انھیں پہنچی تھیں خواب نے کہا میری پشت دیکھئے جب عمر نے ان کی پشت دیکھی تو کہا ابھی تک اس طرح میں نے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔ شعی سے روایت ہے کہ خواب وہ شخص تھے کہ مشرکین کے برابر شکنجہ کئے جانے کے باوجود اپنے ایمان پر باقی رہے اور دین خدا سے دست بردار نہیں ہوئے مشرکین جب یہ دیکھتے تھے تو پتھروں کو گرم کر کے ان پر مٹاتے تھے اور ان کو اتنا دباتے تھے کہ گوشت پانی ہو جاتا تھا۔

مشرکین کہ تازہ مسلمانوں کو مالی اعتبار سے بھی ہر طرح کا نقصان پہونچاتے تھے اس بارے میں طبری اور دوسرے لوگوں نے بھی لکھا ہے کہ عاص بن داحل خواب کا قرضہ ادا تھا پس جب خواب مسلمان ہو گئے تو اپنے حق کا مطالبہ کیا عاص نے کہا کہ میں تمہارا قرض ادا نہیں کروں گا جب تک کہ تم دین اسلام سے باز نہ آؤ گے اور کافر نہ ہو گے خواب نے کہا میں ہرگز کافر نہ ہوں گا جب تک کہ تو منہ نہ جائے اور قیامت کے دن اٹھایا جائے عاص نے کہا میں جب قیامت میں اپنا مال اور اولاد پاؤں گا تو تیرا مطالبہ پورا کروں گا اس موقع پر یہ آیت پیغمبر اسلام پر نازل ہوئی۔ اَفَرَأَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتِيَنَّكَ مَالًا وَّلَدًا هَ أَطَّلَعَ الْغَيْثَ أَمِ امْتَحَنَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَمْدًا كَلَّا سَتَكُنَّ مِنَ الْمَقْتُولِ وَبِئْسَ الْعَذَابُ مَلَاہ وَبِئْسَ مَا يَقُولُ وَيَأْتِينَا فَرْدًا (سورہ مہم)

ترجمہ: اے رسول کیا تم نے اس شخص پر بھی نظر کی جس نے ہماری آیتوں سے انکار کیا اور کہنے لگا کہ اگر قیامت ہوئی تو بھی مجھے مال اور اولاد ضرور ملے گی کیا اسے غیب کا حال معلوم ہو گیا یا اس نے خدا سے کوئی عہد دیا لے رکھا ہے ہرگز نہیں جو کچھ یہ بجا ہے سب ہم ابھی سے لکھے لیتے ہیں اور اس کے لیے لے لے کر زیادہ عذاب بڑھاتے جاتے ہیں اور جو مال و اولاد کی نسبت بک رہا ہے ہم بھی اس کے مالک ہو بیٹھیں گے۔

ابن ابی خثیر اور دوسرے لوگوں نے شعی سے نقل کیا ہے کہ جب مشرکین کی اذیتوں میں



امیر المؤمنینؑ واپس تشریف لائے تو آپ نے فرمایا۔ یرحمہ اللہ خباب بن الارت  
 فلقد اسلم راغباً وهاجر طائفاً وفتح بالكفان ورضی عن اللہ وعاش مجاہداً  
 خدا رحمت نازل فرمائے خباب بن الارت پر کہ برضا و رغبت اسلام قبول کیا  
 اور اطاعت و فرمانبرداری کے ساتھ ہجرت کی اور بمقدار کفایت زندگی قنات  
 کے ساتھ گزاری اور ہر حالت میں خداوند عالم کے ہر حکم سے خوش اور راضی  
 تھے اور ابن اثیر اور دوسروں نے اس کے بعد یہ جگہ نقل کئے ہیں جسمانی  
 اذیتوں میں مبتلا رہے اور خدا کسی کے نیک عمل کو برباد و ضائع نہیں کرے گا یعنی  
 نیک عمل کی جزا نیک دے گا۔

## ابو سلمیٰ

یہ حبش کے رہنے والے تھے اسود لقب تھا اور ایک یہودی کے چر داہے  
 تھے اس کی بکریاں چرایا کرتے تھے رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ  
 اس وقت خیبر کے قلعوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے اس چر داہے کے ہمراہ کچھ  
 بکریاں ایک یہودی کی تھیں وہ ان کو اجرت پر چراتا تھا اس چر داہے نے  
 عرض کی یا رسول اللہ مجھے اسلام کی تعلیم دیجئے رسول نے اسے تعلیم دی وہ  
 مسلمان ہو گیا رسول خدا کسی شخص کو جو آپ سے اسلام کی خواہش ظاہر کرتا تھا حقیر  
 نہ سمجھتے تھے انرض آپ نے اسے اسلام کی تعلیم دی اسود نے عرض کیا کہ میں  
 ان بکریوں کے مالک کا مزدور ہوں اور یہ بکریاں میرے پاس امانت ہیں میں  
 انھیں کیا کروں رسول نے فرمایا کہ ان کے منہ پر مار دیے اپنے مالک کے پاس  
 لوٹ جائیں گی پس اسود کھڑے ہو گئے اور انھوں نے ایک مٹھی مٹی لے کر ان  
 کے منہ پر مار دی اور کہا کہ اے بکر! بوا اپنے مالک کے پاس لوٹ جاؤ اب میں خدا

کی قسم تمہارے ساتھ نہ جاؤں گا پس وہ بکریاں لوٹ گئیں ایسا علوم ہوتا ہے کہ گویا  
 انھیں والا انھیں ہانک رہا ہے یہاں تک کہ وہ قلعہ میں داخل ہو گئیں پھر اسود قلعہ  
 کی طرف بڑھے تاکہ مسلمانوں کے ساتھ ہو کے لڑیں کہ ایک پھر ان کے لگ  
 گیا اور وہ شہید ہو گئے اسود نے اب تک کوئی نماز نہیں پڑھی تھی پھر رسول کے  
 پاس لائے گئے اور آپ کے پیچھے رکھ دیے گئے اور ایک یادر انھیں اڑھا دی گئی  
 جو وہ اڑھے ہوئے تھے رسول خدا ان کی طرف دیکھنے لگے اور آپ کے ساتھ آپ  
 کے کچھ اصحاب تھے پھر آپ نے جلدی سے منہ پھیر لیا لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ  
 آپ نے کیوں منہ پھیر لیا فرمایا ان کے ہمراہ ایک حور العین ہے جو ان کی بیوی  
 ہے ابو سلام نے بواسطہ ابوسلمیٰ چر داہے کے پیغمبر اسلام سے حدیث نقل کی  
 ہے کہ آپ نے فرمایا پانچ چیزیں بہت مبارک ہیں ترازوئے اعمال میں ان کا  
 وزن بہت بھاری ہے ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ابوسلمیٰ رسول کے چر داہے  
 تھے بعض گمان کرنے والوں نے وہم کیا ہے کہ ان کا نام اسلام ہے حالاں کہ  
 ان کا نام حریث ہے اور انھوں نے یہ بھی دعویٰ کیا ہے کہ وہ خیبر میں شہید  
 ہوئے حالاں کہ یہ ایک دوسرا دہم ہے اور ابو نعیم نے وہ حدیث بھی بیان کی  
 ہے جو ابن مندہ نے بیان کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا پانچ چیزیں بہت مبارک  
 ہیں ترازوئے اعمال میں ان کا وزن بہت بھاری ہے وہ پانچ چیزیں یہ ہیں ...  
 لا الہ الا اللہ اور اللہ اکبر سبحان اللہ اور الحمد للہ اور اولاد صالح جو کسی مرد مسلمان  
 کی موت ہو جائے اور وہ اس پر صبر کرے ابو نعیم نے کہا ہے کہ خیبر میں جو ابوسلمیٰ  
 شہید ہوئے ان سے ابو سلام روایت نہیں کرتے اور حدیثنا نہیں کہتے پس اگر  
 انھوں نے عن ابی سلمیٰ کہا ہے تو یہ حدیث مرسل ہوگی یعنی درمیان سے کوئی راوی  
 چھوٹ گیا ان کا تذکرہ مندہ اور ابو نعیم نے کیا ہے (ترجمہ اسد الغابہ ج ۹ ص ۸۱۹)



۱۲۹  
انہوں نے وفات پائی (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۸۶)

## باقوم رومی

سعید ابن عاص کے غلام تھے مدینہ کے بڑھی تھے ان سے صالح مولیٰ توامہ نے روایت کی ہے کہ انہوں نے رسول کے لیے تین زمینوں کا منبر بنایا تھا جو جہاد کی لکڑی کا تھا (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۲۲۴)

## ابورافع ثنانی

یہ دو سکر ابورافع ہیں سعید ابن عاص کے غلام تھے سعید کے بعد اس کے بیٹوں کی ملکیت میں آگئے خالد کے علاوہ سعید کے تمام بیٹوں نے اپنے اپنے حصہ کو آزاد کر دیا تھا خالد نے اپنا حصہ آنحضرت کو ہبہ کر دیا حضور نے بھی اپنا حصہ آزاد کر دیا اور اس طرح ابورافع مکمل طور پر آزاد ہو گئے ہمیشہ بہ اندازِ فخر کہا کرتے تھے میں سرکارِ دو عالم کا آزاد کردہ غلام ہوں (اصابہ فی تمیز الصحابہ ج ۲ ص ۶۵ غلامان اسلام ص ۹) ابورافع کے پوتے عثمان نے اپنے دادا کے آزاد ہونے کا واقعہ قدسے تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ جب ابورافع مسلمان ہو کر اور ہجرت کے مدینہ آئے تو حضور نے خالد سے ان کے معاملہ میں گفتگو فرمائی اس وقت نہ تو خالد ان کو آزاد کرنے کے لیے آمادہ ہوئے اور نہ ہبہ اور بیع کے لیے لیکن بعد میں خالد کو اپنی اس جرأت پر بڑی ندامت ہوئی اور ابورافع کے قبہ پر ان کا جو حصہ تھا وہ انہوں نے آنحضرت کے نام ہبہ کر دیا آپ نے فوراً ہی ان کو آزاد کر دیا (اصابہ ج ۲ ص ۶۵ غلامان اسلام ص ۹)

مہران

## افلح

رسول خدا کے غلام ہیں ابن منذہ نے کہا ہے کہ ان کو وہی شخص سمجھتا ہوں جنہیں نبیؐ نے فرمایا تھا کہ تمہارا چہرہ خاک آلود ہو جائے۔ ابونعیم نے ان کے متعلق امیر کی حدیث روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا نبیؐ نے ہمارے ایک غلام کو دیکھا جس کا نام افلح تھا وہ سجدہ میں زمین پھونکتا تھا تو حضرت نے اس سے فرمایا کہ تیرا منہ خاک آلود ہو جائے اور حبیب مالکی نے افلح سے جو رسول کے غلام تھے روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا مجھے اپنی امت پر اپنے بعد اس بات کا خوف ہے کہ وہ اپنی خواہش نفسانی کی پیروی کرنے لگیں گے اور بعد علم کے غفلت اختیار کریں گے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۱۵۲)

## آنسہ

رسول خدا کے غلام تھے غلاموں کی اولاد سے تھے ان کی کنیت ابوسرح ہے اور بعض لوگ ابوسرح کہتے ہیں جب یہ بیٹھے تھے تو نبیؐ سے اجازت لے کر بیٹھے تھے (اس درجہ فرماں بردار تھے) آپ کے ساتھ جنگ بدر میں شریک ہوئے یہ عروہ اور زہری اور ابن اسحاق کا قول ہے حضرت ابوبکر کی خلافت میں وفات پائی داؤد بن حصین عکرمہ سے وہ حضرت ابن عباس سے راوی ہیں کہ یہ جنگ بدر میں شہید ہوئے واقدی نے لکھا ہے کہ یہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے انہوں نے کہا ہے کہ میں نے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ جنگ احد میں بھی شریک ہوئے تھے اور جنگ احد کے بعد بھی بہت دنوں تک زندہ رہے اور نبیؐ کے بعد حضرت ابوبکر کی خلافت میں



ابن اعرابی رسول اللہ کے غلام سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ میں کشتی پر سوار ہوا کچھ عرصہ کشتی سمندر میں چلنے کے بعد مع سامان کے ڈوب گئی تمام لوگ بھی غرق ہو گئے میں ایک تختہ پر چل گیا سمندر میں تختہ چلتا رہا اور ایک بڑے پہاڑ کے قریب جاں گامیں کوشش کر کے پہاڑ پر چڑھ گیا مگر تھوڑی دیر کے بعد کیا دیکھا کہ ایک شیر میری طرف دھاڑتا ہوا آیا میں ڈر گیا اور بارگاہ الہی میں دعا کی پالنے والے جس طرح تو نے مجھے سمندر سے بچایا ہے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ کے صدقے میں اس شیر سے بھی محفوظ رکھ جب شیر قریب آیا تو میں نے شیر کو آواز دے کر کہا کہ میں رسول اللہ کا غلام سفینہ ہوں لہذا میرا خیال کرنا تجھ پر لازم ہے اتنا سن کر شیر نے اپنا سر میرے قدموں میں رکھ دیا اور انکساری کرنے لگا اور بلی کی طرح کبھی میری پنڈلیوں پر اور کبھی قدموں پر سر رکھتا تھا پھر اس نے مجھے اپنی پشت خمیدہ کر کے اشارہ کیا کہ سوار ہو جاؤ میں شیر پر سوار ہو گیا اور وہ مجھے جلدی جلدی لے کر چلا آخر کار مجھے ایک جزیرہ میں لے آیا جس میں پھل داد درخت اور پانی کا شیریں جہنم تھا میں نے شیر سے اتر کر پھل توڑے اور کھائے جب خوب کھا چکا تو پانی پیا اور سیر ہو گیا پھر کچھ پھل ساکت لے لیے شیر نے پھر اپنی پشت کی طرف اشارہ کیا میں سوار ہو گیا شیر مجھے پھر سمندر کے کنارے لے گیا میں نے سمندر میں ایک کشتی دیکھی اور کشتی والوں کو پکارا کشتی والوں نے مجھے حیرت سے دیکھا اور لنگر ڈال دیے۔ دو آدمی چھوٹی کشتی لے کر میری طرف بڑھے اور کنارے تک کشتی لے آئے۔ میں شیر کی پشت سے اتر اور اس کا شکریہ ادا کیا اور کشتی پر سوار ہو گیا۔ غلام سفینہ کہتا ہے خدا کی قسم جب میں شیر سے جدا ہوا تو اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور شیر بار بار ہماری طرف دیکھتا تھا حتیٰ کہ ہم پوشیدہ ہو گئے۔ (کنوز المعجزات ص ۳۴)

رسول خدا کے غلام تھے بعض لوگ ان کو طہان کہتے تھے اور بعض لوگ مہر عطا بن سائب نے کہا ہے کہ میں ابو جعفر (امام محمد باقر) کے پاس کچھ لے کر گیا انھوں نے کہا میں تمہیں ایک خاتون کا پتر دیتا ہوں جو ہمارے ہی خاندان سے یعنی علی ابن ابی طالب کی اولاد سے ہیں چنانچہ میں ان کے پاس گیا انھوں نے کہا مجھ سے رسول خدا کے ایک غلام نے بیان کیا جن کا نام ذکوان یا طہان تھا کہ رسول خدا نے فرمایا اے ذکوان صدقہ نہ میرے لیے حلال ہے اور نہ میرے اہلبیت کے لیے اور بیشک قوم کا غلام بھی انھیں میں سے ہے ان کا تذکرہ ابو نعیم اور ابو عمر اور ابو یوسف نے کیا ہے (اسد الغابہ ج ۳ ص ۱۹)

## رباح

ان کا رنگ سیاہ تھا اس لیے اسود پکارے جاتے تھے کبھی کبھی رسول خدا کا درباری کیا کرتے تھے یہی تھے جنھوں نے حضرت عمر بن خطاب کے لیے آپ کے پاؤں جانے کی اجازت مانگی تھی جب کہ آپ نے اپنی بی بیوں سے علیحدہ ہو کر بالا خانہ میں اقامت فرمائی تھی آپ آنحضرت کے حبشی غلام تھے۔

## سفینہ

ان کا نام رومان رومی ہے سفینہ ان کا لقب ہے حضرت ام سلمہ کے غلام تھے مگر آزادی کا حق پیغمبر اسلام کو ملا تھا بلخ کے قیدیوں میں سے تھے ان کے نام میں اختلاف کیا گیا ہے ابو نعیم نے کہا ہے کہ یہ بلخ کے قیدیوں میں تھے اور روم کے طرف ان کو نسبت دی گئی ہے مگر روم اور بلخ نبی کے زمانہ میں مفتوح نہ ہوئے تھے وہاں سے قیدی کس طرح آئے۔

صاحب کنوز المعجزات نے اس غلام رسول سے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ



## ماہور

خواجہ سرایعنی خصی تھے۔ شاہ مقوقس (شاہ اسکندریہ) نے آنحضرتؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا۔ جعفر نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور انھوں نے اپنی سند کے ساتھ مصعب سے روایت کی ہے کہ وہ کہتے تھے ماریہ بنت شمعون قبیطیہ کے بطن سے فرزند پیدا ہوا جن کو مقوقس نے رسولؐ کی خدمت میں ہدیہ بھیجا تھا اور ان کے ساتھ ان کی بہن سیرین کو اور ایک خصی غلام کو جن کا ماہور نام تھا بھیجا تھا۔ ابن زہیر نے اس تذکرہ میں سلیمان بن ارقم کی حدیث لکھی ہے جو انھوں نے عروہ سے اور انھوں نے حضرت عائشہ سے روایت کی ہے کہ وہ کہتی تھیں کہ ماریہ ہدیہ آئی تھیں اور ان کے ساتھ ان کا چچا زاد بھائی بھی تھا۔ اس حدیث کو انھوں نے پورا بیان کیا ہے جس میں یہ مضمون بھی ہے کہ رسولؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا تھا کہ ان کو قتل کر دیں مگر انھوں نے دیکھا کہ وہ خصی ہیں۔ ان کا تذکرہ ابو موسیٰ نے لکھا ہے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۱)

## مدغم

یہ ایک حبشی غلام تھے۔ رفاعہ بن زید جذامی نے ان کو رسولؐ خدا کی خدمت میں ہدیہ پیش کیا تھا اور رسولؐ نے ان کو آزاد کر دیا تھا اور بقول بعض حضرات کے آزاد نہیں کیا تھا۔ یہی ہیں جنھوں نے غزوہ خیبر میں مال غنیمت کی ایک چادر پوشیدہ رکھی تھی اس کے بعد مقتول ہوئے تھے تو رسولؐ نے فرمایا تھا کہ وہ چادر ان کے جسم پر آگ سے مشتعل ہو رہی

## رباعی

یہی وہ لوگ ہیں جن کی غلامی کو درندے ہیں  
یہی وہ لوگ ہیں جن کی سلامی کو پرندے ہیں

ابو ذر ہو کہ سلماں ہو سفینہ ہو کہ قنبر ہو  
سبھی آل محمدؐ کے محب اللہ کے بندے ہیں

## رؤفیع

آنحضرتؐ کے غلام تھے۔ ان کا تذکرہ ابو عمر نے مختصر کیا ہے اور کہا ہے کہ میں ان کی کوئی روایت نہیں جانتا اور ابو احمد عسکری نے کہا ہے کہ ابو رؤفیع کی مدینہ میں کچھ اولاد تھی مگر وہ سب گزر گئے اور ان کی نسل باقی نہیں رہی۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۳)

## ابو یسار

ان کا نام زید ہے، مدینہ میں رہتے تھے، رسولؐ کے غلام تھے۔ ان کی روایت کردہ حدیث کو بلال بن یسار بن زید نے اپنے والد سے اٹھوائے ان کے دادا زید سے روایت کی ہے کہ انھوں نے نبیؐ کو فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص اَسْتَغْفِرُ اللہَ الَّذِیْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ کہے اس کے گناہ معاف ہو جائیں گے اگرچہ وہ جہاد سے بھاگا ہو۔ یہ زید بن بوللی کے بیان میں گزر چکا ہے۔ زید بن بوللی اور زید ابو یسار ایک ہی ہیں۔

(ترجمہ اسد الغابہ ج ۴)



## کرکرہ

کسی نے آنحضرتؐ کو ہدیہ دیا تھا۔ آپ نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ صحابی ہیں مگر ان کی کوئی روایت معلوم نہیں۔ ان کا ذکر ایک حدیث میں جو ہم سے بہت سے لوگوں نے اپنی سند کے ساتھ محمد بن اسمعیل سے روایت کر کے بیان کیا ہے وہ کہتے ہیں ہم سے علی بن عبداللہ نے بیان کیا وہ کہتے تھے ہمیں سفیان نے عمرو سے انھوں نے سالم بن ابی الجعد سے انھوں نے عبداللہ بن عمر سے روایت کر کے خبر دی کہ وہ کہتے تھے کہ مال غنیمت پر ایک شخص متعین تھا جس کو لوگ کرکرہ کہتے تھے جب وہ مرا تو نبیؐ نے فرمایا وہ دوزخ میں جائے گا۔ لوگوں نے جا کر دیکھا تو ایک عبا مال غنیمت کی اس نے چرائی تھی۔ بخاری نے کہا ہے کہ ابن سلّام نے بھی اس کا نام کرکرہ بیان کیا ہے۔

پیغمبر اسلامؐ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی اور بردہ فروشی کی حوصلہ شکنی کرتے ہوئے فرمایا کہ شر الناس من باع الناس بدترین انسان وہ ہے جو بردہ فروشی کرے۔ کفارہ میں غلاموں کی آزادی کو جگہ دی۔ مصارف زکوٰۃ میں سے ایک مصرف غلاموں کی آزادی کو قرار دیا اگر کوئی غلام اندھا یا ازکار رفتہ یا کوڑھ میں مبتلا ہو جاتا تو آزاد ہو جاتا اگر کنیز صاحب اولاد ہو جاتی تو مالک کے مرنے کے بعد ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاتی اور جو غلامی پر باقی رہتے ان سے نہ صرف حسن سلوک بلکہ مساویانہ سلوک کی تاکید فرمائی۔ چنانچہ آنحضرتؐ کا ارشاد ہے

لہ اسلام میں ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ عزت ہے ایسا نہیں ہے کہ ہر غلام قابل احترام ہے — مولف

ہے۔ ہمیں عبید اللہ بن احمد نے اپنی سند کے ساتھ یونس بن بکیر تک خبر دی وہ ابن اسحاق سے روایت کرتے تھے کہ انھوں نے کہا مجھے ثور بن زید نے سالم مولیٰ عبید اللہ بن مطیع سے انھوں نے حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت کر کے بیان کیا کہ ہم رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ حیر سے وادی القریٰ کی طرف چلے۔ آپ کے ہمراہ ایک غلام تھا جو رفام بن زید نے آپ کو دیا تھا، پس غروب آفتاب کے وقت وہ رسول اللہ کا اسباب اتار رہا تھا کہ یکایک کسی طرف سے ایک شیر آیا اور وہ غلام اس سے زخمی ہو کر مر گیا تو ہم سب لوگوں نے کہا کہ یہ غلام بڑا خوش نصیب تھا، اس کو جنت مبارک ہو۔ رسولؐ نے فرمایا، قسم اس کی جس کے ہاتھ میں محمدؐ کی جان ہے کہ وہ چادر اب تک اس کے جسم پر آگ سے مشتعل ہو رہی ہے جو اس نے خیبر کے دن ان مسلمانوں کے مال غنیمت سے مخفی کر دی تھی۔ اس کا تذکرہ ابو عمر نے کیا ہے۔

(ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۹۹)

## فضالہ

رسولؐ کے غلام تھے اہل مین سے تھے اس کو جعفر نے بیان کیا ہے اور انھوں نے ایک مقام پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ شام میں فروکش تھے۔ ابو بکر بن جریر نے ان کو رسول اللہ کے غلاموں میں ذکر کیا ہے۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ ان کی وفات شام میں ہوئی۔ ان کا تذکرہ ابو عمر اور ابو موسیٰ نے کیا ہے، ابو عمر نے کہا ہے کہ میں ان کا حال اس سے زیادہ کچھ نہیں جانتا۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۸ ص ۲۴۵)



## حضرت علیؑ کا غلاموں سے برتاؤ

امیر المومنین غلاموں سے گہری ہمدردی رکھتے تھے۔ آپ نے اپنی محنت کی کمائی ان کی آزادی اور فلاح و بہبود کے لیے مخصوص کر دی اور انھیں آزادی سے بہرہ یاب کر کے اس کا موقع دیا کہ وہ ترقی کے منازل طے کر کے معاشرہ میں بلند مقام حاصل کریں اس لیے کہ ترقی کسی خاص نسل اور رنگ سے مخصوص نہیں ہے بلکہ ایک آزاد کو جتنا آگے بڑھنے کا حق ہے اتنا ایک غلام کو بھی حق حاصل ہے۔

امام جعفر صادق کا ارشاد ہے ان امیر المومنین اعتق الف مملوک من کذلک (وسائل الشیعہ)

امیر المومنینؑ نے اپنے ہاتھ کی کمائی سے ایک ہزار غلام خرید کر آزاد کیے۔ حضرت صرف غلاموں کی آزادی پر ہی اکتفا نہ کرتے تھے بلکہ ایسے غلاموں کی کفالت بھی اپنے ذمہ لے لیتے تھے جو کم سنی، بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے کار و کسب نہ کر سکتے تھے اور ہمیشہ ان پر نظر توجہ رکھتے تھے، آپ کی شفقت و مرحمت کا یہ عالم تھا کہ انھیں یہ گمان بھی نہ ہوتا تھا کہ کسی کوتاہی یا سرتابی کی پاداش میں انھیں سزا دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کسی غلام کو کسی کام کے لیے آواز دی، چند بار پکارنے پر جب وہ نہ آیا تو آپ نے باہر جھانکا دیکھا کہ وہ غلام دروازہ پر کھڑا ہے، فرمایا

جو خود پہنتے ہو وہ انھیں پہناؤ اور جو خود کھاتے ہو وہ انھیں کھانے کو دو۔ پیغمبر اسلام نے اپنی وفات کے بعد اپنی تعلیمات کو امت کی ہدایت کے لیے دو چیزیں چھوڑیں۔ کتاب خدا (قرآن) اور اہل بیتؑ۔ ان دونوں میں ایک آئین تھا اور دوسرا اس آئین پر عمل کر کے امت کی ہدایت کرنے کے لیے معلم کی حیثیت سے (اہل بیتؑ) تھے۔ کتاب کے ساتھ ہر دور میں ایک معصوم معلم کی ضرورت تھی۔ غلامی کے انسداد کے لیے پیغمبر اسلام نے اپنی زندگی میں اپنا اسوۂ حسنہ پیش کیا تو آپ کی وفات کے بعد ہر دور میں آپ کے جانشینوں نے اپنا کردار اور حسن اخلاق مسلمانوں کے سامنے پیش کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج دنیا سے غلامی کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب کا کردار پیش کر رہے ہیں۔



فرمایا تم جوان ہو اور تم میں جوانی کا ولولہ ہے، تمہارے لیے یہی لباس بہتر ہے، میں یہ لباس پہن لوں گا۔ مجھے اپنے پروردگار سے شرم آتی ہے کہ میں اپنا معیار تم سے بلند رکھوں۔

شاید یہ بات نرالی اور انوکھی نہ سمجھی جائے کہ حضرت نے اپنے دور خلافت میں اپنے ایک غلام کے لیے عمدہ لباس پسند کیا کیونکہ دنیا میں فرمانرواؤں کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ شان و شکوہ کے مظاہروں کے لیے اپنے غلاموں کو آراستہ و پیراستہ رکھتے تھے۔ چنانچہ شاہی درباروں میں ان کی سچ دھج دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے جسموں میں زرق برق پوشائیں سروں پر رنگین صافے، کمر میں زریں پٹکے جن میں موتی ٹنکے ہوئے، گلے میں سنہری کنٹھے اور ہاتھ میں طلائی یا نقرئی عصا ہوتے تھے۔ ان فاخرہ ملبوسات سے ظاہری نمود و نمائش کا سامان تو ہو جاتا ہے مگر احساس غلامی ختم نہیں ہوتا بلکہ اس خاص طرز کی وضع قطع کو غلامی کا نشان سمجھ کر غلامی کا احساس اور ابھر آتا ہے اور ہر غلام اس سچ دھج کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتا ہوگا اور اس کی تمنا یہ ہوگی کہ اسے تن ڈھانکنے کے لیے چیتھڑے ملتے مگر اس کے پیروں میں غلامی کی بوجھل زنجیریں نہ ہوں۔ امیر المومنینؑ جو انسانی نفسیات و احساسات پر نظر غائر رکھتے تھے اس خیال سے کہ قبر کو یہ احساس نہ ہو کہ انھیں عمدہ لباس غلام نوازی کی بنا پر دیا جا رہا ہے، یہ کہہ کر ان میں غلامی کا احساس ابھرنے نہیں دیا کہ تم نوجوان ہو اور عمدہ لباس بوڑھوں کے بجائے نوجوانوں کو زیب دیتا ہے۔ اور اس طرح ان کا ذہنی رخ موڑ کر یہ تاثر دیا کہ سن و سال کے لحاظ سے تو انسان کے طبعی تقاضوں میں فرق ہو سکتا ہے مگر انسان

کہ میں نے تمہیں کتنی بار پکارا ہے، کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟ کہا کہ میں اس لیے خاموش رہا کہ مجھے آپ کی طرف سے یہ خطرہ نہ تھا کہ میرے جواب نہ دینے پر آپ مجھے سزا دیں گے۔ حضرت نے یہ سنا تو فرمایا الحمد للہ اللہ جعلنی من تامنہ خلقہ! انھض فانت حر لوجه اللہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مجھے ایسا قرار دیا جس کے گزند سے خلق خدا اپنے کو محفوظ سمجھتی ہے، اٹھو تم راہ خدا میں آزاد ہو۔

جناب امیر المومنینؑ اپنے زمانہ خلافت میں بازار آئے۔ آپ کے ساتھ آپ کا غلام بھی موجود تھا۔ آپ نے دو قمیصیں خریدیں اور غلام سے ارشاد فرمایا کہ ان میں سے جو قمیص تجھے پسند ہو لے لے۔ غلام نے ایک قمیص لے لی دوسری آپ نے پہن لی۔ آپ کی قمیص کی آستینیں بڑی تھیں، آپ نے حکم دیا کہ اسے کاٹ لیا جائے، چنانچہ وہ کاٹ لی گئی۔ (بخاری الانوار)

جب آپ سر پر آرائے سلطنت ہوئے اور زمانہ عثمان کے جمع شدہ اموال کی تقسیم شروع ہوئی، سہیل بن حنیف کھڑے ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ میں نے اس غلام کو آزاد کر دیا ہے، کیا اس کو بھی تین ہی دینار ملیں گے؟ فرمایا ہاں اسے بھی تین ہی دینار ملیں گے۔

حضرت کے ایک غلام قنبر تھے جنھیں آپ انتہائی عزیز رکھتے تھے ایک مرتبہ انھیں لے کر بازار گئے اور فرمایا، مجھے ایک پیراہن خریدنا ہے اور تمہیں بھی ایک پیراہن کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ایک پارچہ فروش کی دوکان سے ایک سستا اور ایک اس سے زیادہ قیمت کا کپڑا خرید کیا اور قنبر سے کہا کہ سستا کپڑا میرے لیے رہنے دو اور قیمتی کپڑا تم لے لو۔ قنبر نے کہا کہ آپ میرے آقا ہیں، بہتر ہے کہ اچھا کپڑا آپ پہنیں۔ حضرت نے



غزوان وثبتیت و میمون | ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

جناب قنبر

ہونے کے اعتبار سے سب کے احساسات یکساں ہوتے ہیں۔ یہ وہ طرز عمل تھا جس نے غلاموں کے قافلے کو آگے بڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور ان کے ذہنی شعور کو بیدار کر کے مخفی صلاحیتوں کو روبہ عمل لانے کی تحریک پیدا کی۔ چنانچہ اسی ذہنی نمود کے نتیجے میں غلاموں میں کا ایک طبقہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ کر اپنی سعی و کاوش سے سخت شاہی کی بلندیوں تک پہنچا اور سلطنتوں کا بانی قرار پایا۔

غلامان امیر المومنین علی بن ابیطالب

**بونیئر** | نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپن میں مشرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا۔ رسالتِ مآب کی خدمت میں لائے گئے اور مشرف بہ اسلام ہوئے، حضرت نے ان کی تربیت کی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ امیر المومنین کی خدمت میں رہے اور آپ کے ایک مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کامل میں ان کے حالات کا تذکرہ ہے اور ان کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنینؑ کے چشمہ برآمد کرنے اور اسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔

عبداللہ بن مسعود | اس کو آنحضرتؐ نے جناب فاطمہؑ کو دے دیا  
تھا پھر یہ معاویہ کے پاس چلا گیا۔  
سعد و نصیر | یہ دونوں کربلا میں شہید ہوئے۔



وہ ذبح کر دیے گئے۔ آپ کی قبر بغداد میں ہے، مومنین جاتے ہیں اور زیارت سے مشرف ہوتے ہیں۔

تاریخ الائمہ میں ہے کہ حضرت کے صرف دو غلام تھے قبر اور کچلی بن کثیر۔ یہ کچلی اور ان کے بیٹے عبداللہ بڑے عالم تھے۔ (تاریخ الائمہ ص ۲۰۹)

## جناب میثم تمار

ابو سالم میثم تمار بن یحییٰ التمار امیر المومنین کے آزاد کردہ غلام، آپ کے مخصوص صحابی و حواری، آپ کے رموز و اسرار اور علوم کے خزینہ دار تھے۔ علامہ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

میثم کو امیر المومنین نے بے شمار علم اور مخفی اسرار پر مطلع کیا تھا۔ ضروری تو یہ تھا کہ حدیث و سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں ان کے تفصیلی حالات اور ان کے علمی آثار کا ذکر ہوتا کیونکہ میثم ایسے بزرگ کی زندگی اسلام اور مسلمانوں کے لیے فخر و ناز کا سرمایہ اور مسلمانوں کے لیے محاسن افعال کا بہترین محرک ہے مگر افسوس کہ میثم اور ان کے جیسے مجسمہ علم و عمل بہت سے بزرگوں کے اوراق حیات ضائع و برباد ہو گئے۔ کتابوں میں ان کے بہت مختصر حالات ملتے ہیں۔ ان کی زندگی کے بہت سے پہلوؤں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ وہ کس قوم و قبیلہ کے تھے، ان کا اصلی وطن کہاں تھا اور کہاں سے چل کر کوفہ پہنچے؟ کب مسلمان ہوئے؟ کیا ان کے باپ ان سے پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے؟ کیا ان کے باپ بھی غلام تھے؟ کس عمر میں جناب میثم درجہ شہادت پر فائز ہوئے؟ ان کے علمی آثار کیا ہیں؟ اسی قسم کی بہت سی باتیں ہیں جو کتابوں میں ڈھونڈنے

نعمت کے دروازے کھول دیے یہاں تک کہ جو نعمتیں ان کو دی گئی تھیں جب ان کو پا کر خوش ہوتے تو ہم نے ان کو ناگہاں لے ڈالا، اس وقت وہ ناامید ہو کر گر گئے (پ ۱۱ ع ۱۱) حجاج نے کہا میرا گمان ہے کہ وہ یہ آیت ہم لوگوں (بنی امیہ) کے بارے میں پڑھتے تھے اور ہم لوگوں کو بھی اس کا مصداق جانتے اور انھیں ظالموں سے سمجھتے تھے۔ قبر نے کہا ہاں ایسا ہی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حجاج بن یوسف نے ایک روز کہا، مجھے بڑی تمنا ہے کہ میں شیعان ابو تراب سے ایک شخص کو پکڑ پاتا اور اس کو قتل کر کے (معاذ اللہ) خدا کی خوشی حاصل کرتا۔ لوگوں نے کہا ہمارے نزدیک قبر جو ان کے غلام ہیں ان سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں ہے جو ان کی صحبت میں زیادہ رہا ہو۔ حجاج نے کسی کو بھیج کر انھیں گرفتار کرالیا۔ جب سامنے آئے دیکھ کر وہ ملعون کہنے لگا تو ہی قبر علی بن ابی طالب کا غلام ہے؟ انھوں نے کہا اللہ میرا مولا ہے اور امیر المومنین میرے ولی نعمت ہیں۔ حجاج نے کہا تم ان کے دین سے تبرک کرو۔ انھوں نے کہا اگر میں علی کے دین سے تبرک کروں تو مجھے دوسرا کوئی دین بتا دے جو ان کے دین سے بہتر ہو۔ حجاج نے کہا میں تمھیں ضرور قتل کروں گا، اب تمھیں اختیار ہے جس قسم کا قتل تمھیں پسند ہو اسے بتا دو۔ قبر نے کہا یہ تیرے اختیار میں ہے جس طرح کا قتل تو اپنے لیے اختیار کر لے۔ اس لیے کہ جس طرح تو مجھے یہاں قتل کرے گا میں بھی قیامت کے روز اسی طرح تجھے قتل کروں گا۔ میرے مولا امیر المومنین مجھ سے فراگئے ہیں کہ میں ناحق ذبح کیا جاؤں گا۔ یہ سنتے ہی حجاج نے حکم دیا کہ ان کو ذبح کر دو، پس



انہیں خرید کیا اور آپ نے ان کا نام پوچھا اور انہوں نے اپنا نام میثم بتایا تو آپ نے فرمایا ”تمہارے باپ نے عجم میں تمہارا نام میثم رکھا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی طے شدہ نہیں کہ عجم خاص کر ایران والوں کو کہا جاتا تھا یا دوسرے علاقوں کو بھی عام طور پر اہل عرب اپنے کو چھوڑ کر باقی ساری دنیا کے لوگوں کو جس میں ایران وغیرہ سبھی شامل ہیں عجم کہتے تھے۔ پھر انہیں نہروانی جو کہا جاتا ہے تو آیا اس وجہ سے کہ یہ نہروان میں پیدا ہوئے تھے یا کہیں اور سے آکر نہروان میں بس گئے تھے۔ ان تمام باتوں میں سے کسی بات کے متعلق قطعی طور کوئی فیصلہ نہیں کہا جاسکتا۔

### میثم کا اسلام

تاریخ کی کسی کتاب سے پتہ نہیں چلتا کہ وہ کب کوفہ آئے، قبیلہ بنی اسد کی عورت کیونکر مالک ہوئی، کب وہ اسلام لائے؟ البتہ گمان ہوتا ہے کہ امیر المومنینؑ کی غلامی میں آنے کے پہلے ہی وہ مسلمان ہو چکے تھے۔ المومنینؑ نے جب ان سے کہا کہ رسول اللہؐ مجھے خبر دے چکے ہیں کہ تمہارے وطن عجم میں تمہارے باپ نے تمہارا نام میثم رکھا تھا تو میثم نے کہا تھا صدق اللہ ورسولہ وصدق امیر المومنینؑ سچ کہا خدا و رسولؐ نے اور سچ فرماتے ہیں امیر المومنینؑ۔ اس جملہ سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمان ہی نہیں بلکہ مومن اور امیر المومنینؑ کی خدمت میں آنے سے پہلے ہی آپ کے دوستداروں اور ارادت مندوں میں سے تھے۔

### میثم غلام تھے

جناب میثم قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت کے غلام تھے (ارشاد شیخ مفید)

سے نہیں ملتیں۔ بہر حال ہمیں جو کچھ ان کے حالات معلوم ہو سکے، نذر ناظرین کر رہے ہیں

### میثم کا قوم و قبیلہ اور ان کا وطن

میثم اور ان کے باپ دونوں عربی ناموں پر ہیں جس سے یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ اصلاً عربی ہیں۔ عجم والے بھی اگرچہ عربی نام رکھتے تھے مگر اس کا سلسلہ اس وقت شروع ہوا جب اسلام ہر طرف پھیل چکا تھا اور عربوں کے اقتدار کے ساتھ ساتھ عربی زبان کا غلبہ بھی بلاد عجم پر ہو چکا تھا۔ کوئی تاریخ ہمیں یہ نہیں بتاتی کہ ایرانی حکومت اقتدار کے زمانہ میں بھی وہاں کے باشندوں کے نام عربی ناموں جیسے ہوا کرتے تھے۔

یہی حال ان کی وطنیت کا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ نہروانی تھے۔ نہروان ایک بڑا علاقہ ہے بغداد اور واسط کے مشرقی جانب۔ یا قوت حموی نے معجم البلدان میں بس اسی ایک نہروان کا ذکر کیا ہے۔ ان دونوں باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ میثم عرب ہی کے رہنے والے تھے عجمی نہ تھے۔ البتہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل میں وہ عجم کے رہنے والے ہوں۔ رہ گیا نام تو ممکن ہے اہل عجم بھی عربی ناموں پر اپنے نام رکھتے ہوں خصوصیت کے ساتھ اس علاقہ کے باشندے جو عرب کے پڑوس میں تھے۔ اسی طرح نہروان اگرچہ عراق میں واقع ہے لیکن عراق خصوصیت کے ساتھ عراق کا وہ حصہ جو دجلہ کے مشرق میں واقع ہے ایرانی حکومت میں واقع تھا اور شاہان فارس کے دارالسلطنت سے بہت قریب تھا۔ میثم کے عجمی ہونے کے ثبوت میں امیر المومنینؑ کے لفظوں سے بھی تصدیق ہوتی ہے جب امیر المومنینؑ نے قبیلہ بنی اسد کی ایک خاتون سے



کیا۔ ابن زیاد نے انھیں قتل کرتے وقت کہا تھا، مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم سب سے زیادہ علیؑ کے دوست تھے۔ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنا علم حاصل کیا کہ آپ کے صحابہ میں بلحاظ علم سب پر فوقیت کے حامل ہوتے پھر امیر المومنینؑ کی وفات کے بعد امام حسنؑ اور امام حسینؑ سے اکتساب علم کیا۔ امیر المومنینؑ مسجد سے نکل کر میثم کی دوکان پر تشریف لاتے۔ میثم کھجوریں بیچا کرتے تھے۔ امیر المومنینؑ ان سے مصروف گفتگو ہوا کرتے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ آپ میثم کو کسی کام سے بھیج دیتے اور ان کی غیر موجودگی میں کوئی خریدار آتا تو میثم کی جگہ خود اسے کھجوریں تول کر دے دیتے۔ ایک دن اسی طرح میثم کی عدم موجودگی میں آپ نے کسی خریدار کو کھجوریں تول کر دیں اور خریدار کھوٹا سکہ دے کر چلتا بنا۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کھجوریں وہاں جا کر کڑوی ہی نکلیں گی۔ تھوڑی ہی دیر میں گاہک کھجوریں لے کر واپس آیا کہ یہ تو کڑوی ہیں۔ امیر المومنینؑ نے اس کا کھوٹا درہم اسے واپس کر دیا۔ (بحار الانوار ج ۵ ص ۵۴۳ بحوالہ مناقب ابن شہر آشوب)

کتنا عظیم المرتبت تھا وہ امام اور کتنا عظیم المرتبت تھا وہ ماموم۔ امام بازار میں ایک رعیت کی دوکان پر بیٹھے ہیں اور اس کی طرف سے کھجوریں فروخت کرتے ہیں۔ یہ امام کے تواضع کی انتہا اور اہل ایمان و علم کے ساتھ محبت و مہربانی کی بہترین مثال ہے۔ اور ماموم ایسا رفیع المنزلت کہ امام وقت اور بادشاہ زمانہ اس کے پاس بیٹھتا ہے حالانکہ اس کی حیثیت ایک کھجور بیچنے والے سے زیادہ کی نہ تھی۔ شہر میں انھیں نہ کوئی خاص وجہ حاصل تھی نہ کسی بڑے قبیلہ ہی کے تھے بلکہ وہ تو ایک آزاد کردہ غلام تھے۔

امیر المومنینؑ نے انھیں خرید کر آزاد کیا لیکن ان کے غلام ہونے کی وجہ سے یہ ضروری نہیں کہ وہ اسود حبشی بھی ہوں۔ اس لیے کہ عربوں نے فارس اور آس پاس کے تمام ملکوں کو فتح کر لیا تھا جہاں کے باشندے سفید رنگ کے تھے اور فتح کے نتیجے میں جتنے کافر قید ہوئے وہ غلام بنائے گئے۔ اس بنا پر ہرگز یہ نہیں کہا جاسکتا کہ میثم حبشی تھے بلکہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وہ سفید رنگ کے رہے ہوں گے کیونکہ ان کا اصل وطن نہروان تھا اور وہاں کے لوگ سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ ہاں اگر ان کا وطن حبش، سوڈان، نوبہ وغیرہ ہوتا تو یہ کہا جاسکتا تھا کہ میثم حبشی تھے۔

## رسول اللہ اور میثم

جناب میثم کی یہ شان و منزلت ہے کہ رسول خداؐ نے آپ کے بارے میں امیر المومنینؑ کو وصیتیں فرمائیں۔ پیغمبر خداؐ کے بعد کے آنے والوں میں ہمیں گنتی کے دو چار افراد ہی ایسے ملتے ہیں جن کا ذکر پیغمبر خداؐ کی زبان پر آیا ہو، جیسے زید بن صوحان، اویس قرنی، میثم تمار وغیرہ۔ حالانکہ بعد کے آنے والے مسلمانوں کی تعداد بھی بہت زیادہ تھی اور ان میں مجاہدین اور علماء صالحین بھی خاصی تعداد میں ہوئے۔

## امیر المومنینؑ اور میثم

امیر المومنینؑ سے میثم کو وہی نسبت تھی جو جناب سلمان فارسیؓ کو پیغمبر خداؐ سے حاصل تھی ابن زیاد نے انھیں محض اسی تقرب اور صحابی امیر المومنینؑ ہونے اور آپ کی محبت میں مشہور ہونے کے سبب قتل



میں اپنی تمام توانائیاں صرف کر ڈالیں تو بہت ممکن ہے کہ دشمنان امیر المومنین آپ کے فضائل و مناقب چھپانے میں کسی حد تک کامیاب ہو جاتے۔

## اہل بیت اور میثم

میثم نے اپنے ام کو پہچانا، ان کی اطاعت کی جس طرح اپنے پروردگار اور رسول کی معرفت حاصل کر کے ان کے اوامر و نواہی کے پابند ہوئے، ام کی اطاعت جیسی کی جب دل سے ان کو دوست رکھا اور انھیں اپنی جان کا مالک و مختار سمجھا۔ میثم ان صاحبان معرفت میں سے تھے جنھیں بخوبی اس کی واقفیت تھی کہ امامت کیا چیز ہے اور کون سزاوار امامت ہے۔ وہ علی الاعلان امامت کا چرچا کیا کرتے تھے، وہ بڑی سے بڑی رکاوٹ کو خاطر میں نہیں لائے حتیٰ کہ اپنی جان کی بھی انھیں پروا نہیں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ پیغمبر خدا اور امیر المومنین کے بعد ائمہ طاہرین برابر ان کا ذکر کیا کیلے اور مدح و ستائش بھری لفظیں ان کے بارے میں کہیں۔ جناب ام سلمہ نے میثم سے امام حسین کے متعلق کہا کہ وہ برابر تمھیں یاد کیا کرتے تھے (رجال کشی)، امام محمد باقر فرمایا کرتے میں انھیں حد سے زیادہ دوست رکھتا ہوں۔ امام جعفر صادق ان کے لیے دعائے رحمت کیا کرتے اور اکثر ان کا ذکر آپ کی زبان پر آیا کرتا۔ ظاہر ہے کہ امام ایسے ہی شخص کے لیے دعائے رحمت کر سکتے ہیں جس کا ایمان ثابت اور جس کا علمی درجہ بہت بلند ہو۔ یہ درجہ و منزلت تھی میثم کی ائمہ اہل بیت کے نزدیک جیسا کہ خود میثم کے دل میں ان ائمہ طاہرین کی قدر و منزلت تھی۔ انھیں ائمہ طاہرین کی محبت میں انھوں نے جان دینا اور سولی پر چڑھنا گوارا کیا اور اظہار برأت کے مطالبہ کو ٹھکرا دیا۔

امیر المومنین انھیں پاکیزہ علوم تعلیم فرماتے، انھیں اسرار کی باتوں پر مطلع کرتے یہاں تک کہ آپ اکثر و بیشتر ابن زیاد کے ان ہولناک مظالم کا تذکرہ کرتے جو ان پر وہ اپنے زمانے میں ڈھانے والا تھا اور جناب میثم کہا کرتے، راہ خدا میں یہ سب بہت کم ہے۔ امیر المومنین جب تنہائی میں مناجات فرماتے یا رات کے وقت صحرا کی طرف نکلتے تو میثم آپ کے ساتھ ہوتے اور آپ کی دعائیں اور مناجات سنتے۔ (بخاری الانوار ج ۱ ص ۱۱۱) اس سے پتہ چلتا ہے کہ میثم سے آپ کو خاص خصوصیت تھی اور امیر المومنین انھیں ایسی باتوں سے آگاہ کرتے جن باتوں سے کسی کو آگاہ نہ فرماتے۔ تنہائی اور مناجات کے وقت امیر المومنین کے پاس بس وہی ہو سکتا تھا اور آپ کا انداز تعبد و خضوع و خشوع وہی مشاہدہ کر سکتا تھا جس کا ایمان یقین مضبوط ہو، جو سرا سیمگی و اضطراب کا شکار نہ ہو جائے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے اوقات میں امیر المومنین بس گنتی کے دو چار ہی اصحاب کو اپنے پاس رکھتے جیسے میثم، کمال بن زیاد اور انھیں جیسے دو ایک حاملین اسرار صحابہ کرام۔

امام حسن و امام حسین بھی میثم کے ساتھ والد بزرگوار ہی جیسا برتاؤ کرتے بس فرق اتنا ہوا کہ امیر المومنین کی شہادت کے چند ہی مہینوں کے بعد امام حسن و امام حسین مدینہ چلے گئے اور میثم کوفہ میں رہ گئے۔ بہت ممکن ہے کہ کوفہ میں ان کا قیام ان دونوں شاہزادوں کے حکم ہی سے ہو کیونکہ کوفہ والے میثم کے زیادہ اطاعت گزار اور ان کی باتوں کو گوش دل سے سنا کرتے۔ اکثر میثم اور انھیں جیسے دوسرے امیر المومنین کے اصحاب نہ ہوتے جنھوں نے امیر المومنین کے فضائل و مناقب کی نشر و اشاعت



ہوگا۔ میثم دین و شریعت کے بیش از بیش علوم کے حامل ہونے اور علم کے مطابق عمل کرنے ہی کی وجہ سے سر بلند ہوئے۔ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰهُم ان کا بے پایاں علم اور امیر المومنینؑ سے اکتساب و استفادہ باوجودیکہ بہت مختصر مدت اس کے لیے انھیں ملی صرف اس وجہ سے تھا کہ ان کی طبیعت پاکیزہ تھی اور مہر فیض کی طرف سے صلاحیت و استعداد لے کر آئے تھے۔ میثم کا علمی درجہ کتنا بلند تھا اس کا اندازہ ان کے فرزند صالح کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی کہ آپ مجھے حدیث کی تعلیم دیجیے۔ امام نے فرمایا کیا تم نے اپنے باپ سے حدیثیں نہیں سنیں۔ صالح نے کہا نہیں۔ میں ان کی زندگی میں بہت کم سن تھا۔ امام محمد باقرؑ کا صریحی مطلب یہ تھا کہ میثم نے امیر المومنینؑ سے اتنے علوم حاصل کیے تھے کہ اگر صالح کو ان سے استفادہ کا موقع ملتا تو انھیں کسی اور کے پاس جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

### علم المنايا والبلايا

یعنی موتوں کا علم اور ان واقعات و حادثات کا علم جن میں آئندہ لوگ مبتلا ہونے والے تھے۔ امیر المومنینؑ نے اپنے خاص الخاص اصحاب کو اس علم سے بہرہ مند کیا۔ میثم بھی اس علم کے امانت داروں میں سے تھے۔ انھیں معلوم تھا کہ انھیں کون قتل کرے گا اور کیونکر قتل کرے گا؟ وہ صرف اپنی ہی پیش آنے والی مصیبتوں سے آگاہ نہ تھے بلکہ دوسروں پر جو پیش آنے والی تھیں ان کا بھی انھیں علم تھا۔ چنانچہ بنی اسد کی بزم میں ان کی ملاقات حبیب بن مظاهر سے ہوئی، دونوں دیر تک راز و نیاز کی باتیں کرتے رہے، سلسلہ

MOWLANA NASIR DEVJANI  
MAHURA GUJARAT, INDIA  
PHONE 0091 2844 28711  
MAIL: devjani@netcourrier.com

### عزیز ترین شاگرد

شاگرد اپنے استاد کی مثال ہوا کرتا ہے، علم ہی میں نہیں بلکہ اخلاق و مکارم میں بھی اس کا نمونہ ہوا کرتا ہے۔ استاد اپنے شاگرد میں اپنی روحانی و علمی زندگی دیکھتا ہے اور اسے اپنے فضائل و کمالات کا منظر سمجھتا ہے۔ امیر المومنینؑ میثم کو حد سے زیادہ محبوب رکھتے تھے۔ اور محبوب رکھنا بھی چاہیے تھا کیونکہ میثم آپ کے علم و عمل، ارشاد و ہدایت اور رفتار و گفتار کا نمونہ تھے۔ آپ کے پاکیزہ اخلاق اور خیر و صلاح کا نمونہ تھے۔ میثم ہی جیسے اصحاب کے ذریعہ حجت قائم، دین سر بلند اور شریعت زندہ ہوئی۔ وہ آپ کی درسگاہ کے ہونہار شاگرد، آپ کے علوم کے حامل، آپ کے رموز و اسرار کا مخزن تھے ایسے رموز و اسرار جن کا متحمل بس وہی شخص ہو سکتا تھا جس کے ایمان کو اللہ نے پرکھ لیا ہو۔ امیر المومنینؑ میثم کو اتنی اہمیت دیتے، اتنی عزت و توقیر فرماتے کہ بازار میں ان کے پاس بیٹھا کرتے۔ آنے جانے والے آپ کو دیکھتے کہ آپ ان سے مصروف گفتگو ہیں، ان کو تعلیم فرما رہے ہیں، علوم الہیہ سے انھیں فیضیاب کر رہے ہیں۔ اہل علم و دیندار مومنین کی امیر المومنینؑ کی نگاہوں میں وہ قدر و منزلت تھی اور اس طرح ان سے پیش آتے جیسے انھیں میں سے ایک ہوں۔ آپ ان کے پہلو بہ پہلو بیٹھتے اور ہر بات میں ان کو برابر کا درجہ دیتے۔

علم

خداوند عالم اور اہل ایمان کے نزدیک کوئی شخص علم دین ہی کی وجہ سے سر بلند و سرفراز ہوتا ہے۔ جس کا جتنا علم ہوگا اسی لحاظ سے اس کا درجہ



گفتگو میں حبیب بن مظاہر نے کہا، میں ایک گنچے سر پر شکم شخص کو دیکھ رہا ہوں جو دارالرزق کے پاس خر بوزے بیچا کرتا ہے وہ اہل بیت پیغمبر کی محبت میں لکڑی پر سولی دیا جائے گا اور اس کا پیٹ چاک کر ڈالا جائے گا۔ میثم نے کہا، میں بھی ایک سرخ رنگ کے انسان کو دیکھ رہا ہوں جو نواسۂ رسول کی نصرت میں نکلے گا اور قتل کیا جائے گا، کوفہ میں اس کے سر کی تشہیر ہوگی۔ وہ دونوں یہ باتیں کر کے اپنی اپنی راہ لگے۔ اس موقع پر دوسرے لوگ جو ان دونوں کی گفتگو سن رہے تھے ہنسے اور مذاق اڑانے لگے۔ ان لوگوں نے کہا ان دونوں شخصوں سے بڑھ کر جھوٹا ہم نے نہیں دیکھا۔ ابھی مجمع پر آگندہ نہیں ہوا تھا کہ رشید حجری ان دونوں کو پوچھتے آ پہنچے۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ ایسی ایسی باتیں کر کے اپنی اپنی راہ گئے۔ رشید نے کہا، خدا رحم کرے میثم پر، وہ یہ بات تو بھول ہی گئے کہ حبیب بن مظاہر کا سر لانے والے کی تنخواہ میں سو روپے کا اضافہ بھی ہوگا۔ حاضرین نے کہا، خدا کی قسم! یہ تو ان دونوں سے بھی بڑھ کر جھوٹے نکلے۔ مگر تھوڑے ہی دن گزرے ہوں گے کہ یہ ساری باتیں پیش آکر رہیں۔ (رجال کشی)

ایک مرتبہ میثم امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، دیکھا کہ آپ سو رہے ہیں۔ انھوں نے آواز بلند کہا، اے سونے والے اٹھیے، خدا کی قسم آپ کی ریش مبارک آپ کے سر کے خون سے رنگین ہو گئی (رجال کشی) میثم کا مطلب یہ نہ تھا کہ امیر المومنین اس بات سے ناواقف تھے اور میثم آپ کو خبر دے رہے تھے بلکہ ان کا مطلب یہ تھا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ امیر المومنین کے ساتھ کیا حادثہ ہونے والا ہے اور میثم کے معلومات کا بھی لوگوں کو اندازہ ہو جائے تاکہ لوگ ان کے معلومات سے فائدہ اٹھائیں۔

## علم تاویل

قرآن مجید کی آیات کی تاویل کا اصل عالم خدا اور وہ لوگ ہیں جن کے



۲۔ میثم کو جو علم حاصل تھا وہ ابن عباس کو حاصل نہ تھا، اسی لیے میثم جو کچھ بتاتے گئے ابن عباس لکھتے گئے۔

۳۔ میثم علم کے بلند درجے پر فائز تھے اور قابل اعتماد و وثوق تھے، اس لیے کہ ابن عباس نے ان کی بیان کردہ باتیں بغیر کسی تامل کے لکھ لیں۔

۴۔ ابن عباس کو موتوں اور آنے والے حادثات و واقعات کا بالکل علم نہ تھا ورنہ میثم کے یہ کہنے پر کہ اس دن آپ کا کیا حال ہوگا جب آپ مجھے سولی پر لٹکا دیکھیے گا، وہ انکار نہ کرتے اور ان کی اس پیشین گوئی کو کہانت قرار نہ دیتے حالانکہ ابن عباس نے امیر المومنینؑ دیکھا بھی اور اس قسم کے اسرار و رموز بیان کرتے سنا بھی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان علوم کے تحمل کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔

## ثبات واستقلال

امیر المومنین علیہ السلام نے جب میثم کو ان مصائب و شدائد سے آگاہ کیا جو آگے چل کر انھیں پیش آنے والے تھے تو میثم نے عرض کی امیر المومنینؑ میں ان تمام مصائب پر صبر کروں گا۔ اللہ کی راہ میں یہ سب مصیبتیں تو بہت کم ہیں۔ ایک دن امیر المومنینؑ نے ان سے فرمایا کہ تمھیں سولی دی جائے گی اور اسی سولی پر تمھارا دم نکلے گا۔ میثم نے عرض کی مولا میں فطرت اسلام پر تو باقی رہوں گا۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ تو میثم کی تمام تر نظر انجام اور آخرت پر تھی، انھیں سولی دیے جانے کی کوئی پروا نہیں تھی۔ جب میثم گرفتار کیے گئے اور ابن زیاد نے انھیں سولی دیے جانے کا حکم دیا تو انھیں پورا موقع اس کا حاصل تھا کہ بھاگ کر اپنی جان بچائیں، کوفہ میں ان کے

گھر میں قرآن نازل ہوا اور جنھوں نے اللہ تعالیٰ سے علم حاصل کیا یہی لوگ راسخون فی العلم ہیں۔ آیات قرآنی کی تاویل اور کون آیت محکم ہے اور کون آیت متشابہ، یہ بس راسخون فی العلم ہی بتا سکتے ہیں۔ پیغمبر نے ان لوگوں کی حدیث ثقلین کے ذریعہ نشان دہی بھی کر دی کہ وہ قرآن کے ہمسرہ ہیں، انھیں کو قرآن کا مکمل علم ہے۔ میثم تمار تفسیر قرآن کے بھی عالم تھے اور انھوں نے علم تفسیر امیر المومنینؑ سے حاصل کیا۔ ایک مرتبہ مدینہ میں میثم اور عبداللہ بن عباس کی ملاقات ہوئی، میثم نے کہا تفسیر قرآن کے متعلق جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو کیونکہ میں نے امیر المومنینؑ سے پڑھا ہے اور آپ نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔ عبداللہ بن عباسؑ نے قلم و دوات منگوا یا تاکہ میثم جو کچھ بتاتے جائیں وہ لکھتے جائیں۔ قبل اس کے کہ وہ کچھ لکھیں میثم نے ان سے کہا، آپ کا کیا حال ہوگا جب کہ آپ مجھے سولی پر لٹکا ہوا دیکھیے گا۔ ابن عباس نے کہا، تم تو کاہنوں جیسی باتیں کرنے لگے (جو غیب کی خبریں بیان کرتے ہیں) یہ کہہ کر انھوں نے کاغذ ہاتھ سے رکھ دیا۔ میثم نے کہا جلدی نہ کیجیے، میں جو کچھ بتاؤں اگر وہ حق بات ہو تو اسے اختیار کیجیے گا ورنہ ترک کر دیجیے گا۔ پھر انھوں نے آیات الہی کی وہ تفسیر بیان کی جو امیر المومنینؑ سے سن رکھی تھی۔ (رجال کشی ص ۵۴)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوتی ہیں :

۱۔ میثم پورے قرآن کی تاویل کے عالم تھے جیسی انھوں نے ابن عباس سے کہا تھا، تفسیر قرآن میں جو کچھ پوچھنا چاہو پوچھ لو کیونکہ میں نے قرآن علی بن ابی طالب سے پڑھا ہے اور انھوں نے اس کی تاویل کی مجھے تعلیم دی ہے۔



دن دیکھنے میں آئی جب ابن زیاد نے انھیں سولی دیے جانے کا حکم دیا۔ ابن زیاد انتہائی سفاک اور جلاد انسان تھا۔ خون ریزی اس کا محبوب مشغلہ تھا، خصوصیت کے ساتھ اہل بیت طاہرین اور ان سے تعلق خاطر رکھنے والوں کا توجہ جانی دشمن تھا۔ میثم جو امیر المومنینؑ کے عزیز ترین شاگرد تھے، جو بہ بانگ دہل آپ کی محبت و ولایت کا اعلان کرتے پھرتے، آپ کے فضائل و کمالات کی نشر و اشاعت کرتے، ان کو ابن زیاد کیسے چھوڑ سکتا تھا۔ بس ایک ہی چیز ابن زیاد کی چیرہ دستیوں سے محفوظ رکھ سکتی تھی وہ یہ کہ میثم امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اعلان کریں لیکن میثم ایسے صادق الایمان اور قوی دل والے انسان کے لیے اور سب کچھ ممکن تھا مگر امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار ناممکن تھا۔ خصوصیت کے ساتھ ایسی صورت میں جبکہ امیر المومنینؑ نے اظہار بیزاری سے ممانعت بھی فرمادی تھی۔ آپ نے ارشاد فرمایا تھا اگر کوئی مجھے گالیاں دینے پر مجبور کرے تو تم گالیاں دے لینا، یہ میرے لیے پاکیزگی اور تمہارے لیے باعث نجات ہوگی لیکن اگر کوئی مجھ سے اظہار بیزاری پر تمہیں مجبور کرے تو ہرگز نہ کرنا کیونکہ میں فطرت اسلام پر پیدا ہوا اور سب سے پہلے ایمان بھی لایا اور ہجرت بھی کی۔ ابن زیاد نے میثم کو مجبور کیا کہ وہ امیر المومنینؑ سے بیزاری کا اظہار کریں۔ میثم نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا ابن زیاد نے کہا تمہیں بہر حال علی بن ابی طالب سے بیزاری کا اظہار کرنا اور ان کے معائب بیان کرنا ہوں گے ورنہ میں تمہارے ہاتھ پیر کاٹ کر سولی پر چڑھا دوں گا۔ میثم نے کہا میرے مولا علی بن ابی طالب مجھے پہلے ہی خبر دے چکے ہیں کہ میرے ہاتھ پیر کاٹے جائیں گے اور مجھے سولی دی جائے گی میں نے آپ سے پوچھا تھا، یہ ساری باتیں کس شخص کے ذریعہ عمل میں

چاہنے والے بہت سے تھے۔ ابنائے زمانہ جس طرح زمانہ کا رنگ دیکھ کر اپنا رنگ بدل لیتے ہیں اور حکومت سے زمانہ سازی کرتے ہیں، میثم بھی کر سکتے تھے لیکن اسی وقت میثم کے کمال ایمان اور ان کی نفسیات کا شاندار مظاہرہ ہوا۔ وہ اس وقت موت اور زندگی کے درمیان معلق تھے مگر انھوں نے ایمان پر باقی رہ کر جان دینا گوارا کیا، ان کی باتوں میں نہ نرمی آئی نہ انداز خطا میں شان انکسار پیدا ہوئی۔ انھوں نے بے ڈرے جھکے ابن زیاد سے کہا، امیر المومنینؑ نے مجھے پہلے ہی بتا دیا تھا کہ تمہیں مکینہ و ناپاک، بدکار عورت کا فرزند ابن زیاد گرفتار کرے گا۔ میثم نے یہ فقرہ اس وقت کہا جب کہ انھیں یقین تھا کہ انھیں ابن زیاد سولی ضرور دے کے رہے گا۔ جب ابن زیاد کے ملازموں نے ان کی زبان قطع کرنی چاہی تو بولے بدکار عورت کا فرزند مجھے اور میرے مولا کو جھٹلانا چاہتا ہے۔ اسی طرح ابن زیاد کے یہ پوچھنے پر ابن ربیعہ تمہارا پروردگار کہاں ہے؟ میثم نے برجستہ کہا اللہ تعالیٰ ہر ظالم کی گھات میں ہے اور تم بھی انھیں ظالموں میں سے ہو۔ کیا یہ تمام باتیں میثم کی صلابت ایمان اور یقین محکم کا ثبوت نہیں؟ ابتلا و آزمائش کی گھڑیوں میں ایسا ہی ثبات و استقلال ہونا چاہیے۔

## قوت قلب

دل کی قوت بھی ایمان کی قوت کا ثمرہ ہے۔ جس شخص کی آنکھوں میں اللہ بڑا ہوگا اس کی آنکھوں میں خدا کے سوا ہر چیز کمتر و حقیر ہوگی۔ جو شخص قیامت کے عقاب کو عظیم سمجھے گا، روز جزا ثواب ملنے کا یقین رکھے گا وہ اس دنیا میں پیش آنے والی ہر مصیبت کو آسان سمجھے گا۔ یہ صفت جناب میثم میں اس



اس کے بعد میثم اپنی قوم کے چودھری کی طرف سے گزرتے اور اس سے کہتے، اے بھائی! میرے پیش نظر وہ زمانہ ہے جب تم کو بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد بلا کر میری گرفتاری کو بھیجے گا اور چند روز تک تم مجھے طلب کرتے رہو گے۔ پھر جب میں آؤں گا تو مجھے تم اس کے پاس پہنچا دو گے جس کے بعد وہ مجھے عمرو بن حریث کے دروازے پر قتل کرے گا۔ جب چوتھا دن ہوگا تو میری ناک کے دونوں تھنوں سے تازہ خون جاری ہوگا۔

عمرو بن حریث کے مکان سے متصل کھجور کا ایک درخت تھا، جناب میثم اکثر اس درخت کے پاس سے گزرتے اور اپنے ہاتھ سے ٹھیک کر کے کہتے، اے درخت! تو اسی لیے غذا پارہا ہے کہ میں تجھ پر سولی دیا جاؤں اور میں اسی لیے غذا پارہا ہوں کہ تجھ پر سولی پاؤں۔ آپ عمرو بن حریث کے پاس سے بھی گزرتے اور اس سے کہتے، اے عمرو! جب میں تمہارے پڑوس میں آؤں گا تو میرے ساتھ اچھے پڑوسی کا برتاؤ کرنا۔ عمرو بن حریث اس کا اصلی مطلب نہیں سمجھتا اور خیال کرتا کہ معلوم ہوتا ہے میثم اس محلہ میں کوئی مکان خریدنا چاہتے ہیں اس وجہ سے ان کو جواب دیتا کہ سبحان اللہ! تم اس محلہ میں آؤ گے تو مجھے کیسی خوشی ہوگی۔ اس کے بعد میثم حج کرنے کے لیے مکہ معظمہ روانہ ہو گئے۔ ان کے جانے پر ابن زیاد نے ان کے محلہ کے اسی چودھری کو بلا کر کہا، میثم کو گرفتار کر لاؤ۔ اس نے بیان کیا وہ تو مکہ معظمہ گئے ہوئے ہیں۔ ابن زیاد نے کہا، یہ سب میں نہیں جانتا، اگر تم ان کو نہیں لاؤ گے تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔ چودھری نے اس کام کے لیے کچھ مہلت طلب کی، ابن زیاد نے مہلت دے دی جس کے بعد وہ چودھری میثم کے انتظار میں شہر قادیسیہ کی طرف چلا گیا۔ میثم مکہ سے واپس آ کر دربار ابن زیاد میں پہنچے

لائی جائیں گی۔ امیر المومنین نے فرمایا تھا عبید اللہ بن زیاد۔ کیا اندازہ ہو سکتا ہے اس قوت قلب اور ہمت و جرات کا؟ میثم ابن زیاد کے منہ پر اسے ایسا سخت جواب دے رہے ہیں اور اس کے حسب نسب کا پول بھی کھولے دے رہے ہیں۔ میثم سولی پر چڑھے اسی طرح لوگوں سے امیر المومنین اور اہل بیت طاہرین کے فضائل اور ان کے دشمنوں کے معائب بیان کرتے رہتے۔ سولی پر چڑھ کر موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح تقریر کرنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ کام تو ایسے ہی کامل الایمان بندے کر سکتے ہیں جو نہ موت کو خاطر میں لاتے ہیں نہ انھیں اس بات کی پروا کہ کس طرح موت آئے گی۔ ان کے دل میں بس خوف اللہ کی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ موت کو فنا کے گھر سے بقا کے گھر تک اور مصیبت و بد حالی سے خوش بختی و سعادت تک جانے کے لیے ایک پل سمجھتے ہیں۔ (میثم تمار مولفہ محمد حسین المظفری مترجمہ مولانا محمد باقر الفتویٰ مرحوم)

## حق کے داعی جناب میثم کا یقین اور شہادت

جناب میثم بیان کرتے تھے کہ ایک روز حضرت امیر المومنین نے مجھے بلایا اور فرمایا، کیوں میثم اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب بنی امیہ کا حاکم ابن زیاد تمہیں طلب کر کے کہے گا کہ مجھ سے تبرا کرو۔ میں نے عرض کی خدا کی قسم میں حضور سے تبرا نہیں کروں گا۔ حضرت نے فرمایا تب وہ تم کو قتل کر کے سولی دے دے گا۔ میں نے عرض کیا، کیا مضائقہ ہے، میں صبر کروں گا کہ راہ خدا میں یہ معمولی بات ہے۔ حضرت نے فرمایا اے میثم اگر تم صبر کرو گے تو بروز قیامت میرے ساتھ میرے ہی درجہ میں رہو گے۔



کاٹا جائے گا جو کناسہ میں ہے۔ اس کے چار ٹکڑے کیے جائیں گے، ایک ٹکڑے پر تم کو سولی دی جائے گی، دوسرے پر حجر بن عدی کو، تیسرے پر محمد بن اکثم کو اور چوتھے پر خالد بن مسعود کو۔ میثم کہتے تھے کہ حضرت کی ان باتوں پر مجھے شک ہوا اور میں نے دل میں کہا کہ حضرت ہم لوگوں سے غیب کی باتیں بیان کر رہے ہیں اور حضرت سے عرض کی، حضور کیا واقعہ باتیں ہونے والی ہیں؟ حضرت نے فرمایا ہاں خدا کی قسم ایسا ہی ہوگا کیوں کہ حضرت رسول خدا مجھے اسی طرح خبر دے گئے ہیں۔ میں نے عرض کی میری یہ سزا کس جسم میں ہوگی۔ حضرت نے فرمایا اس لیے کہ ابن زیاد تمہیں گرفتار کرے گا اور مجھ سے تبراکر نے کو کہے گا، تم نہیں کرو گے۔

میثم یہ بھی بیان کرتے تھے کہ ایک دفعہ حضرت جبانہ کی طرف تشریف لے جانے لگے، میں بھی ساتھ تھا، وہاں سے حضرت محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت کے پاس سے گزرے تو مجھ سے فرمانے لگے، اے میثم! تمہارے اور اس درخت کے درمیان بڑا تعلق ہے۔ میثم کہتے تھے کہ جب (حضرت امیر المومنین کے بہت دنوں بعد) ابن زیاد کوفہ کا حاکم بنایا گیا تو وہ اس میں پہنچا تو اس کا علم محلہ کناسہ کے اسی کھجور کے درخت سے لپٹ کر پھٹ گیا۔ اس نے اس سے فال بدلی اور حکم دیا کہ وہ درخت کاٹ دیا جائے، تب اس درخت کو ایک شخص نے خرید لیا اور اس کے چار ٹکڑے کر ڈالے۔ میثم کہتے تھے کہ میں نے اپنے بیٹے صالح سے کہا کہ لوہے کی ایک کیل لاؤ اور اس پر میرا اور میرے باپ کا نام لکھ کر اس درخت کی کسی شاخ میں ٹھونک دو۔ جب اس واقعہ کو کچھ دن گزر گئے اور میں ابن زیاد کے پاس گیا تو عمرو بن حرث نے ابن زیاد سے کہا، اے امیر!

تو اس نے پوچھا تم ہی میثم ہو؟ انھوں نے کہا میں ہی میثم ہوں۔ اس نے کہا ابوتراب سے تبراکر و۔ انھوں نے کہا میں ابوتراب کو کیا جانوں؟ کہا علی بن ابی طالب سے تبراکر و۔ میثم نے کہا اگر میں نہ کروں تو کیا ہوگا؟ کہا خدا کی قسم، میں تمہیں ضرور قتل کر دوں گا۔ آپ نے جواب دیا میرے مولا و آقا تو مجھے پہلے سے خبر دیتے تھے کہ تو مجھے قتل کرے گا اور عمرو بن حرث کے دروازے پر سولی بھی دے گا اور جب چوتھا دن آئے گا تو میری ناک کے دونوں نٹھنوں سے تازہ خون جاری ہو جائے گا۔

ابن زیاد کے حکم سے آپ سولی پر چڑھا دیے گئے۔ آپ نے اسی طرح سولی پر چڑھے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا کہ جو تمہیں پوچھنا ہو مجھ سے میرے قتل ہونے کے پہلے پوچھ لو، خدا کی قسم قیامت تک جتنی باتیں ہونے والی ہیں وہ سب میں تم کو بتا سکتا ہوں اور جو کچھ فتنہ و فساد ہوں گے ان سب کی خبر بھی دے دوں گا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا اور آپ ابھی ان کو ایک بات ہی بتلنے پائے تھے کہ ابن زیاد کا آدمی آیا اور ایک لگام آپ کے منہ میں لگا دی۔ آپ ہی وہ بزرگ ہیں جن کے منہ میں اس وقت لگام لگائی گئی جب آپ سولی پر تھے۔ چنانچہ اس لگام کی وجہ سے آپ کی زبان رک گئی اور پھر کوئی بات آپ نہ بیان کر سکے۔

حضرت امام علی رضا فرماتے تھے کہ ایک دفعہ میثم حضرت امیر المومنین کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے تو معلوم ہوا آپ سوتے ہیں، انھوں نے حضرت کو بیدار کیا اور عرض کی، حضور کی داڑھی حضور کے سر کے خون سے سرخ کی جائے گی۔ حضرت نے فرمایا سچ کہتے ہو اور تمہارے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان بھی کاٹ دی جائے گی اور کھجور کا وہ درخت بھی



آپ اس کو پہچانتے ہیں؟ اس نے پوچھا کون ہے؟ اس نے کہا (معاذ اللہ) کذاب علی بن ابی طالب کا کذاب غلام میثم تمار ہے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد برابر ہو بیٹھا اور مجھ سے پوچھا تم کیا کہتے ہو؟ میں نے کہا یہ (عمر بن حریش) بالکل غلط کہتا ہے بلکہ میں صادق ہوں اور میرے مولا و آقا علی بن ابی طالب بھی صادق تھے۔ اس نے کہا اچھا تم علی سے تبرا کرو، ان کی برائیاں بیان کرو، عثمان کو دوست رکھو اور ان کی خوبیاں بیان کرو ورنہ میں تمہارے دونوں ہاتھ کٹوا کر تم کو سولی دے دوں گا۔ یہ سنتے ہی میں رونے لگا، ابن زیاد نے کہا، ابھی تو تم قتل نہیں کیے گئے صرف قتل کی دھمکی سنتے ہی رونے لگے۔ میں نے کہا، خدا کی قسم، میں اپنے قتل کی خبر سے نہیں روتا بلکہ اپنے اس شک کی وجہ سے روتا ہوں جو مجھے اس روز ہو گیا تھا جس دن میرے آقا، میرے مولا، میرے سردار نے میرے متعلق مجھے خبر دی تھی۔ ابن زیاد نے پوچھا، انھوں نے تمہیں کس بات کی خبر دی تھی؟ میں نے کہا حضرت نے فرمایا تھا کہ میرے دونوں ہاتھ پاؤں اور زبان کاٹ دی جائے گی اور میں سولی دے دیا جاؤں گا۔ میں نے پوچھا تھا کہ حضور کون مجھ پر یہ ظلم کرے گا؟ حضرت نے فرمایا تھا کہ ظالم ابن زیاد یہ سنتے ہی ابن زیاد غصہ سے بھوت ہو گیا۔ پھر کہا خدا کی قسم میں تمہارے دونوں ہاتھ اور پاؤں کاٹ دوں گا اور تمہاری زبان چھوڑ دوں گا کہ دنیا سمجھ لے تم بھی جھوٹے ہو اور تمہارے مولا بھی جھوٹے تھے۔

غرض میثم تمار کے دونوں ہاتھ پاؤں کاٹ کر ان کو سولی دی گئی۔ اس پر انھوں نے بلند آواز سے کہا لوگو! جو شخص حضرت علی کی راز والی حدیث سننی چاہے وہ جلد آکر سن لے۔ لوگ وہاں جمع ہو گئے اور میثم تمار ان سے

حضرت کی عجیب و غریب حدیثیں بیان کرنے لگے۔ اتنے میں عمرو بن حریش ادھر سے گزرا تو پوچھا، یہ کیسی بھیڑ ہے؟ لوگوں نے کہا دیا کہ میثم تمار حضرت علی کی حدیثیں بیان کر رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی وہ فوراً پلٹ گیا اور جا کر ابن زیاد سے کہا، حضور! جلد کسی کو بھیج کر میثم کی زبان کٹوا دیجیے ورنہ میں ڈرتا ہوں کہ وہ اپنی باتوں سے کوفہ والوں کے دل آپ لوگوں کی طرف سے پھیر دے گا اور لوگ حضور سے بغاوت کر بیٹھیں گے۔ یہ سنتے ہی ابن زیاد نے ایک جلا د سے کہا کہ جا اور ابھی میثم کی زبان کاٹ آ۔ وہ فوراً ان کے پاس پہنچا اور کہا میثم! انھوں نے پوچھا کیا کہتا ہے؟ اپنی زبان نکالو کہ امیر ابن زیاد نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے۔ یہ سنتے ہی میثم خوشی سے جھومنے لگے اور کہا، کیا وہ یہ نہیں کہتا تھا کہ وہ میری بات کو بھی جھوٹی کر دے گا اور میرے آقا و مولا کی خبر کو بھی غلط ثابت کرے گا۔ کیا یہ ممکن تھا کہ حضرت کی بات غلط ہو جائے۔ اب میری زبان خوشی سے کاٹ لے۔ غرض جلا د نے آپ کی زبان کاٹ ڈالی، جس کے بعد اس کثرت سے ان کا خون بہا کہ وہ فوراً مر گئے اور سولی پر چڑھا دیے گئے۔ صالح بیان کرتے تھے کہ اس واقعہ کے چند دنوں بعد میں وہاں گیا تو دیکھا کہ وہ اس کھجور کی اسی شاخ پر سولی دیے گئے ہیں جس میں میں نے ان کا نام لکھ کر کیل ٹھوک دی تھی۔ آپ کی خبریں بالکل سچی ہوتی تھیں۔ (تاریخ الائمہ ص ۲۳۲ تا ۲۳۴)

## روز شہادت

تمام روایتیں اس بات پر متفق ہیں کہ میثم امام حسین کے عراق پہنچنے سے دس روز پہلے شہید ہوئے۔ امام حسین ۲ محرم کو وارد کربلا ہوئے تھے



اسی کی عمر تک پہنچ چکے ہیں وہ بھی یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ یہ قبہ کب بنا قبة کے نیچے اوپر پوری عمارت میں کوئی تحریر بھی نہیں جس سے اس کا سال تعمیر معلوم ہو سکے۔ میثم کی قبر ہمیشہ سے شیعوں کی زیارت گاہ رہی۔ اس قبر پر ایک خادم مقرر ہے۔

## میثم کی اولاد

میثم کو خداوند عالم کی طرف سے کئی ایک صالح و نیکو کار بیٹے اور پوتے عطا ہوئے۔ مورخین نے ان کے چھ بیٹوں کے نام لکھے ہیں محمد، شعیب، صالح، علی، عمران اور حمزہ۔

محمد کار جال کی کتابوں میں کوئی ذکر نہیں ملتا۔ انھیں محمد نے اپنے باپ میثم سے اور محمد کے لڑکے علی نے جناب ابوطالب کے اسلام کے متعلق روایت کی نیز میثم کا یہ قول نقل کیا ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کے باپ داداؤں نے مرتے دم تک سوا خدا کے کسی کی عبادت نہیں کی۔ علامہ ابن حجر نے اس روایت کو بسلسلہ حالات ابی طالب اصابہ میں نقل کیا ہے اور سلسلہ حدیث کے بارے میں لکھا ہے کہ یہ خالص شیعہ سلسلہ ہے۔

دوسرے فرزند شعیب کو شیخ طاب ثراہ نے اصحاب امام جعفر صادقؑ میں شمار کیا ہے۔ ان کے فرزند یعقوب ہوئے جو بہت مشہور بزرگ ہیں۔ تیسرے فرزند صالح تھے جن کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ شیخ طاب ثراہ نے انھیں امام محمد باقرؑ و امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ ان کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ علامہ کے خلاصہ میں ہے کہ امام محمد باقرؑ نے ان صالح سے کہا، میں تمھیں بھی اور تمھارے باپ کو بھی انتہائی

اس بنا پر ۲۲ ذی الحجہ کو وہ قتل کیے گئے لیکن چونکہ سولی پر چڑھائے جانے کے دودن بعد میثم کی روح نے قفس عنصری سے پرواز کی تھی اس لیے ہمارا خیال یہ ہے کہ وہ ۲۰ ذی الحجہ کو سولی پر چڑھائے گئے اور ۲۲ کو ان کا دم نکلا۔ اور چونکہ امام کی شہادت جمعہ کے دن ہوئی اس لیے آپ عراق جمعرات کو پہنچے ہوں گے اور میثم بروز یکشنبہ سولی پر چڑھائے گئے اور بروز سہ شنبہ ان کی رحلت ہوئی۔

## میثم کا دفن

کھجور کے سات تاجروں نے آپس میں طے کیا کہ میثم کو رات میں دفن کر ڈالیں۔ پہرہ دار اس لکڑی کے گرد پہرہ دے رہے تھے جس پر میثم کو سولی دی گئی تھی۔ ان تاجروں نے آگ روشن کر دی اور اس کی آڑ میں پوری لکڑی کو اٹھا کر لے گئے۔ لاش انھوں نے قبیلہ مراد کے حیشمہ کے سرے پر دفن کر دی اور لکڑی کو کسی کھنڈر میں ڈال دیا۔ صبح کو ابن زیاد نے اپنے سپاہی تلاش کے لیے بھیجے مگر ان کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔ (میثم تمار مولفہ محمد حسین المظفری مترجمہ مولانا محمد باقر نقوی مرحوم)

## میثم کی قبر

میثم کا جہاں آج مقبرہ بنا ہوا ہے بے شمار دلائل و شواہد بتاتے ہیں کہ اسی میں وہ مدفون ہیں۔ شروع سے لے کر آج تک لوگ اسی کو ان کی قبر قرار دیتے ہیں۔ کوفہ میں سیکڑوں ہی صحابہ، تابعین اور اولیاء و صالحین اور علوی سادا مرے اور دفن ہوئے، سوائے چند قبروں کے بقیہ قبروں کا آج پتہ بھی نہیں۔ میثم کی قبر پر ایک قبہ بنا ہوا ہے لیکن مسجد کوفہ کے مجاورین جن میں بہت سے



## جناب فاطمہ زہرا کی غلام نوازی

جناب سیدہ جو بقول رسول جزو رسالت ہیں اور جن کے بارے میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو فاطمہؑ کا کوئی کفو نہ ہوتا۔ جناب فاطمہؑ علیؑ کے گھر آگئیں اور اب نئے انداز سے ہدایت شروع ہو گئی۔ بحرین کا اجتماع تھا اور اس انداز سے ہدایت ہو رہی تھی کہ مردوں کی ہدایت باہر ہوتی رہی اور عورتوں کی ہدایت اندر ہوتی رہی۔ باہر کی ہدایت سے سلمان وقنبر تیار ہوئے اور اندر کی ہدایت سے فضہ تیار ہوئیں۔ ادھر سلمان اتنے تیار ہوئے کہ رسولؐ نے منا اهل البيت کہا۔ ابو ذر ایسے تیار ہوئے کہ اصدق الناس کہلائے، اور قنبر ایسے تیار ہوئے علیؑ نے پیار سے بیٹا کہہ دیا۔ مگر فضہ کی تیاری عجب شان کی تھی گویا بحرین کے منہ سے موتی نکل رہے تھے۔ فضہ اس طرح تیار ہوئیں کہ ایک دن رسولؐ پوچھ رہے ہیں فضہ! کہو، کیا حال ہے؟ فضہ نے عرض کی حضور! میرا حال تو یہ ہے کہ مجھ سے بہتر کسی کا حال ہے ہی نہیں۔ رسولؐ نے پوچھا فضہ کیا بہتری دیکھی تو نے۔ عرض کی حضور! اس سے بہتر بھی کوئی بات ہو سکتی ہے کہ فاطمہؑ مجھے بہن کہتی ہیں اور میری خوشی میرے دل سے پوچھیے جب میں صبح کو سوکر اٹھتی ہوں تو حسینؑ ماں کہہ کر سلام کرتے ہیں، زینبؑ مجھے ماں کہہ کر سلام کرتی ہے، اس سے زیادہ مجھے کیا عزت چاہیے۔

دوست رکھتا ہوں۔ انھیں نے امام محمد باقرؑ سے درخواست کی تھی کہ مجھے حدیث کی تعلیم دیجیے۔ امام نے فرمایا تھا کیا تمھارے باپ نے تمھیں تعلیم نہیں دی؟ صالح نے کہا نہیں، کیونکہ میں ان کی زندگی میں بہت چھوٹا تھا۔ چوتھے فرزند علیؑ تھے جن کے متعلق عون بن محمدؑ کی بیان ہے کہ ائمہ کے حالات و اخبار کا ان سے بڑھ کر کوئی واقف کار نہ تھا۔ پانچویں فرزند عمران کو شیخ طاب ثراہ نے امام زین العابدینؑ پھر امام محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ کے اصحاب میں شمار کیا ہے۔ چھٹے فرزند حمزہ کا ہمارے علمائے رجال نے ذکر نہیں کیا۔



آپ روٹی پکالیجے۔ یہ کہہ کر جناب فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی: تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازکا معلوم ہوتا تھا، وہ باب فاطمہؑ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔

امام رضا علیہ السلام نے اپنے آبا کریم سے اور انھوں نے حضرت امام زین العابدینؑ سے روایت کی ہے کہ اسماء بنت عمیس نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں آپ کی جدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر ہوئی کہ جناب رسولؐ خدا تشریف لائے۔ حضرت فاطمہؑ کے گلے میں ایک سونے کا طوق (نیکلس) تھا جسے حضرت علی علیہ السلام نے اپنے مال فئے کے حصہ سے آپ کے لیے خریدا تھا، آنحضرتؐ نے دیکھا تو فرمایا بیٹی! اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن کہیں لوگ یہ نہ کہنے لگیں کہ محمدؐ کی بیٹی بھی اب شاہانہ لباس پہننے لگی یہ سن کر حضرت فاطمہؑ زہرانے وہ طوق اتار کر فروخت کر دیا، پھر اس کی قیمت سے ایک کنیز خریدی اور اسے آزاد کر دیا اس پر رسولؐ خدا بہت مسرور ہوئے۔ (صحیفۃ الرضا، ترجمہ بحار الانوار ص ۸۱)

ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ جناب رسولؐ خدا جناب فاطمہؑ کے گھر گئے، دیکھا کہ ایک پردہ رنگین دروازے پر لٹکا ہوا ہے اور حضرت فاطمہؑ کے ہاتھ میں چاندی کے دو کنگن ہیں ایک روایت میں ہے کہ گلے میں چاندی کی ایک زنجیر تھی۔ آپ یہ دیکھتے ہی واپس چلے گئے۔ جناب فاطمہؑ کو بہت ملال ہوا جب پیغمبر اسلام کے واپس چلے جانے کی وجہ معلوم ہوئی تو آپ نے وہ دونوں چیزیں فروخت کر کے قیمت جناب رسولؐ خدا کی خدمت میں بھجوا دی اور آنحضرتؐ نے اس کو اصحاب صفہ کے اوپر خرچ کیا۔

درحقیقت غلامی کا صحیح مفہوم جو اسلام نے پیش کیا ہے وہ سیدہ کے گھر سے دستیاب ہوتا ہے۔ اگر فضہ سے پوچھا جائے کہ تمہاری شاہزادی کا تمہارے ساتھ کیا برتاؤ ہے؟ تو اس گھر کی کنیز یہ جواب دے گی کہ ایک دن گھر کا کام میں کرتی ہوں اور ایک دن ملکہ خانہ کرتی ہیں۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ حقیقتہً غلامی نہ تھی، وہ لوگ افراد خانہ میں شامل کر لیے جاتے تھے۔

جناب فضہ جنگ خیر کے بعد آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آنحضرتؐ نے آپ کو اپنی بیٹی فاطمہؑ زہرا کو عطا فرمایا مگر اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا، اور دکھ درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔ ایک دفعہ سرور کائنات خانہ سیدہ میں تشریف لے آئے دیکھا سیدہ گود میں بچے کو لیے چکی پیس رہی ہیں، فرمایا بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض کی بابا جان! آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔ (مناقب ص ۶۲)

ابن حجر عسقلانی نے اصحاب فی تہذیب الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرة الخدمۃ (جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں) پھر بھی خاتون جنت نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا بلکہ باری مقرر کر دی تھی۔ ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظم کی بیٹی کام کرتی تھی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکالوں یا میں آٹا گوندھ لوں تم روٹی پکالو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولہا بھی سلگا دوں گی



(۲) ایک مرتبہ معاویہ مدینہ آیا اور صبح ہی سے بیٹھ گیا، جو بھی ملاقات کو آتا گیا اس کو پانچ ہزار سے ایک لاکھ تک حسب منزلت عطا کرتا رہا۔ سب کے آخر میں امام حسنؑ تشریف لائے، معاویہ نے کہا اے ابو محمد! تم نے آنے میں تاخیر سے کام لیا، شاید تم چاہتے ہو کہ میں قریش میں سبیل سمجھا جاؤں اس لیے تم نے انتظار کیا کہ میرے پاس سارا مال ختم ہو جائے کچھ دینے کو نہ رہے تو آؤ۔ اچھا اے غلام! آج مجموعی طور سے جتنی داد و بخشش کی ہے اس کے برابر حسنؑ کو دے دے۔ یہ کہہ کر معاویہ نے فخریہ انداز میں کہا اے ابو محمد! میں ہندہ کا بیٹا ہوں۔ امام حسنؑ جب واپس چلنے لگے تو معاویہ کے غلام نے آپ کی جوتیاں سیدھی کر دیں، آپ نے سارا مال اس کو بخش دیا اور فرمایا اے معاویہ! میں فاطمہ بنت رسولؐ کا لخت جگر ہوں۔

(۳) ایک مرتبہ ایک مرد غاضری آپ کے پاس آیا اور عرض کی مجھ سے رسول اللہؐ کی نافرمانی ہو گئی ہے۔ آپ نے فرمایا یہ تو نے بہت برا کیا، کیسے ہو گئی؟ اس نے عرض کی کہ رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا کہ لا یفلح فتورٌ ملکٌ علیہما امرأة (یعنی وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس کی حکمران عورت ہو) اور میری عورت مجھ پر حاکم بن گئی ہے۔ اس نے ایک غلام خریدنے کے لیے رقم دی، میں نے غلام خریدا مگر وہ مجھ سے چھوٹ کر بھاگ گیا۔ آپ نے فرمایا پھر تو تین باتوں میں سے ایک بات اختیار کر۔ اگر تو چاہے تو غلام کی قیمت ..... اس نے عرض کی جی ہاں، بس آگے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے اسی کو اختیار کیا۔ آپ نے اس کو غلام کی قیمت دے دی۔

(۴) انس کا بیان ہے کہ امام حسن علیہ السلام کے سامنے آپ کی ایک کنیز نے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا۔ آپ نے فرمایا جا، میں نے تجھے راہ

خود بچے بھی وہ تھے جنہیں قدرت نے طہارت و عصمت کا لباس پہنا کر بھیجا تھا۔ ایک طرف آئینے اتنے صاف اس پر رسولؐ کے ہاتھ کی جلا، نتیجہ یہ تھا کہ بچے کم سنی ہی میں نانا کے اخلاق و اوصاف کی تصویر بن گئے۔ خود حضرت نے ان کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ حسنؑ میں میرا رعب و داب اور شان سرداری ہے اور حسینؑ میں میری سخاوت اور میری جرأت ہے۔ شان سرداری کو مختصر لفظ ہے مگر اس میں بہت سے اوصاف و کمالات کی جھلک نظر آرہی ہے۔ امام حسن علیہ السلام کی غیر معمولی صفت جس کے دوست دشمن سب معترف تھے، ضبط نفس، کظم غیظ اور حلم ہے۔ آپ کی سخاوت اور مہمان نوازی بھی عرب میں مشہور تھی۔ آپ کی غلام نوازی کے چند نمونے پیش کیے جا رہے ہیں، انہیں واقعات سے آپ کی تینوں صفتوں کا اندازہ ہو جائے گا۔

(۱) تفاسیر اہل سنت میں ہے کہ ایک دفعہ امام حسنؑ اشرف عرب کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، اسی اثناء میں آپ کا خادم سالن کا پیالہ لیے ہوئے آیا اور آپ کے رعب سے اس کا پاؤں تھر تھرا یا حتیٰ کہ وہ لب فرش گر پڑا اور سالن کا پیالہ آپ کے چہرہ اور سر پر گرا، حضرت نے اس کی طرف دیکھا، وہ متحیر ہو کر رہ گیا اور دفعۃً اس کی زبان پر اَلْكَاطِمِیْنَ الْغِیْظُ جاری ہوا، آپ نے فرمایا میں نے اپنا غصہ دور کر دیا، اس نے فوراً وَالْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ کی تلاوت کی، آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا۔ اس نے عرض کی وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ بعض کتب میں امام حسینؑ اور امام زین العابدین علیہ السلام کے بارے میں بھی اس قسم کے واقعات لکھے ہیں۔



## نجات دھندۃ انسانیت امام حسینؑ اور غلام نوازی

امام حسینؑ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نواسے، حضرت علیؑ و فاطمہؑ کے بیٹے اور امام حسنؑ کے بھائی تھے اور انھیں حضرات کو بچتن پاک کہا جاتا ہے اور امام حسینؑ بچتن کے آخری فرد ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ آخر تک رہنے والے اور ہر دور سے گزرنے والے کے لیے اکتساب صفات حسنہ کے امکانات زیادہ ہوتے ہیں۔ امام حسینؑ ۳ شعبان ۶۱ھ کو پیدا ہوئے۔ سرور کائنات کی پرورش و پرورش اور آغوش مادر میں رہے اور کسب صفات کرتے رہے۔ ۲۸ صفر ۶۱ھ کو جب آنحضرتؐ شہادت پا گئے اور ۳ جمادی الثانیہ کو ماں کی برکتوں سے محروم ہو گئے تو حضرت علیؑ کے تعلیمات الہیہ اور صفات حسنہ کے مرکز قرار پائے، ۲۱ ماہ رمضان ۶۱ھ کو آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے سر پر ذمہ داری عائد ہوئی۔ امام حسنؑ ہر قسم کی استمداد و استعانت خاندانی اور فیضان باری میں برابر کے شریک رہے۔ ۲۸ صفر ۶۱ھ کو جب امام حسنؑ شہید ہو گئے تو امام حسینؑ صفات حسنہ کے واحد مرکز بن گئے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ میں جملہ صفات حسنہ موجود تھے اور آپ کے طرز عمل میں محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ اور حسنؑ کا کردار نمایاں تھا۔ آپ سلسلہ امامت کی تیسری فرد اور عصمت و طہارت کا مجسمہ تھے۔ آپ کی عبادت، آپ کے

خدا میں آزاد کیا، میں نے عرض کی اتنی سی بات پر آزاد کر دیا، آپ نے فرمایا اس ادب کی تعلیم تو ہمیں اللہ تعالیٰ نے دی ہے وہ فرماتا ہے **وَإِذَا أَحْبَبْتُكُمْ بِتَحَنُّنٍ فَخَيَّرْتُ أَبَا حَسَنِ مِنْهَا** (سورہ نسا آیت ۸۶) یعنی جب تمہیں کوئی تحفہ پیش کرے تو اس کو بہتر انداز میں پیش کرو۔ اور اس کنیز کے لیے سب سے بہتر اس کی آزادی ہے۔

آپ کے نانا اور بابا اور خود آپ نے کثرت سے غلام آزاد کیے ہیں اس لیے غلاموں کی صحیح تعداد اور ان کے نام بتانے سے تاریخ فاصر ہے البتہ بعض ایسے غلام ہیں جو پہلے رسول اللہؐ پھر حضرت علیؑ اور ان کے بعد آپ کی خدمت میں رہے جنہوں نے اس گھرانے کی خدمت کو اپنے لیے فخر و ناز سمجھتے ہوئے ترک نہیں کیا۔ بعض آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ اور پھر امام زین العابدینؑ کی خدمت کرتے رہے۔ بعض کے نام یہ ہیں

قنبر اور میثم، ان کا تذکرہ امیر المومنین علیہ السلام کے غلاموں میں ہو چکا جو حبشی، حارث بن بنہان، سلیم، نصر بن ابی نضر۔

قنبر و میثم کے حالات مولائے کائنات کے غلاموں میں آچکے ہیں، باقی تمام غلام امام حسینؑ کی معیت میں شہید ہوئے۔ کنیزوں میں مشہور جناب فضہ تھیں جو آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ کے ساتھ کربلا میں اور واقعہ کربلا کے بعد جناب زینب و ام کلثوم سے وابستہ رہیں۔



صافی تھا۔ جب آپ باغ میں پہنچے تو دیکھا کہ وہ غلام بیٹھا روٹی کھا رہا ہے آپ ایک درخت خرا کے پاس چھپ کر بیٹھ گئے۔ آپ نے دیکھا کہ وہ غلام روٹی اٹھاتا ہے اور آدھی توڑ کر کتے کی طرف پھینک دیتا ہے اور آدھی خود کھاتا ہے۔ حضرت اس کے اس عمل سے بہت متعجب ہوئے۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہوا تو اس نے الحمد للہ رب العالمین کہا اور دعا کی بار الہا! تو میرے گناہوں کو بخش دے اور میرے مولا، میرے مالک کو بھی بخش دے، ان کو برکت دے جیسا کہ ان کے باپ کو تو نے برکت دی ہے کہ تو رحم الرحیم ہے۔ یہ سن کر امام اٹھے اور فرمایا صافی! غلام نے ڈرتے ہوئے کہا مولا، اے میرے مالک اور روز قیامت تک سب مومنوں کے سردار! میں نے آپ کو دیکھا نہیں تھا معاف فرمائیے۔ آپ نے فرمایا اے صافی! تو مجھے معاف کر، اس لیے کہ میں تیرے باغ میں بغیر تیری اجازت داخل ہوا ہوں۔ صافی نے کہا اے میرے مولا! یہ تو آپ اپنے فضل و کرم، بزرگی و سیادت کی وجہ سے ایسا فرما رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں نے تجھے دیکھا کہ آدھی روٹی کتے کو کھلاتا ہے اور آدھی خود کھاتا ہے، اس سے تیرا مقصد کیا ہے۔ غلام نے کہا یا مولا! جب میں کھانے بیٹھا تو اس کتے نے میری طرف دیکھنا شروع کیا، یہ کتنا حضور کے باغ کی چوروں سے حفاظت کرتا ہے۔ میں بھی آپ کا غلام ہوں اور یہ کتنا بھی آپ ہی کا ہے۔ مجھے شرم معلوم ہوئی کہ میں تو آپ کا دیا ہوا رزق کھاؤں اور یہ کتنا بھوکا رہے۔ ہم دونوں نے آپ ہی کا دیا ہوا کھایا ہے۔ یہ سن کر امام رونے لگے اور فرمایا جا میں نے تجھے آزاد کیا اور دو ہزار دینار بھی اسے عطا فرمائے۔ غلام نے کہا جب آپ نے مجھے آزاد کیا ہے تو میں اسی باغ میں رہا کروں گا، یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گا۔ امام حسینؑ نے فرمایا جو کریم ہوتا ہے اور کوئی

زہد، آپ کی سخاوت اور آپ کے کمال اخلاق کے دوست دشمن سب ہی قائل تھے اور ان کی غلامی کو بڑے بڑے اکابر اسلام اپنے لیے نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔

چنانچہ علمائے اہل سنت کا بیان ہے کہ ایک دن عبداللہ بن عمر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے سامنے فخر و افتخار کی باتیں کرنے لگے، یہ سن کر امام حسنؑ نے فرمایا کہ تم تو ہمارے غلام زادے ہو، اتنی بڑھ چڑھ کر کیا باتیں کر رہے ہو۔ اس پر عبداللہ بن عمر رنجیدہ ہو کر اپنے باپ کے پاس گئے اور امام حسنؑ نے جو کچھ کہا تھا اسے بیان کیا۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیٹا یہ بات ان سے لکھو، اگر لکھ دیں تو میرے کفن میں رکھ دینا۔ ایک روایت میں ہے کہ انھوں نے لکھ دیا اور حضرت عمرؓ نے وصیت کر دی کہ اسے ان کے کفن میں رکھا جائے کیونکہ محمدؐ و آل محمدؐ کی غلامی بخشش کا ذریعہ ہے۔

امام حسینؑ غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ عزیزوں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر آپ انھیں آزاد کر دیتے تھے لیکن وہ جانے کے بجائے رونے لگتے تھے۔ آزادی کے بجائے دامن اہل بیت سے وابستگی کو ترجیح دیتے تھے۔ امام حسینؑ نے اپنے ایک غلام کو آزاد کیا تو وہ رونے لگا، حضرت نے سبب دریافت فرمایا تو اس نے جواب دیا، میں آپ سے جدا ہونا نہیں چاہتا۔ آپ نے فرمایا، میں تجھے آزاد کر چکا لیکن تو اب بھی میرے ساتھ پہلے ہی کی طرح رہ سکتا ہے۔

حسن بصری سے منقول ہے کہ ایک روز آپ اپنے اصحاب کے ساتھ اپنے باغ میں گئے، اس باغ میں آپ کا ایک غلام رہا کرتا تھا جس کا نام



تھے بلکہ اپنے خاندان کی ایک فرد جانتے تھے، ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، گھر میں تقسیم کار کرتے، ایک دن غلام و کنیز کی باری ہوتی تو دوسرے دن خود کام کرتے اور غلام و کنیز آرام کرتے۔ ان غلاموں کو تعلیم دیتے، مسائل دین سکھاتے، حرام و حلال بتاتے، انھیں دیندار اور عالم دین بنا دیتے تھے۔ جناب فضہ جناب فاطمہ زہرا کی کنیز اور امام علی رضا علیہ السلام کی کنیز جنھیں چار سو احادیث یاد تھیں مثال میں پیش کی جاسکتی ہیں۔

انسان کی عادت ہے کہ زمانہ راحت و آرام میں ساتھ رہتا ہے لیکن زمانہ تکلیف میں ساتھ چھوڑ دیتا ہے لیکن محمدؐ و آل محمدؐ کی اعلیٰ ظرفی اور بلند کرداری کا اثر یہ تھا کہ لونڈی غلام مرجانا گوارا کرتے تھے لیکن جدا ہونا پسند نہیں تھا۔ کربلا میں شب عاشور امام حسینؑ نے سب کو جمع کر کے عام اعلان کر دیا تھا کہ تم میں سے جو چاہے میرا ساتھ چھوڑ کر جاسکتا ہے مگر اصحاب و انصار اور عزیز و اقارب ہر ایک نے یک زبان ہو کر کہا مولا! خدا اس دن کے لیے ہمیں زندہ نہ رکھے کہ ہم آپ کا ساتھ چھوڑ دیں، ہم اپنی گردنیں اپنی تلواروں سے کاٹ لیں گے۔ مگر آپ کو تنہا چھوڑ کر نہ جائیں گے۔ ان جاں نثاروں میں غلام و آزاد سب ہی ہم آواز تھے اور جب سب نے بالاتفاق اپنی وفاداری کا وعدہ کیا تو امام نے بھی بلا استثنا فرمایا واللہ لا اعلم اصحابا اوفیٰ من اصحابی۔ امام عالی مقام پوری تاریخ انسانیت پر ذمہ دارانہ نظر ڈال کر فرماتے ہیں خدا کی قسم، میرے اصحاب سے زیادہ کسی کے اصحاب وفادار نہیں تھے۔ ان اصحاب میں آزاد بھی ہیں غلام بھی ہیں، ملکی و غیر ملکی، سیاہ و سفید سب ہی شامل ہیں۔ شہادت کے بعد معصوم تمام شہداء کے کربلا کو سلام کہتا ہے۔ زیارت میں اگر حبیب و مسلم بن عوسجہ پر سلام ہے تو شاذب، غلام ترمکی، قارب اور جون حبشی کو

بات کہتا ہے تو اس کو مناسب ہے کہ اسی وقت اس کی تصدیق کر دے۔ میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تیرے باغ میں بغیر تیری اجازت داخل ہوا ہوں، مجھے معاف کر۔ اب میں نے اپنے قول کی تصدیق کر دی، یہ باغ اور جو کچھ اس میں ہے سب تجھے ہبہ کیا، ہاں البتہ میرے اصحاب جو ساتھ آئے ہیں، ان کو میری خاطر سے اپنا مہان کر اور ان کا آرام کر تاکہ اس باغ کے میوے اور خرے کھائیں۔ خدا تیرے حسن خلق میں اور تیرے ادب میں برکت دے اور بروز قیامت گرامی اور بزرگ رکھے۔ غلام نے کہا اگر آپ نے اپنا باغ مجھے دے دیا ہے تو میں نے بھی اس کو آپ کے اصحاب اور آپ کے شیعوں کے لیے وقف کر دیا ہے۔

اسامہ بن زید غلام زادے ہی تھے جن کا تذکرہ آپ کے نانا کے غلاموں کے حالات میں ہو چکا ہے، وہ بیمار ہوئے۔ امام حسینؑ ان کی عیادت کو گئے۔ حضرت نے حال پوچھا اسامہ نے کہا ہر حال میں اس کا شکر ہے۔ یا مولا! میں بیمار ہوں مگر زیادہ صدمہ مجھے اس بات کا ہے کہ میں ساتھ ہزار درہم کا قرض ادا ہوں اور دین دار دنیا سے جاتا ہوں۔ فرمایا غم نہ کرو، انشاء اللہ تمہارا قرض ادا کر دیا جائے گا۔ انھوں نے کہا مولا میرے سامنے تو ادا نہ ہوا۔ آپ نے فرمایا نہیں تمہارے سامنے ہی ادا ہو جائے گا۔ اسی وقت ساتھ ہزار درہم منگوا کے ان کے سامنے قرض خواہ کو دے دیے۔

## واقعہ کربلا میں غلاموں کی شمولیت اور ان کی

خدمات و شہادت

ہم عرض کر چکے ہیں کہ محمدؐ و آل محمدؐ اپنے غلاموں کو غلام نہیں سمجھتے



کر بلا میں ان کی شہادت اوائل جنگ کے واقعات میں سے حملہ اولیٰ کے پہلے ہے۔ حدیقہ وردیہ کے مصنف نے ان کے قاتل کا نام حسان بن بکر حنظلی لکھا ہے صاحب ناسخ نے ان کا نام ان شہداء میں درج کیا ہے جن کا تذکرہ مورخین محدثین کسی نے نہیں کیا ہے اور بس ان کا نام زیارت شہداء میں وارد ہوا ہے لیکن ہمارے گزشتہ بیان سے ظاہر ہو گیا کہ ناسخ کا یہ اظہار درست نہیں ہے۔ (شہداء کر بلا حصہ اول ص ۴۰)

### سعد مولیٰ عمرو بن خالد

عام طور سے کتابوں میں سعد نام درج ہے لیکن زیارت شہداء میں "سعد" نام مذکور ہے۔ صاحب ناسخ نے بھی ان شہداء کے تذکرہ میں جن کا ذکر مورخین محدثین نے نہیں کیا ہے اور صرف ان کے نام زیارت شہداء میں مذکور ہوئے ہیں "سعد مولیٰ عمرو بن خالد الصیداوی" لکھا ہے۔ طبری وغیرہ میں ان کے نام کے ساتھ ولدیت مذکور نہیں ہے لیکن علامہ مقانی نے تنقیح المقال میں ان کے نام کے محل پر لکھا ہے "سعد بن عبداللہ"۔ اور بیان کیا ہے کہ شیخ نے اپنی کتاب الرجال میں اسی عنوان سے بغیر کسی لقب اور وصف کے ان کا نام اصحاب حسین میں مندرج کیا ہے۔ اہل سیر کا بیان ہے کہ یہ شریف النفس بلند ہمت غلام تھے جنہوں نے اپنے مالک عمرو بن خالد کا آخر وقت تک ساتھ دیا۔ وہ اپنے مالک کے ساتھ اسی مختصر قافلہ میں آکر امام سے ملحق ہوئے تھے جو عذیب الہجانات میں امام کے پاس پہنچا تھا اور میدان جنگ میں بھی وہ انہیں ہمراہیوں کے جھٹکے کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

بھی نام بنام سلام موجود ہے۔  
کر بلا میں جن غلاموں نے معیت امام میں اپنی قربانیاں پیش کیں ان کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کیے جا رہے ہیں تاکہ ہماری زندگی کے لیے مشعل راہ بن سکیں۔

### منج بن سہم

شیخ الطائفہ نے کتاب الرجال میں ان کو اصحاب امام حسین میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز ہوئے اور زنجبیری نے کتاب الابرار میں لکھا ہے کہ حسین بن علی کی کنیت تھی اس کی شادی سہم کے ساتھ کر دی جس سے منج کی ولادت ہوئی اور اس اعتبار سے منج امام حسین کے غلام تھے۔ یہ کنیز سید سجاد امام زین العابدین کے گھر میں خدمت کرتی تھی۔ جب حضرت سید الشہداء عراق کی طرف روانہ ہوئے تو وہ اپنے فرزند منج سمیت حضرت کے ہمراہ تھی۔ اس روایت کو علامہ شیخ عبداللہ مقانی طاب ثراہ نے اپنی کتاب تنقیح المقال فی علم الرجال میں درج کیا ہے۔

فاضل سماوی کا بیان اس کے خلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ منج امام حسن کے غلام تھے اور کر بلا میں امام حسن کی اولاد کے ساتھ آئے تھے۔ بہر حال اس میں کوئی شبہ نہیں کہ منج کر بلا میں درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔ زیارت شہداء میں جو ناحیہ مقدسہ کی طرف نسبت رکھتی ہے۔ ان پر بایں الفاظ سلام موجود ہے السلام علی منج مولیٰ الحسین بن علی۔ یہ نسخہ زیارت کا اگر صحیح ہے تو وہ پہلی روایت کا موید ہے۔



شہید ہوئے۔ زیارت شہدار میں ان پر سلام کیا گیا ہے السلام علی سالم  
مولیٰ عامر بن مسلم (ابصار العین ص ۱۱۲)

سلیم

امام حسنؑ کا غلام باوفا کربلا میں نصرت امام حسینؑ میں شہید ہوا۔ (رجال طوسی)

### شعیب بن عبداللہ

حارث بن سریح ہمدانی جابری کے غلام صحابی رسولؐ اور حضرت امیر المومنین  
کے ساتھ جمل، صفین، نہروان تینوں لڑائیوں میں شرکت کا شرف حاصل کیے  
ہوئے کوفہ کے باشندے تھے۔ کربلا میں سیف بن حارث بن سریح اور مالک  
بن حارث بن سریح دونوں اپنے آقا زادوں کی معیت میں امام کی خدمت میں  
پہنچے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارت شہدار کے پیش نظر  
نسخہ میں ان پر سلام کے الفاظ حسب ذیل ہیں السلام علی شعیب بن  
الحارث بن سریح۔ صاحب نسخ نے بھی ان شہدار کی فہرست میں جنہیں  
مورخین و محدثین نے نہیں لکھا ہے اور صرف زیارت میں ان کے اسماء کا تذکرہ  
ہے، شعیب بن حارث بن سریح ہی نام درج کیا ہے۔ بظاہر یہ راوی حدیث  
کی غلطی ہے جس نے مولیٰ کے بجائے ابن کی لفظ نقل کر دی ہے۔ (شہدار  
کربلا حصہ اول ص ۲۷)

### قارب مولیٰ اکحسینؑ

قارب بن عبداللہ بن اریقط لیشی و اُمی ان کی ماں فکیہہ امام حسینؑ کی  
حرم سرا میں جناب رباب مادر سکینہ کی کنیز تھیں۔ ان کی شادی عبداللہ

### جابر بن حجاج

قبیلہ "تیم اللہ بن ثعلبہ" میں سے عامر بن ہشام تیمی کے آزاد کردہ غلام  
تھے۔ کوفہ کے باشندے بہادر اور شہسوار تھے۔ پہلے جناب مسلم بن عقیل کی  
حمایت کے لیے کربستہ ہوئے مگر حالات کے دگرگوں ہونے کے ساتھ مثل  
دوسرے بہت سے افراد کے وہ بھی اپنے قبیلہ میں چھپ رہے۔ جب امام  
کے کربلا میں وارد ہونے کی خبر ملی تو یہ عمر سعد کی فوج کے ساتھ کربلا پہنچے اور  
خفیہ طور سے آکر حضرت سید الشہدار کے ساتھ درجہ شہادت پر فائز  
ہوئے۔ (شہدار کربلا حصہ اول ص ۵۳)

### حارث بن بنہان

بنہان حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کے غلام بہادر اور شہسوار تھے۔  
جنگ احد میں جناب حمزہ کی شہادت ہوئی اس کے دو برس کے بعد بنہان  
نے دنیا سے مفارقت کی۔ ان کے فرزند حارث نے امیر المومنینؑ کی خدمت  
میں رہنا اختیار کیا اور پھر امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی خدمت میں رہے۔ جب  
حضرت سید الشہدار نے مدینہ منورہ سے ہجرت فرمائی تو حارث بھی ہمراہ رہا  
ہوئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں درجہ شہادت حاصل کیا۔

### سالم مولیٰ عامر بن مسلم العبدی

اپنے مالک کے ساتھ اسی قافلہ میں جو یزید بن ثبیط قیسی کے ساتھ  
بصرہ سے کربلا آیا تھا، امام کی خدمت میں آئے اور روز عاشور حملہ اولیٰ میں



بن اریقط کے ساتھ ہوئی جن سے قارب کی ولادت ہوئی۔ قارب اپنی ماں کی ہمراہی میں امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور پھر کربلا آئے اور حملہ اولیٰ میں شہید ہوئے۔ زیارت شہداء میں ان پر سلام کیا گیا ہے السلام علی قارب مولیٰ المحسین بن علیؑ اور صاحب ناسخ نے ان کا نام ان شہداء کے سلسلہ میں درج کیا ہے جنھیں محدثین و مورخین نے ذکر نہیں کیا ہے اور صرف زیارت میں ان کا تذکرہ ہے۔ (شہداء کربلا حصہ اول ص ۷۸)

## نصر بن ابی نضر

ابو نضر نجاشی بادشاہ حبشہ یا کسی اور ملک عجم وغیرہ کے بادشاہ کی نسل سے تھے۔ بچپن میں شرف اسلام سے بہرہ اندوز ہونے کا شوق پیدا ہوا، رستہ آج کی خدمت میں لائے گئے اور اسلام لائے۔ حضرت نے ان کی تربیت کی۔ آپ کی وفات کے بعد وہ امیر المومنینؑ کی خدمت میں رہے اور آپ کے مملوکہ نخلستان میں اصلاح و تربیت پر مامور ہوئے۔ کابل میں ان کے حالات کا تذکرہ ہے اور ان کی زبانی ایک خاصی طویل روایت امیر المومنینؑ کے چشمہ برآمد کرنے اور اسے وقف کرنے کے بارے میں درج کی گئی ہے۔ ان کے فرزند نصر نے کم سنی اور نوجوانی امیر المومنینؑ اور امام حسنؑ کے ساتھ گزاری اور آخر میں امام حسینؑ کی غلامی میں رہے۔ یہاں تک کہ سفر عراق میں حضرت کے ساتھ مدینہ سے مکہ اور مکہ سے کربلا آئے۔ حملہ اولیٰ میں ان کا گھوڑا کام آیا پھر وہ خود درجہ شہادت پر فائز ہوئے۔

زاہر

مولیٰ عمرو بن اسحق جد محمد بن سنان زاہریؒ میں حج سے مشرف

ہوئے اور حضرت قاضی نعمان مصری سے مروی ہے کہ جب عمرو بن اسحق معاویہ کے خوف سے ایک جزیرہ کی جانب فرار ہوئے تو امیر المومنینؑ کے اصحاب میں سے ایک مرد زاہر نامی ان کے ساتھ تھا۔ جب سانپ نے عمرو کو کاٹ لیا اور ان کا بدن ورم کر آیا تو انھوں نے زاہر سے کہا کہ میرے حبیب رسول خداؐ نے مجھے خبر دی ہے کہ میرے خون میں جن وانس شرکت کریں گے اور میں ناچار شہید کیا جاؤں گا۔ اس وقت کچھ گھوڑ سوار ظاہر ہوئے جو عمرو کی تلاش میں تھے۔ عمرو نے زاہر سے کہا تو پوشیدہ ہو جا کہ یہ لوگ میری تلاش میں ہیں، یہ لوگ مجھے قتل کریں گے اور میرا سر کاٹ کر لے جائیں گے۔ جب یہ لوگ مجھے قتل کر کے چلے جائیں تو تو اپنے کو ظاہر کرنا اور میرے بدن کو دفن کر دینا۔ زاہر نے کہا کہ جب تک میرے ترکش میں تیر ہیں میں ان سے لڑوں گا یہاں تک کہ تیرے ساتھ شہید ہو جاؤں گا۔ عمرو نے کہا کہ جو میں کہتا ہوں اس پر عمل کر، یہ زیادہ نفع بخش ہے میرے حق میں تیرے لیے۔ زاہر نے عمرو کے کہنے کے مطابق عمل کیا، زندہ رہا اور کربلا میں شہید ہوا۔ (منتہی الآمال ص ۳۵۱)

## اسلم بن عمرو

ان کے باپ ترکی تھے اور خود کاتب امام حسینؑ تھے۔ شیخ عباس قمی نے منتہی الآمال میں ان غلاموں کی تعداد جو صرف امام حسینؑ کے تھے، دس بتائی ہے اور دو غلام امیر المومنینؑ کے تھے جو کربلا میں شہید ہوئے۔

(منتہی الآمال ص ۳۵۳)



خود نشانہ ظلم و ستم ہو کر شہید ہوا۔ حضرت امام حسینؑ اس کے سر پر ہاتھ پہنچے گریہ فرمایا اور اس غلام کے رخسارہ پر رخسارہ مبارک رکھ دیا۔ غلام نے آنحضرتؐ کی زیارت کی، مسکرایا اور اسی حالت میں روح جنت کو پرواز کر گئی۔  
(منتہی الآمال ص ۳۷۱)

## جناب جون حبشی

آپ فضل بن عباس بن عبدالمطلب کے غلام تھے۔ حضرت علیؑ نے خرید کر جناب ابوذر کو دے دیا اور ربذہ میں آپ جناب ابوذر کے ساتھ تھے۔ اپنے آقا کی وفات کے بعد مدینہ آئے اور خدمت امیر المومنینؑ میں رہنے لگے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسنؑ کے دامن اقدس سے وابستہ ہو گئے۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ کی کفالت میں رہے اور آپ نے امام زین العابدینؑ کے سپرد فرمایا۔ کربلا میں آپ اہل بیت کے ساتھ آئے بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول خدا کا زمانہ دیکھا تھا اور امیر المومنینؑ کے ساتھ جمل و صفین اور نہروان میں کار نمایاں انجام دے چکے تھے۔ کربلا میں آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اسلحہ سازی میں کمال حاصل تھا، شب عاشور آپ آلات حرب کی اصلاح میں مصروف رہے۔

جب میدان کربلا میں امام حسینؑ نزع اعداء میں گھر گئے اور صبح سے دوپہر تک سارا گھرموت کے گھاٹ اتر گیا تو جون کے بڑھاپے نے بھی نوجوانوں کی طرح انگڑائی لی اور خمیدہ کمر کو سیدھا کر کے وہ مولا و آقا کے سامنے کھڑے ہوئے اور اذن جہاد مانگا۔ امام مظلوم نے فرمایا جون! اسلام کی بہت خدمت کر چکے ہو، راہ خدا میں کافی جہاد کیے ہیں، اب تمہارے آرام کا وقت ہے بوڑھے

## شوذب

آپ عابس بن شیب شاکری کے غلام تھے۔ آپ اپنے آقا کے ساتھ مکہ سے عراق اور کربلا پہنچے، روز عاشور عابس نے اپنے غلام سے کہا کیوں شوذب، تمہارا کیا ارادہ ہے؟ شوذب نے کہا ارادہ کیا ہے یہی کہ آپ کے ساتھ رہ کر فرزند رسولؐ کی نصرت میں جنگ کروں اور قتل ہو جاؤں عابس نے کہا شاباش، مجھے تم سے یہی امید تھی، اچھا تو پھر آگے بڑھو اور امام کے اوپر جان قربان کرو تا کہ تمہاری مصیبت بھی اسی طرح دیکھ لیں جس طرح اپنے دوسرے اصحاب کی، اور میں بھی تمہارے غم کو برداشت کر کے ثواب کا مستحق ہو جاؤں یقیناً اگر کوئی ایسا شخص میرے ساتھ ہوتا جس پر مجھے اس سے زیادہ اختیار حاصل ہے تو مجھے خوشی ہوتی کہ وہ میرے ساتھ جاتے تاکہ میں اس کی مصیبت کو برداشت کروں۔ چونکہ آج کے دن کے بعد عمل کا دفتر بند ہے اور حساب کے سوا کچھ نہیں ہے۔ شوذب آگے بڑھے، امام کو سلام کیا اور پھر جنگ کے شہید ہوئے۔ (منتہی الآمال ص ۳۷۷، ابصار العینؑ) وہ غلام دنیا کے شاہوں سے زیادہ عزت والا تھا کہ اس پر امام نے زیارت شہدار میں سلام کیا السلام علی شوذب مولیٰ شاکر۔

## غلام ترکی

حضرت سید الشہداءؑ کا نہایت صالح، عابد و پرہیزگار اور قاری قرآن غلام تھا۔ روز عاشورہ دشمنوں کے سامنے آیا، رجز پڑھی، حملہ کیا اور بہت سوں کو واصل جہنم کیا۔ بعض روایات میں ہے کہ ستر دشمنوں کو قتل کر کے



نورانی کر دے، اس کے جسم میں خوشبو پیدا کر دے، اسے نیک بندوں کے ساتھ محشور فرما، اس کے اور محمد آل محمد کے درمیان دوستی اور شناسائی پیدا کر دے۔ امام زین العابدینؑ فرماتے ہیں کہ اہل قریہ جنھوں نے لاشہا شہداء کو دفن کیا تھا، دس روز کے بعد ان کی لاش کو دیکھا کہ چہرہ سفید نورانی ہے، لاش سے مشک کی بو آتی ہے۔ (منتہی الآمال ص ۳۷۰)

تحفظ حقوق انسانی اور حریت و آزادی کے زبانی دعوے دار اگر غریبوں اور کمزوروں کو سرمایہ داروں اور ظالموں سے نجات دلانا چاہتے ہیں تو وہ واقعہ کر بلا کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ امام حسینؑ نے ان کو کلمہ عند اللہ اتقلکھ کی عملی تفسیر کس طرح پیش کی ہے۔ آج نہ کسی عرب کو غیر عرب پر فضیلت حاصل ہے نہ کسی گورے کو کالے پر، البتہ تقویٰ و پرہیزگاری کے ذریعہ ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے۔ ہزاروں سلام اس امام عالی مقام پر جس نے سیاہ فام غلاموں کو اجازت جہاد کے حیات جاودا بخش دی اور ہزاروں سلام ان وفادار جاں نثاروں پر جنھوں نے امام کی معیت میں دین حق کے تحفظ کی خاطر اپنی جانیں قربان کر کے قیامت تک پیدا ہونے والی نسلوں کو اپنا غلام بنالیا۔

لوگوں جہاد ساقط ہے۔ اے جون! ہماری طرح اپنے کو مبتلائے مصیبت نہ کرو، میں نے تم کو رخصت کیا، جاؤ اور اپنے لیے راہ سلامتی و عافیت اختیار کرو۔ اس دیندار غلام نے عرض کی فرزند رسول! میں نے اب تک توا رحت و آرام کے زمانے میں رہ کر آرام سے زندگی بسر کی اور اب اس مصیبت اور تکلیف کے زمانے میں آپ کا ساتھ چھوڑ کر آپ سے الگ ہو جاؤں؟ یہ نہیں ہو سکتا۔

خدا کی قسم میرے نسب کے پست ہونے، میرے جسم کی بدبو، میرے کالے رنگ کی وجہ سے آپ مجھے بہشت میں جانے سے نہ روکیے، مجھے جہاد و شہادت کی اجازت دیجیے تاکہ میرے جسم میں خوشبو پیدا ہو جائے، میرا جسم خوبصورت ہو جائے اور میرا چہرہ نورانی ہو جائے۔ خدا کی قسم، اس وقت تک آپ سے جدا نہ ہوں گا۔ جب تک میرا سیاہ خون آپ کے پاک و پاکیزہ خون میں نہ مل جائے، میرے سید و سردار میں آپ کی نصرت و حمایت سے کیسے منھ موڑ لوں جب کہ آپ کی محبت میرے لیے عز و شرف ہے۔ میرے سید و سردار! جس دن مجھے آپ کے در رحمت کے علاوہ کسی اور کے دروازے پر رہنا پڑے اس دن خدا کرے میں زندہ نہ رہوں۔ مساوات پرور اور نسلی امتیازوں کو مٹانے والے امام پر یہ بات اثر انداز ہوئی اور انھوں نے جون کو جہاد کی اجازت دے دی۔ آپ میدان کارزار میں آئے، بروایت پچیس اور بروایت ستر اور بروایت تین سو دشمنان دین کو واصل جہنم کیا۔ یہ دیکھ کر اشیقار نے آپ کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور سب نے مل کر آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی شہادت کے بعد امام حسینؑ آپ کی لاش پر آئے اور دعا فرمائی اے میرے اللہ! جون کے چہرے کو



نہ بتلاتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو فرمایا مجھے یہ اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ میں اپنے نسب کا سلسلہ تو پیغمبر خدا تک ملاؤں اور ان کے صفات مجھ میں نہ پائے جائیں۔ آپ کی غلام نوازی کے چند نمونے ملاحظہ فرمائیں۔

ابو حمزہ ثمالی بیان کرتے ہیں کہ حضرت علی بن الحسینؑ نے فرمایا کہ میں اپنے عیال کے لیے ان کی شدید خواہش کا خیال رکھتے ہوئے گوشت خرید کر لاؤں ان کی یہ خواہش پوری کرنا میرے لیے زیادہ محبوب ہے کہ میں راہ خدا میں کچھ غلام آزاد کروں۔

مین کے ایک شخص عبد اللہ بن محمد نے عبد الرزاق سے نقل کیا ہے جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت امام علی بن الحسین علیہ السلام کی ایک کنیز وضو کے لیے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈال رہی تھی کہ اس کے ہاتھ سے لوٹا (آفتابہ) چھوٹ گیا جس سے آپ کا سر اقدس زخمی ہو گیا۔ آپ نے سر اقدس اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ کنیز فوراً ہی گویا ہوئی اور کہنے لگی خداوند عالم کا ارشاد ہے والکا ظمین الغیظ (اور کچھ لوگ غصے کو پی جاتے ہیں) آپ نے فرمایا میں نے اپنے غصے کو پی لیا۔ کنیز نے پھر کہا والعا فین عن الناس (وہ لوگوں کو معاف کرنے والے بھی ہوتے ہیں) آپ نے فرمایا خدا تجھے معاف فرمائے گا۔ کنیز نے پھر کہا یا واللہ یحب المحسنین (اور اللہ تو نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) سورہ آل عمران آیت ۱۳۴ آپ نے فرمایا جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ (امالی صدوق ص ۲۰۱ الارشاد المفید ص ۲۷۴ مناقب ص ۳۶۶)

ابو بصیر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے پدر بزرگوار نے اپنے ایک غلام کو کسی ضرورت کے تحت باہر بھیجا وہ تاخیر سے واپس آیا تو امام علیہ السلام نے اسے کوڑے کی ایک

ASSOCIATION KHOJA  
SHIA ITHNA ASHERI  
JAMATE  
MEYOTTE

## امام زین العابدینؑ کا غلاموں کے ساتھ طرز عمل

پیغمبر اسلام کی مبارک نسل کی یہ خصوصیت تھی کہ بارہ فردیں لگاتار ایک ہی طرح کے انسانی کمالات اور بہترین اخلاق و اوصاف کی حامل ہوتی رہیں جن میں ہر ایک اپنے وقت میں نوع انسانی کے لیے بہترین نمونہ تھی۔ چنانچہ اس سلسلہ کی چوتھی کڑی سید سجاد تھے جو اخلاق و اوصاف میں اپنے بزرگوں کی یادگار تھے۔ ایک طرف صبر و برداشت کا جو ہر وہ تھا جو کر بلا کے آئینہ میں نظر آیا تو دوسری طرف حلم اور عفو کی صفت آپ کی انتہا درجہ پر تھی۔ فیاضی اور خدمت خلق کا جذبہ آپ کا ایسا تھا کہ راتوں کو غلہ اور روٹیاں اپنی پشت پر رکھ کے غریبوں کے گھروں پر لے جاتے تھے اور تقسیم کرتے تھے۔ بہت سے لوگوں کو خبر بھی نہ ہوتی تھی کہ وہ کہاں سے پاتے ہیں اور کون ان تک پہنچاتا ہے۔ جب حضرت کی وفات ہوئی اس وقت انھیں پتہ چلا کہ یہ امام زین العابدینؑ تھے۔ عمل کی ان خوبیوں کے ساتھ علمی کمال بھی آپ کا ایسا تھا جو دشمنوں کو بھی سر جھکا نے پر مجبور کرتا تھا اور ان کو اقرار تھا کہ آپ کے زمانے میں فقہ اور علم دین کا کوئی عالم آپ سے بڑھ کر نہیں۔ ان تمام ذاتی بلندیوں کے ساتھ آپ دنیا کو یہ سبق بھی دیتے تھے کہ بلند خاندان سے ہونے پر ناز نہیں کرنا چاہیے یہاں تک کہ آپ جب کبھی مدینہ سے باہر تشریف لے جاتے تھے تو اپنا نام و نسب لوگوں کو



سے فرمایا کہ تم اس کے بدلے میں علی بن الحسینؑ کے کوڑا لگاؤ۔ یہ سن کر اس نے اس سے انکار کر دیا تو آپ نے اسے پچاس دینار عطا فرماتے۔ (مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے)

عبداللہ بن مسکان حضرت امام علی بن الحسینؑ کے بارے میں بیان کرتے ہیں کہ آپ ہر چہ اپنے کنیزوں کو بلا کر یہ فرمایا کرتے تھے کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں، مجھے عورتوں کی ضرورت نہیں۔ لہذا تم میں سے جو نکاح کرنا چاہے میں اس کا نکاح کیے دیتا ہوں یا بیع چاہے تو میں اسے فروخت کیے دیتا ہوں یا آزادی چاہے تو میں اسے آزاد کیے دیتا ہوں۔ اب اگر ان میں سے کوئی کہتی کہ نہیں تو آپ اس طرح بارگاہ الہی میں عرض پرداز ہوتے کہ بار الہا! تو گواہ رہنا کہ میں نے انھیں اختیار دے دیا اور ان الفاظ کو آپ تین بار ادا فرماتے تھے۔ اگر کوئی خادمہ خاموش رہتی تو امام علیہ السلام اپنی محذرات سے فرماتے تھے کہ تم اس سے پوچھو کہ یہ کیا چاہتی ہے؟ پھر امام اسی کی خواہش کے مطابق عمل کرتے تھے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۳۰۱)

عرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ جب زید بن اسامہ کی رحلت کا وقت قریب آیا تو وہ رونے لگے۔ امام زین العابدینؑ نے فرمایا کیوں روتے ہو؟ انھوں نے کہا مجھ پر پندرہ ہزار دینار کا قرض ہے اور میرے پاس کوئی ایسی چیز نہیں جس سے قرض ادا ہو سکے۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ تم کیوں گھبراتے ہو، اس قرض کی ذمہ داری مجھ پر ہے تم ہی الذمہ ہوتے۔ چنانچہ آپ نے وہ قرضہ ادا فرما دیا۔ (الارشاد ص ۲۷۵)

مناقب ابن شہر آشوب میں بھی یہی روایت حلیہ سے نقل کی گئی ہے اور اس میں زید بن اسامہ کے بجائے محمد بن اسامہ سے اس واقعہ کا تعلق بتایا گیا ہے۔

ضرب لگائی جس پر وہ رونے لگا اور بولا کہ اے مولا و آقا! علی بن الحسین (علیہ السلام) آپ نے ہی مجھے کام کے لیے بھیجا اور پھر مارا بھی۔ (مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔)

امام فرماتے ہیں کہ اس پر میرے پدر بزرگوار رونے لگے اور مجھ سے فرمایا بیٹا ذرا قبر مبارک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جاؤ، دو رکعت نماز پڑھو اور خدا کی بارگاہ میں عرض کرو کہ پالنے والے قیامت کے دن علی بن الحسینؑ کی خطا کو بخش دینا۔ پھر غلام سے فرمایا کہ جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں آپ کے قربان جاؤں۔ غلام کو آزاد کرنا اس کے مارنے کا کفارہ ہے۔ امام علیہ السلام خاموش رہے۔ عبداللہ بن عطا سے منقول ہے کہ حضرت امام علی بن الحسینؑ کے غلام نے ایک ایسا جرم کیا جس کی سزا کا وہ مستحق تھا۔ چنانچہ امام نے اسے سزا دینے کے لیے چابک اٹھایا اور یہ آیت مبارکہ تلاوت فرمائی قتل للذین امنوا یغفر واللذین لا یرجون ایام اللہ (الحاشیہ آیت ۱۲) ترجمہ: ”اے رسول! مومنوں سے کہہ دیجیے کہ جو لوگ خدا کے دنوں کی جو جزا کے لیے مقرر ہیں توقع نہیں رکھتے ان سے درگزر کریں“ غلام نے عرض کیا کہ میں ایسا نہیں ہوں کہ روز جزا کی امید نہ ہو، میں تو خدا کی رحمت کی امید اور اس کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ یہ سن کر امام نے چابک ہاتھ سے پھینک دیا اور فرمایا کہ تو غلامی سے آزاد ہے۔ (کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۹۶)

حسن بن علی راوی ہیں کہ حضرت علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام فرماتے تھے کہ حضرت علی بن الحسینؑ علیہ السلام نے ایک مرتبہ اپنے غلام کو مارا۔ پھر آپ گھر میں تشریف لے گئے اور کوڑا نکالا اور اسے صاف ستھرا کر کے غلام



ایک مرتبہ آپ کے پاس کچھ مہمان بیٹھے تھے کہ آپ کا ایک خدمت گزار تنور میں بھنا ہوا گوشت لے کر جلدی میں آپ کے پاس جا رہا تھا۔ کباب کی گرم گرم سیخ جناب امام علیہ السلام کے صاحبزادے کے سر پر گر پڑی جو زمین کے نیچے پھٹے۔ اس کی ضرب اس قدر کاری تھی کہ بچہ جاں بحق ہو گیا۔ یہ دیکھ کر غلام پریشان اور بدحواس ہو گیا۔ جب امام علیہ السلام نے غلام کی یہ حالت دیکھی تو آپ نے اس سے فرمایا کہ جا میری طرف سے تو آزاد ہے، تیرا یہ عمل دانستہ طور پر نہیں ہوا اور پھر امام بچے کی تجہیز و تکفین میں مصروف ہو گئے۔ (کشف الغمہ ص ۲۷۳)

محمد بن عجلان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جب ماہ رمضان آتا تھا تو امام علی بن احسین علیہ السلام اپنے کسی غلام اور کنیز کو کسی خطا پر زد و کوب نہ کرتے تھے۔ اگر وہ کوئی خطا کرتے تھے تو اپنے پاس لکھ کر رکھ لیتے تھے کہ فلاں غلام یا کنیز نے فلاں دن ایسا کیا اور آپ انھیں کوئی سزا نہ دیتے تھے اور آپ انھیں آداب سکھاتے تھے۔ جب ماہ رمضان کی آخری رات آتی تھی تو انھیں بلا کر اپنے پاس بٹھاتے اور انھیں وہ سحر پر شدہ ان کا اعمال نامہ دکھا کر فرماتے تھے کہ اے فلاں! تم نے یہ خطا کی تھی جس پر میں نے تمہاری کوئی سزا نہیں کی، کہو تمہیں کچھ یاد ہے؟ چنانچہ یہی جواب ملتا کہ فرزند رسول! آپ کی تحریر بالکل صحیح ہے جس میں کوئی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں ہے۔

اس کے بعد امام علیہ السلام ہر خطا کار غلام یا کنیز سے بھی یہی فرماتے تھے اور فرداً فرداً ہر ایک سے اقرار لیتے تھے، پھر ان کے درمیان کھڑے ہو کر فرماتے تھے کہ ذرا اونچی آواز میں یہ تو کہو کہ اے علی بن احسین! آپ کے

زید یا محمد! انھیں اسامہ کے بیٹے ہیں جن کو پیغمبر نے لشکر کا سردار بنایا تھا اور ان کی معیت میں تمام اصحاب کو روم کی طرف جانے اور لڑنے کا حکم دیا تھا۔ یہ رسول کی زندگی میں آخری لشکر تھا لیکن علیؑ اس سے مستثنیٰ تھے۔ (مولف) مروی ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ایک کنیز کے ہاتھ سے سالن وغیرہ کا پیالہ چھوٹ کر گر پڑا۔ خوف کے مارے اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ امام علیہ السلام نے جب اس کی یہ حالت دیکھی تو فرمایا جا میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۲۹۹)

مروی ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو اپنی زمین کی ایک عمارت کی دیکھ بھال پر متعین فرمایا۔ جب وہ وہاں پہنچا تو اس نے عمارت کو نقصان پہنچایا جس سے امام علیہ السلام نے اس کو کوڑے کی ایک ضرب لگائی اور پھر افسوس بھی کیا کہ میں نے کیوں اسے ضرب لگائی۔ جب گھر تشریف لاتے تو اس غلام کو بلایا۔ اس نے دیکھا کہ آپ قمیص اتار کر بیٹھے ہیں اور آپ کے سامنے کوڑا رکھا ہوا ہے، وہ یہ سمجھا کہ اب پھر پٹائی ہوگی۔ وہ خوف زدہ ہو کر کانپنے لگا۔ امام علیہ السلام نے کوڑا ہاتھ میں لے کر غلام کی طرف بڑھایا اور فرمایا کہ میں نے کبھی تمہیں نہیں مارا تھا اور اب یہ مجھ سے ایک نفرت ہوئی ہے کہ تمہیں ضرب لگائی لہذا تم یہ کوڑا لے کر اپنا بدلہ مجھ سے اتار لو غلام کہنے لگا میرے آقا، خدا کی قسم! میں تو یہ سمجھ رہا تھا کہ آپ مجھے پھر سزا دیں گے جس کا میں مستحق ہوں، بھلا میں یہ بے ادبی کیسے کر سکتا ہوں کہ آپ سے اپنا بدلہ لوں۔ آپ نے کئی بار بدلہ لینے کے لیے اصرار کیا لیکن وہ راضی نہ ہوا اور اس نے اللہ سے معافی مانگی، پھر امام نے قصاص نہ لینے پر وہ عمارت اسی کو بخش دی۔ (مولف روایت کے جملہ الفاظ سے متفق نہیں ہے۔)



کیا تھیں یہ پسند نہیں ہے کہ خدا تمہیں معاف فرمادے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ اس گفتگو سے جناب امام علیؑ بن حسینؑ نے اپنی ذات کو آواز دی تھی اور ان غلاموں اور کنیزوں کو تلقین کرنا مقصود تھا اور یہ لوگ بھی آپ کے ساتھ اس آواز کے مطلوب تھے اور حالت یہ تھی کہ جناب امام علیہ السلام ان کے درمیان کھڑے ہوئے گریہ فرما رہے تھے اور فریاد کر رہے تھے اور بارگاہ ایزدی میں عرض پرداز تھے کہ پروردگار! یہ تیرا حکم ہے کہ ہم ان لوگوں کو معاف کریں جنہوں نے ہم پر ظلم کیا اور ہم نے ایسے لوگوں کو تیرے حکم سے معاف کیا۔ لہذا اب تو بھی ہمیں معاف فرما۔ یقیناً تو ہم سے اور تمام مخلوقات سے برتر اور اعلیٰ ہے۔ تو نے ہمیں یہ حکم دیا ہے کہ ہم حاجت مندوں کو اپنے دروازوں سے خالی نہ لوٹائیں۔ اب ہم تیرے پاس سوالی اور محتاج کی حیثیت میں آئے ہیں اور تیری بارگاہ کے در پر بیٹھے ہوئے ہیں اور تیری عطا اور بخشش و کرم کے طالب ہیں لہذا ہم پر اپنا احسان فرما اور ہمیں ناامید نہ پھیر کیوں کہ تو ہم سب سے اعلیٰ و بالا و افضل ہے۔ الہی تو کریم ہے لہذا مجھ پر کرم فرما اس لیے کہ میں تیرا بندہ عاجز اور سچے سے ہی سوال کر رہا ہوں، اے کریم تو مجھے اپنی عطا پانے والوں میں شامل فرما۔ اس کے بعد جناب امام علیہ السلام ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے تمہیں معاف کیا تو کیا تم مجھے بھی معاف کر دو گے اور ان باتوں سے درگزر کر دو گے جو میری طرف سے تمہاری کسی بری حرکت کی بنا پر تمہارے لیے صادر ہوئیں۔ میں ایک بُرا مالک اور ظالم ہوں اس کے مقابلہ میں جو میرا مالک سخی، کریم، عادل، منصف اور فضل و احسان کرنے والا ہے اور میں اسی کا بندہ و غلام ہوں۔ چنانچہ ان سب نے کہا کہ اے ہمارے آقا! ہم نے آپ کو معاف کیا اور

رب نے آپ کے ہر اس عمل کو شمار کر رکھا ہے جو آپ نے کیا ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ نے ہماری غلطیاں اور خطائیں تحریر کی ہیں جو ہم نے کی ہیں اور اس ذات کے پاس وہ کتاب ہے جو حق کے ساتھ کلام کرتی ہے اور آپ کے ہر کبیرہ و صغیرہ کو شمار کر رکھا ہے اور آپ اپنے ہر عمل کو اس کے پاس موجود پائیں گے جیسا کہ ہم نے اپنے ہر عمل کو آپ کے پاس موجود پایا ہے لہذا آپ ہمیں معاف فرمائیے اور ان خطاؤں کو اس طرح نظر انداز کیجیے جس طرح آپ بادشاہ حقیقی سے معافی کی امید رکھتے ہیں اور جس طرح آپ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ مالک آپ کی خطاؤں کو معاف فرمادے اسی طرح ہمیں بھی معاف کیجیے تو آپ اس ذات کو بھی معاف کرنے والا اور اپنے اوپر رحم کرنے والا اور بخشنے والا پائیں گے اور آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ جس طرح اس ذات کے پاس لکھا ہوا اعمال نامہ موجود ہے اسی طرح آپ کے پاس بھی کتاب ہے جو ہمارے بارے میں سب کچھ حق اور درست رکھتی ہے اور جس میں ہمارا کوئی گناہ صغیرہ و کبیرہ ایسا نہیں ہے جس کا احاطہ و شمار نہ کر لیا گیا ہو۔

لہذا اے علی بن الحسینؑ! آپ بھی اپنے مقام کی اس ذلت کو ذہن میں رکھیے جو آپ کے اس عادل و منصف رب کے سامنے ہے جو رائی کے دانے کے برابر ظلم نہیں کرتا اور جو ہر وزیقا مت سارے اعمال سامنے لے آئے گا اور ذات پروردگار ہی محاسبے اور گواہی کے لیے کافی ہے لہذا آپ بھی ہمیں معاف فرمائیں اور ہماری خطاؤں سے چشم پوشی کریں۔ مالک حقیقی آپ کو معاف فرمائے گا اور آپ کی خطاؤں سے صرف نظر کرے گا خود اسی کا ارشاد ہے کہ لوگوں کو چاہیے کہ وہ دوسروں کی غلطیوں کو معاف کریں اور



آپ کا یہ عمل مسلسل تا حیات جاری رہا۔

آپ جب حبشیوں کو خرید فرماتے اور پھر ان کی ضرورت نہ رہتی تو انہیں عرفات میں لاتے تھے اور ان کی پریشان حالی کو دور کرنے کے سامان مہیا فرماتے تھے اور جب یہ کام مکمل فرما لیتے تھے تو انہیں آزاد کر دیتے اور مال عطا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ (الاقبال ص ۴۷۷، ترجمہ بجا الانوار ص ۱۱۴) حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے عم بزرگوار امام حسن علیہ السلام کی کنیز سے نکاح کیا جس کی خبر عبدالملک بن مروان کو پہنچی تو اس نے جناب امام علیہ السلام کو لکھا کہ یہ آپ نے کیسا عمل کیا ہے کہ آپ کنیزوں کے شوہر بن گئے۔

امام علیہ السلام نے اسے جواب میں تحریر فرمایا کہ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ خداوند عالم نے ان باتوں کو جو گھٹیا اور حقیر سمجھی جاتی تھیں انقلاب اسلام کے ذریعہ سے برتری عطا فرمائی اور ان کے نقائص کو دور فرمایا اور جنہیں کمینہ اور ذلیل خیال کیا جاتا تھا اسلام سے انہیں عزت بخشی۔ مسلمان قابل ملامت نہیں، ملامت کے قابل دور جاہلیت کی باتیں ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ایک غلام کا نکاح کر لیا اور خود ایک کنیز سے شادی کی تو مجھ پر کون سی اعتراض کی بات ہے۔ جب امام علیہ السلام کا یہ خط عبدالملک کے پاس پہنچا تو ان لوگوں سے جو اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے یوں کہنے لگا۔ مجھے اس کے بارے میں بتاؤ کہ وہ کون شخص ہو سکتا ہے کہ جب وہ کسی مجمع میں آجائے جہاں لوگ اس کی رسوائی کے لیے تیار ہوں پھر بھی اس شخص کے فضل و شرف میں کمی تو کیا بلکہ مزید اضافہ ہو جائے۔ حاضرین کہنے لگے، وہ تو صرف آپ ہی ہو سکتے ہیں۔ عبدالملک نے کہا خدا کی قسم،

آپ نے تو ہمارے ساتھ کوئی برائی نہیں کی۔ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ بارگاہ الہی میں دعا کرو کہ پروردگار! علی بن الحسینؑ کو اسی طرح معاف فرمادے جس طرح انھوں نے ہمیں معاف کیا ہے اور آتش جہنم سے آزاد کر دے جیسے انھوں نے طوق غلامی سے ہماری گردنیں آزاد کی ہیں۔ چنانچہ وہ سب اسی طرح دعا کرتے تھے پھر فرماتے جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا اور خدا سے اپنی معافی اور آتش جہنم سے اپنی آزادی کی امید میں تمہیں معافی دے دی۔ پھر آپ ان سب کو غلامی اور کنیزی سے آزاد کر دیتے۔

جب عید الفطر کا دن آتا تو امام علیہ السلام انہیں انعامات سے اس قدر نوازتے تھے کہ وہ بے نیاز ہو جاتے تھے۔ کوئی سال ایسا نہ گزرتا تھا کہ ماہ رمضان کی آخری رات میں آپ بیس سے کم یا زیادہ غلام و کنیزیں آزاد نہ کرتے ہوں اور فرمایا کرتے تھے کہ خدائے تعالیٰ ماہ رمضان کی ہر شب میں افطار کے وقت تک ستر لاکھ ان افراد کو دوزخ کی آگ سے آزاد کرتا ہے جو اس سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔ جب ماہ رمضان کی آخری رات ہوتی ہے تو خداوند عالم اس شب میں اتنے افراد کو آزاد کر دیتا ہے جتنے کل ماہ رمضان میں آزاد کیے تھے۔ میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے دیکھے کہ میں نے اس دنیا میں اپنے غلام اس امید پر آزاد کیے ہیں کہ وہ مجھے دوزخ کی آگ سے آزادی عطا فرمائے۔

جناب امام زین العابدینؑ ایک سال سے زیادہ کسی خادم سے خدمت نہیں لیتے تھے اور جب کسی کو سال کے شروع یا درمیان سال غلامی میں لیتے تھے تو جب شب عید آتی تھی تو اسے آزاد کر دیتے تھے اور دوسرے سال ان کے بدلے میں دوسرے غلام لیتے اور انہیں آزاد کر دیا کرتے تھے۔



میں اس عظمت کا مالک نہیں۔ حاضرین نے کہا ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ آپ ہی ایسے فرد ہو سکتے ہیں۔ عبدالملک نے کہا بخدا یہ امیر المومنین اس شرف کا اہل نہیں بلکہ درحقیقت اگر ایسی ذات ہے تو وہ صرف علی بن الحسین علیہ السلام کی ذات مقدس ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار ص ۱۱۵)

## امام کے اصحاب

فضل بن شاذان کا قول ہے کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے ابتدائی زمانہ امامت میں پانچ حضرات کے سوا اصحاب میں چھٹا کوئی نہ تھا اور وہ حضرات یہ ہیں۔ سعید بن جبیر، سعید بن مسیب، محمد بن جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام الطویل، ابو خالد کاہلی کہ جن کا درد ان نام اور لقب کنکر تھا۔

الاختصاص میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے مروی ہے کہ جب روز قیامت ہوگا تو ایک منادی آواز دے گا کہ امام زین العابدین علیہ السلام کے صحابی کہاں ہیں جبیر بن مطعم، یحییٰ بن ام الطویل، ابو خالد کاہلی اور سعید بن مسیب کھڑے ہو جائیں گے۔ ان اصحاب میں ہم سعید بن جبیر کے حالات ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں جو بنی اسد کی ایک شاخ بنی والیہ بن حارث کے غلاموں میں سے تھے اسی وجہ سے اسدی کہے جاتے تھے۔

## سعید بن جبیر اسدی

آپ کا اصلی وطن حبشہ تھا، آخر میں کوفہ میں رہنے لگے تھے۔ ۲۵ھ میں پیدا ہوئے تھے۔ عبداللہ بن عباس کے معتمد و موثق تلامذہ میں آپ کا شمار ہوتا ہے۔ ابتدائی زمانے میں وہ ابن عباس کے درس میں آکر بیٹھ جاتے تھے

اور جب دوسرے طلباء سوالات کرتے تھے تو عبداللہ بن عباس کے جوابات کو یاد کر لیا کرتے تھے۔ پھر وہ وقت بھی آیا کہ عبداللہ بن عباس بیان کرتے تھے اور سعید اسے لکھتے جاتے تھے یہاں تک کہ کاغذ بھر جاتا تھا تو نعلین اور پٹلی پر لکھنے لگتے تھے اور وہ بھی بھر جاتے تھے۔ سعید کا ذوق تحصیل اور شوق تعلیم دیکھ کر ابن عباس نے ان پر خصوصی نگاہ مرحمت فرمائی تھی اور انھیں علوم سے کما حقہ نواز دیا تھا یہاں تک کہ ابن عباس خود سعید سے کہتے تھے کہ تم بیان کرو جب سعید معذرت کرتے تھے تو ابن عباس کہتے تھے کہ کیا یہ خداوند عالم کی تمہارے اوپر نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں اس کی گواہی دوں۔ اگر تم صحیح بیان کرو گے تو ٹھیک ہے ورنہ میں غلطی کی اصلاح کروں گا اور کبھی کبھی سعید کے آنے پر ابن عباس ان کے حدیث کے بیان کرنے کا انداز معلوم کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے کہ حدیث بیان کرو اس لیے کہ تم نے مجھ سے سنی ہوئی بہت سی حدیثوں کو محفوظ کیا ہے۔ ۶۸ھ میں جب ابن عباس کا انتقال ہوا تو اس وقت بھی سعید آپ کے پاس تھے۔ اس وقت آپ کی عمر تیس سال تھی۔

جبھی تو سعید عقیدہ کی سختگی، عمل کی پائیداری اور زہد و تقویٰ میں انفرادی حیثیت کے مالک تھے۔ امام زین العابدین کے مطیع و فرمانبردار تھے اور محبت مولائے کائنات ان کی رگ و پے میں رچ بس گئی تھی۔ حجاج بن یوسف ثقفی نے انھیں اسی جرم میں قتل کیا تھا۔ حجاج نے جس زمانے میں عبدالرحمن بن اشعث کو کابل اور سیستان کا حاکم بنا کر بھیجا تو سعید ان کے ساتھ تھے اور جب حجاج کے خلاف عبدالرحمن نے آواز انقلاب بلند کی تو وہ اس کے مددگاروں میں تھے لیکن عبدالرحمن کو جب تحریک انقلاب میں کامیابی نہ مل سکی تو سعید



تم نے بھی بدبختی اختیار کی اور تمہارے باپ نے بھی۔ جناب سعید نے ایمانی لہجہ میں جواب دیا کہ غیب کا جاننے والا تمہارے علاوہ کوئی اور ہے۔ حجاج کا لہجہ ظالمانہ ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں دنیا کے عوض میں تم کو آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے دوں گا۔ جناب سعید نے قرآنی گفتگو کو اپنی زبان میں نقل کیا کہ اے حجاج اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ یہ تیرے قبضہ میں ہے تو میں تجھ کو ہی خدا مان لیتا۔

جناب سعید کو دار کی تلوار اور سیرت کی شمشیر سے حجاج پر برابر حملہ کرتے جا رہے ہیں اور حجاج غصہ سے بیچ و تاب کھاتا رہا ہے۔ حجاج نے پوچھا محمدؐ کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟ سعید نے فرمایا کہ وہ نبی رحمتؐ اور امام ہدایت ہیں، خداوند عالم نے انہیں رحمۃ للعالمین بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ حجاج کا دوسرا سوال تھا کہ حضرت علیؑ کے بارے میں تمہارا کیا نظریہ ہے؟ وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں؟ سعید نے تقاضائے وقت اور مناسبت حال کا خیال کرتے ہوئے جواب دیا کہ اگر میں جنت میں داخل ہوا ہوتا اور اہل جنت کی معرفت حاصل ہوتی ہوتی تو میں بتاتا کہ جنت والے کون ہیں۔ حجاج نے سوال کیا تم خلفاء کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ سعید نے جواب دیا کہ میں ان کے اوپر وکیل نہیں ہوں۔ حجاج نے وضاحت چاہی کہ خلفاء میں تم کس کو دوست رکھتے ہو؟ سعید نے جواب دیا جس سے اس کا خدا راضی ہے۔ حجاج نے پوچھا خدا کس سے راضی ہے؟ سعید نے جواب میں فرمایا اس کا علم اس ذات کے پاس ہے جو ان کے مخفی اور ظاہر امور کا جاننے والا ہے۔ حجاج نے غصہ میں آکر کہا کہ تم میری بات کی تصدیق سے انکار کرتے ہو؟ سعید نے جواب میں ارشاد فرمایا میں تمہاری تکذیب اس وقت نہیں کرنا چاہتا

ان کا ساتھ چھوڑ کر اصفہان میں آکر روپوش ہو گئے۔ پھر عراق جا کر قریہ سنبلان میں خانہ نشینی کی زندگی گزارنے لگے۔ حجاج کو جیسے ہی یہ خبر ملی تو اس نے حاکم کو لکھا کہ سعید کو گرفتار کر کے میرے پاس بھیج دو۔ لیکن حاکم کی سعید سے محبت و عقیدت نے اسے گوارا نہ کیا۔ انہوں نے سعید سے کہا کہ آپ کسی اور مقام پر کوچ کر جائیں۔ حجاج آپ کی تلاش میں ہے اور آپ کی گرفتاری کا حکم آچکا ہے۔ سعید آذربائیجان چلے گئے۔ کافی دنوں خانہ نشینی کی زندگی ناقابل برداشت ہو گئی تو مکہ میں جا کر قیام کیا۔ بعض لوگوں نے سعید کو مشورہ بھی دیا کہ آپ کسی اور مقام کو منتخب فرمائیں۔ انہوں نے فرمایا کہ اتنا دور در پھرتا اور چھپتا رہا ہوں کہ اب خدا سے شرم آتی ہے، جو کچھ مقدر میں ہے وہ ہو کر رہے گا۔

حجاج کو اطلاع ملی، اس نے ولید کو حکم دیا کہ سعید کو گرفتار کر لیا جائے۔ ولید نے خالد بن عبد اللہ قشری کو لکھا کہ سعید کو گرفتار کر کے مع ان کے ساتھیوں کے حجاج کے پاس روانہ کر دے۔ سعید کو اس وقت گرفتار کیا گیا جب وہ خانہ کعبہ کے طواف میں مصروف تھے، خالد نے گرفتاری کا حکم نافذ کرتے ہوئے کہا کہ ان کا طواف ختم کر دو۔

جناب سعید حجاج کے سامنے کھڑے ہیں۔ اس نے حقارت اور توہین سے بھرپور انداز میں سعید سے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ سعید نے جواب میں فرمایا سعید بن جبیر۔ حجاج نے ذلت آمیز لہجہ میں کہا تمہارا نام شقی بن کسیر ہے۔ سعید نے نہایت متانت سے اسلامی آداب کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیا میرے پدر بزرگوار میرے نام کے بارے میں تجھ سے زیادہ باخبر ہیں۔ حجاج نے پھر زبان درازی کرتے ہوئے اپنے ظلم کا ثبوت فراہم کیا اور کہا



وَجْهَ اللَّهِ جس طرف رخ کرو ادھر خدا ہے۔ حجاج نے کہا کہ انھیں مسند کے بھل لٹا دو، سعید نے آیت قرآن پڑھی مِنْهَا خَلَقْنَاكُمْ وَفِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى زمین سے میں نے تم کو پیدا کیا زمین میں تمہیں لوٹائیں گے اور زمین سے دوبارہ نکالیں گے۔ حجاج نے حکم دیا کہ انھیں ذبح کر دو۔ حکم نافذ ہو گیا۔ سعید کی زبان پر فقرے تھے کہ میں خدائے وحدہ لا شریک کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمدؐ اس کے بندے اور رسولؐ ہیں۔ اور آخری فقرہ جو ذبح ہونے سے قبل جناب سعید کی زبان پر تھا وہ یہ کہ خداوند! تو میرے بعد حجاج کو کسی اور کے قتل پر مسلط نہ کرنا۔ جناب سعید کی دعا قبول ہوئی۔ جناب سعید کی شہادت ۹۴ھ میں ہوئی، حجاج ان کی شہادت کے بعد کسی کو قتل نہ کر سکا، صرف پندرہ دن زندہ رہا۔ اس کے شکم میں آگ کے شعلے بھڑکتے تھے، وہ راتوں کو جاگتا رہتا تھا اور چیخ چیخ کر کہتا تھا کہ میرا سعید نے کیا بگاڑا تھا، جب میں سونے کا ارادہ کرتا ہوں تو سعید میرا گریبان پکڑ کر گھسیٹتے ہیں۔

جناب سعید کی عمر وقت شہادت انچاس یا پچاس سال تھی۔ انھیں شہر حمی سے دو میل کے فاصلے پر ظاہر واسط میں دفن کیا گیا۔ حجاج کے فی النار ہونے کے بعد ان کے قبر کی جانب خصوصی توجہ دی گئی، مزار بنایا گیا اور ۹۴ھ میں اس پر ایک عظیم قبہ تعمیر کیا گیا اور ۱۹۷ھ میں پرانی عمارت سے متصل ایک عالی شان عمارت تعمیر کر دی گئی ہے۔ (تنظیم المکاتب ۱۵ اپریل ۱۹۹۳ء مضمون مولانا ناظم علی)

امام علیہ السلام کے ایک حبشی غلام کی دعا سے بارش کا ہونا

مسعودی نے اثبات الوصیہ میں سعید بن مسیب سے نقل کیا ہے کہ

حجاج عاجز آکر کہتا ہے کہ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ میں معاف کر دوں۔ سعید نے ایمان و یقین سے معمور جواب دیا کہ اگر معافی ہے تو وہ صرف خدا کی جانب سے ہے لیکن تجھ کو انسان کے معاف کرنے پر قدرت حاصل نہیں ہے۔ حجاج نے کہا اے سعید! تمہارے لیے ویل ہے۔ سعید نے فرمایا ویل اس کے لیے ہے جو جنت سے دور کر دیا گیا ہو اور جہنم میں داخل کر دیا گیا ہو۔ حجاج نے کہا اے سعید! تم خود اپنے لیے اختیار کرو کہ میں تمہیں کس طرح قتل کروں۔ سعید نے جواب دیا اے دشمن خدا! تو خود اپنے لیے اختیار کرو بخدا تو جس طرح آج مجھ کو قتل کرے گا اسی طرح میں تجھ کو آخرت میں قتل کروں گا۔ حجاج نے بھلا کر درباریوں کو حکم دیا کہ انھیں قتل کے لیے لے جایا جائے۔

سچ ہے کہ صاحب ایمان موت سے گھبراتا نہیں۔ جناب سعید کو جب درباری لے کر چلے تو وہ ہنسنے لگا۔ حجاج کو جب ان کے ہنسنے کی خبر ملی تو اس نے واپس لانے کا حکم دیا اور پوچھا کہ اے سعید! کس وجہ سے تم ہنسنے رہے تھے؟ سعید نے جواب میں فرمایا کہ خدا کے مقابلہ میں تو کتنی جرأت کا مقابلہ کر رہا ہے اور خدا تیرے اس جرأت کے باوجود کتنا حلیم و بردبار ہے۔ یہ سنتے ہی حجاج چیخ کر کہنے لگا کہ انھیں جلدی قتل کر دیا جائے۔ سعید نے فرمایا کہ اتنا رک جا کہ دو رکعت نماز ادا کر لوں۔ وہ رو بقبلہ ہوئے اور زبان پر یہ کلمات جاری تھے وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ میں نے خالق ارض و سما کی جانب رخ کیا باطل سے رخ پھیر لیا اس کے سامنے سر تسلیم خم کیا میں مشرک نہیں ہوں۔ حجاج نے یہ دیکھ کر حکم دیا کہ انھیں قبلہ سے منحرف کر کے نصاریٰ کے قبلہ کی طرف کر دو۔ دربار کے لوگوں نے حکم کی پابندی کی۔ اس پر سعید نے فرمایا کہ آيِنَّمَا تَوَلَّوْا فَنَتَّقِ



## امام محمد باقر اور غلامی

امام محمد باقر علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پانچویں جانشین، ہمارے پانچویں امام اور سلسلہ عصمت کی ساتویں کڑی تھے۔ آپ کے والد ماجد سید الساجدین حضرت امام زین العابدین علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ ام عبد اللہ فاطمہ بنت حضرت امام حسن علیہ السلام تھیں۔ علماء کا اتفاق ہے کہ آپ باپ اور ماں دونوں کی طرف سے علوی اور نجیب الطرفین باشی تھے۔ نسب کا یہ شرف کسی کو بھی نہیں ملا۔ آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے یعنی خدا کی طرف سے آپ امام معصوم اور اپنے عہد امامت میں سب سے بڑے عالم اور کائنات میں سب سے افضل تھے۔

علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہیں کہ آپ عبادت، علم اور زہد وغیرہ میں اپنے باپ امام زین العابدین علیہ السلام کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔ (صواعق محرقہ ص ۱۲۰) علامہ محمد بن طلحہ شافعی لکھتے ہیں کہ آپ علم، زہد و تقویٰ و طہارت، صفائے قلب اور دیگر محاسن و فضائل میں اس درجہ پر فائز تھے کہ یہ صفات خود ان کی طرف انتساب سے ممتاز قرار پائے۔ (مطالب السؤل ص ۲۶۹)

صاحب روضۃ الصفا کا کہنا ہے کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے فضائل لکھنے کے لیے ایک علیحدہ کتاب درکار ہے۔ خواجہ محمد یار سا لکھتے ہیں

ایک سال قحط کی وجہ سے لوگ پریشان تھے۔ میں نے دیکھا کہ ایک غلام سیاہ پست لوگوں سے جدا ہو کر ایک ٹیلہ پر آیا۔ پس میں نے دیکھا کہ وہ دعا کو رہا تھا۔ ابھی اس کی دعا تمام نہ ہوئی تھی کہ ایک ابر آسمان پر آیا، اس غلام نے جب اس ابر کو دیکھا تو حمد خدا بجالایا اور وہاں سے اس نے حرکت کی اور اس قدر بارش ہوئی کہ ہمیں اپنے غرق ہونے کا گمان ہونے لگا۔ پس میں اس غلام کے پیچھے ہولیا، میں نے دیکھا کہ وہ امام زین العابدین علیہ السلام کے بیت الشرف میں داخل ہوا۔ پس میں امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اے میرے سید و سردار! آپ کے گھر میں ایک غلام سیاہ ہے اس کو آپ مجھے فروخت کر دیں۔ پس امام نے تمام غلاموں کو حاضر ہونے کا حکم دیا مگر میں نے اس غلام کو نہیں دیکھا۔ میں نے کہا جو غلام مجھے چاہیے وہ ان میں نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کوئی باقی نہیں ہے سوائے ایک کے۔ آپ نے اس کے حاضر کرنے کا حکم فرمایا۔ میں نے کہا یہی غلام مجھے مطلوب ہے۔ آپ نے اس غلام سے فرمایا، سعید تیرا مالک ہے اس کے ساتھ چلا جا۔ اس غلام نے میری طرف دیکھا اور کہا تو کیوں میرے اور میرے مولا کے درمیان جدائی پیدا کر رہا ہے۔ میں نے کہا صرف وہ بات ہے جو میں نے پہاڑی کے اوپر تجھ سے مشاہدہ کی۔ غلام نے جب یہ سنا بارگاہ الہی میں ہاتھ اٹھا کر کہا پروردگار تیرے اور میرے درمیان ایک راز تھا جس کو تو نے فاش کر دیا پس اب مجھے موت دے دے اور اپنے پاس بلا لے۔ امام زین العابدین اور آپ کے تمام اصحاب اس غلام کے حال پر رونے لگے اور میں روتا ہوا باہر آیا۔ پس جب میں اپنے گھر پہنچا امام علیہ السلام کا قاصد آیا کہ اگر چاہتا ہے تو جنازہ میں شریک ہو جا۔ میں امام کے قاصد کے ساتھ واپس اماں کی خدمت میں آیا تو دیکھا کہ اس غلام کی وفات ہو چکی ہے۔ اللہ اکبر! جن کے ادنیٰ غلاموں کی یہ شان ہے خود ان اماموں کے مراتب کو انسان کیا سمجھ سکتا ہے۔ (منہجی الآمال ج ۲ ص ۲۴)



ساتھ کام میں لگ جاتے تھے اور اگر وہ کام سہل اور آسان ہوتا تو ان سے علحدہ رہتے اور اس کام کو انھیں پرچھوڑ دیتے تھے۔ (کتاب الزہد باب بیان ملوک)

حضرت کے زمانہ میں علوم اہل بیت کے تحفظ کا اہتمام ہوا اور حضرت کے شاگردوں نے ان افادات سے جو انھیں حضرت امام محمد باقر سے حاصل ہوئے مختلف علوم و فنون اور مذہب کے شعبوں میں کتابیں تصنیف کیں ان شاگردوں میں جہاں آزاد لوگ تھے ان ہی کے پہلو بہ پہلو غلام بھی تھے۔ ذیل میں ہم چند ان غلاموں کا ذکر کر رہے ہیں جو امام محمد باقر علیہ السلام کی صحبت میں رہے اور علم حاصل کیا اور منزل کمال پر پہنچ کر خدمت دین مبین کا شرف حاصل کیا۔

۱۔ اسحاق بن یسار، قیس بن مخرمہ کے غلام تھے اور بعضوں نے فاطمہ بنت عقبہ کا غلام لکھا ہے۔

۲۔ ایوب بن شہاب، ان کا ذکر اصحاب امام جعفر صادق علیہ السلام میں آئے گا۔  
۳۔ ایوب بن ابی قیس کیسان السجستانی العنبری البصری، ان کی کنیت ابو بکر تھی۔ عمار یاسر کے غلام تھے۔ مرض طاعون میں ۳۱ھ میں انتقال ہوا اور ۶۵ سال کی عمر پائی۔ آپ ثقہ اور فقیہ تھے۔

۴۔ بشر بن میمون الوریثی الہمدانی النبال الکوفی، یہ اور ان کے بھائی شجرۃ الوارک جن کا نام میمون تھا بنی وریث کے غلام تھے اور وہ میمون بن سجار تھے۔  
۵۔ بسام بن عبد اللہ سیرفی کنیت ابو عبد اللہ، بنی ہاشم کے غلام تھے۔

۶۔ ثابت بن ہرمز، ابو المقدام الجلی کوفی الحداد کے غلام تھے۔

۷۔ ثابت بن ابی ثابت عبد اللہ الجلی الکوفی ان کی کنیت ابو سعید تھی۔ امام

کہ امام بارع مجمع جلالہ و کمالہ آپ عظیم الشان امام و پیشوا اور جامع صفات جلال و کمال تھے۔ (فصل الخطاب) علامہ شیخ محمد خضریٰ بک لکھتے ہیں کہ امام محمد باقر اپنے زمانہ میں بنی ہاشم کے سردار تھے۔ (تاریخ فقہ ص ۱۷۹ طبع کراچی) آپ کی ولادت سے تقریباً ۲۶ سال قبل جابر بن عبد اللہ انصاری کے ذریعہ سے آپ کے جد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو سلام کہلایا تھا اور فرمایا تھا اے جابر! میرے اس فرزند (حسین) کی نسل سے ایک بچہ پیدا ہوگا وہ میرا ہمنام ہوگا، خدا اس کو نور علم اور حکمت عطا فرمائے گا۔ اے جابر! جب اس سے ملاقات ہو تو میرا سلام پہنچانا۔

آپ کے اخلاق وہ تھے کہ دشمن بھی قائل تھے۔ چنانچہ ایک شخص اہل شام میں سے مدینہ میں قیام رکھتا تھا اور اکثر امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس آکر بیٹھا کرتا تھا۔ اس کا بیان تھا کہ مجھے اس گھرانے سے ہرگز کوئی خلوص محبت نہیں مگر آپ کے اخلاق کی کشش اور فصاحت وہ ہے جس کی وجہ سے میں آپ کے پاس آنے اور بیٹھنے پر مجبور ہوں۔

غلاموں سے حسن سلوک اور برتاؤ میں بھی آپ اپنے آباء و اجداد کی حیثیت جانتی تصویر نظر آتے ہیں۔ کتاب الزہد میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جناب رسالتنا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک خط میں تحریر تھا کہ جب تم اپنے زر خرید لو بڑی غلاموں سے کوئی کام لو اور وہ کام ان کے لیے دشوار ہو تو تم بھی ان کے ساتھ مل کر کام کرو۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ میرے پدر بزرگوار انھیں کسی کام کا حکم نہیں دیتے تھے بلکہ یوں فرمایا کرتے تھے کہ تم جیسے چاہو اور صورت یہ تھی کہ حضرت یہ ملاحظہ فرماتے تھے کہ اگر مشکل اور بھاری کام ہے تو بسم اللہ کہہ کر ان کے



محمد باقرؑ اور امام جعفر صادقؑ دونوں اماموں سے روایت بیان کی ہے۔

۸۔ نویر بن ابی فاخہ سعید بن جہان ام ہانی کے غلام تھے۔ امام زین العابدینؑ اور امام جعفر صادقؑ کے بھی صحابی تھے۔

۹۔ جعفر بن عمرو بن ثابت ابی المقدم بن ہرمز الحداد الجلی ان کے آقا کو فی تھے۔

۱۰۔ احسن بن ابی سارۃ النیلی محمد بن کعب کے غلام تھے۔

۱۱۔ احکم بن عتبہ ابو محمد الکو فی الکندی شمس بن عمر وندی کے غلام تھے۔

۱۲۔ حبیب بن حسان بن ابی الاشرس الاسدی قبیلہ اسد کے غلام تھے۔

۱۳۔ حماد بن ابی سلیمان الاشعری ابو موسیٰ کو فی کے غلام تھے۔

۱۴۔ حمران بن اعین شیبانی بنی شیبان کے غلام تھے۔ ان کے بارے میں امام

نے فرمایا انت شیعتنا فی الدنیا والاخرۃ تم دنیا و آخرت میں ہمارے

شیعہ ہو۔ امام جعفر صادقؑ علیہ السلام نے فرمایا وہ جنتی تھے۔ آپ نے فرمایا

وہ ایسے مومن تھے جو اپنے ایمان سے کبھی نہیں پھرے۔ زرارہ ان کے

بھائی تھے۔

۱۵۔ زرارہ بن اعین بڑے بزرگ مرتبہ شیعہ عالم تھے۔ ان کی علم کلام، فقہ

اور حدیث میں بہت سی کتابیں ہیں۔ ان کا نام عبد رب تھا۔ وفات ۱۵۷ھ

میں ہوئی۔ زرارہ بن اعین کے چاروں بھائی حمران، بکیر، عبد الملک عبد الرحمن

پسران اعین سب راہ راست پر تھے اور پکے شیعہ تھے۔

۱۶۔ حکیم بن صہیب بنی ضبہ کے غلام تھے۔

۱۷۔ رفید بنی ہبیرہ کے غلام تھے۔

۱۸۔ زیاد بن سوفہ الجلی الکوفی جریر بن عبد اللہ کے غلام تھے۔

۱۹۔ زید الاحلام مولیٰ الکوفی پانچویں اور چھٹے دونوں اماموں سے روایت حاصل کی ہے۔

۲۰۔ زیاد و طاہر امام محمد باقرؑ کے غلام تھے۔

۲۱۔ محمد الطیار فرزادہ کے غلام تھے۔

۲۲۔ منہال بن عمرو الاسدی قید شام کے زمانے میں امام زین العابدینؑ نے

واقعہ کربلا کے مصائب ان سے بیان کیے۔

۲۳۔ یزید، احکم بن ابی الصلت الشقفی کے غلام تھے۔ (رجال الطوسی)

افسوس ان حضرات کے مفصل حالات نہ مل سکے مگر ان کا یہی شرف

کیا کم ہے کہ امام علیہ السلام کی صحبت اور ان میں سے بہت سے چشمہ علم سے

سیراب ہوئے، علماء و فقہاء و محدثین کہلائے اور مختلف علوم میں کتابیں

لکھیں، مصنف کہلائے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لیے ہر علم و فن میں

ذخیرہ چھوڑ گئے۔



اس صدمہ سے جاں بحق تسلیم ہو گیا۔ مجھے بچہ کے مرنے کا اتنا صدمہ نہیں جتنا اس کا رنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب و ہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر حضرت نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا ڈرو نہیں، میں نے تم کو راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد حضرت بچہ کی تجہیز و تکفین کی طرف متوجہ ہو گئے۔ (صادق آل محمد ص ۱۱۲، مناقب ابن شہر آشوب ج ۵ ص ۵۴)

کتاب مجانی الادب ج ۱ ص ۷۷ میں ہے کہ حضرت کے یہاں کچھ مہمان آئے تھے۔ حضرت نے کھانے کے موقع پر اپنی کنیز کو کھانا لانے کا حکم دیا وہ سالن کا بڑا پیالہ لے کر جب دسترخوان کے قریب پہنچی تو اتفاقاً پیالہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر گر گیا۔ اس کے گرنے سے امام علیہ السلام اور دیگر مہمانوں کے کپڑے خراب ہو گئے۔ کنیز کا نپٹنے لگی اور آپ نے غصہ کے بجائے راہ خدا میں یہ کہہ کر آزاد کر دیا کہ تو جو میرے خون سے کاپیتی ہے شاید یہی آزاد کرنا کفارہ ہو جائے۔ پھر اسی کتاب کے ص ۷۹ میں ہے کہ ایک غلام آپ کا ہاتھ دھلارہا تھا کہ دفعۃً لوٹا چھوٹ کر طشت میں گرا اور پانی اڑا کر حضرت کے منہ پر پڑا۔ غلام گھبرا اٹھا حضرت نے فرمایا ڈرو نہیں، میں نے تجھے راہ خدا میں آزاد کر دیا۔

علامہ ابن شہر آشوب تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے ایک غلام کو کسی کام سے بازار بھیجا۔ جب اس کی واپسی میں بہت دیر ہوئی تو آپ اس کو تلاش کرنے کے لیے نکل پڑے دیکھا ایک جگہ لیٹا ہوا سو رہا ہے۔ آپ اسے جگانے کے بجائے اس کے سر پر ہٹ گئے اور پٹکھا بھلنے لگے۔ جب وہ بیدار ہوا تو آپ نے فرمایا یہ طریقہ اچھا نہیں ہے، رات سونے کے لیے اور دن کام کاج کے لیے ہے، آئندہ ایسا نہ کرنا۔ (مناقب ج ۵ ص ۵۲)

## امام جعفر صادق علیہ السلام کا غلاموں اور کنیزوں پر لطف و کرم

آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جسے خداوند عالم نے نوع انسانی کے لیے نمونہ کامل بنا کر پیدا کیا۔ ان کے اخلاق و اوصاف زندگی کے ہر شعبہ میں معیار حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کا قاعدہ تھا کہ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے تھے، مزدوروں کی بڑی قدر فرماتے تھے۔ خود بھی تجارت فرماتے تھے اور اکثر اپنے باغوں میں بنفس نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم تر ہو گیا، کسی نے کہا یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمائیے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ حضرت نے فرمایا طلب معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں۔

غلاموں اور کنیزوں پر وہی مہربانی رہتی تھی جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے کہ جسے سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر ہوا، دیکھا کہ چہرہ مبارک کا رنگ متغیر ہے میں نے سبب دریافت کیا تو فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو میں گھر آیا تو دیکھا ایک کنیز جو ایک بچے کی پرورش پر متعین تھی اسے گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی تھی مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور



پروانہ آزادی کے گواہ ہیں فلاں فلاں تین آدمی۔ (الکافی ۶۷ ص ۱۸۱)  
 امام جعفر صادق علیہ السلام کی علمی جلالت کا شہرہ تمام عالم اسلامی میں تھا  
 اور دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے  
 یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ ان میں  
 آزاد لوگوں کے علاوہ غلام بھی تھے اور کنیزیں بھی۔ چنانچہ عباس بن ہلال نے  
 حضرت ابوالحسن امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا  
 کہ حضرت امام جعفر صادق کی ایک کنیز اہل فضل میں سے تھی اور وہ کلمات  
 جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کرتی تھی انھیں یاد کر لیتی تھی۔ اس  
 کے پاس وصیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا علم تھا۔ حضرت امام  
 جعفر صادق اس سے فرمایا کرتے تھے کہ اللہ سے دعا کر کہ جس طرح اللہ نے  
 دنیا میں مجھ سے تیرا تعارف کرایا، جنت میں بھی تو میری زوجیت میں رہے۔  
 یہ کنیز حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے بیت الشرف کے قریب  
 رہتی تھی مسجد رسول میں صرف آنحضرت کو سلام کرنے کے لیے آتی تھی  
 ویسے کبھی بھی نظر آتی تھی یا پھر کہ جاتے ہوئے یا واپسی پر بھی نظر آ جاتی تھی۔  
 بیان کیا جاتا ہے کہ آخری فقرہ جو اس کی زبان سے نکلا یہ تھا کہ ”ہم اللہ کے  
 عطا کردہ ثواب پر راضی اور عتاب الہی سے مامون و محفوظ ہیں۔ (رجال کشی)  
 آپ کے غلاموں میں سے معتب و مسلم اور مصادون مشہور ہیں۔

### معتب

آپ کے وکیل تھے اور قحط کے زمانے کا یہ واقعہ آپ ہی سے منقول  
 ہے کہ آپ نے فرمایا کہ غلہ روز بروز مدینہ میں گراں ہوتا جاتا ہے، ہمارے

ابن سنان نے ایک ایسے غلام سے روایت کی ہے جس کو حضرت جعفر  
 بن محمد نے آزاد فرمایا تھا اور جس کے پروانہ آزادی میں یہ تحریر تھا  
 یہ پروانہ آزادی ہے حضرت جعفر بن محمد کی طرف سے، انھوں نے اپنے  
 فلاں غلام سندی کو آزاد کیا اس بنا پر کہ وہ گواہی دیتا ہے کہ نہیں ہے کوئی اللہ  
 سوائے اس اللہ کے۔ وہ اکیلا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور محمد صلی اللہ  
 علیہ وآلہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں نیز بعث دوبارہ زندہ  
 کیا جانا حق ہے، جنت حق ہے، جہنم حق ہے۔ وہ اللہ کے دوستوں سے دوستی  
 رکھتا ہے اور اللہ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اللہ کی حلال  
 کی ہوتی چیزوں کو حلال اور حرام کی ہوتی چیزوں کو حرام جانتا ہے۔ اللہ کے  
 رسولوں پر ایمان رکھتا ہے۔ جو کتابیں اور احکامات اللہ کی طرف سے آئے ہیں  
 ان کا اقرار کرتا ہے۔ جعفر بن محمد نے اس کو اللہ کے لیے (لوجه اللہ) آزاد کیا  
 ہے۔ وہ اس سے اس کی نہ کوئی جزا چاہتے ہیں اور نہ شکریہ۔ اب اس پر  
 کسی کو کوئی اختیار نہیں، ہاں اس کے ساتھ بھلائی کر سکتا ہے۔ گواہ ہیں اس پر  
 فلاں۔ (الکافی ۶۷ ص ۱۸۱)

ابراہیم بن ابی بلاد کا بیان ہے کہ میں نے حضرت ابو عبد اللہ امام جعفر  
 صادق کے تحریر کردہ پروانہ آزادی کو پڑھا، اس میں تحریر تھا۔

یہ پروانہ آزادی ہے جعفر بن محمد کی جانب سے، انھوں نے اپنے فلاں  
 غلام کو اللہ کے لیے (لوجه اللہ) آزاد کیا۔ وہ اس سے اس بات کی نہ کوئی جزا  
 چاہتے ہیں اور نہ شکریہ، صرف اس وعدے پر کہ وہ نماز پڑھے گا، زکوٰۃ ادا  
 کرے گا، حج بیت اللہ کرے گا، ماہ رمضان میں روزے رکھے گا، اللہ کے دوستوں  
 کو دوست رکھے گا، اللہ کے دشمنوں سے برأت کا اظہار کرے گا۔ اس



یہاں کس قدر غلہ ہوگا؟ معتب نے کہا کہ ہمیں اس گرائی اور قحط کی تکلیف کا کوئی اندیشہ نہیں ہے، ہمارے پاس غلہ کا اتنا ذخیرہ ہے جو بہت عرصہ تک کافی ہوگا۔ حضرت نے فرمایا یہ تمام غلہ فروخت کر ڈالو، اس کے بعد جو حال سب کا ہو وہی ہمارا بھی ہو۔ جب غلہ فروخت کر دیا گیا تو فرمایا، اب خالص گیہوں کی روٹی نہ پکا کرے بلکہ آدھے گیہوں اور آدھے جو، جہاں تک ممکن ہو وہیں غریبوں کا ساتھ دینا چاہیے۔

**معلى بن خنيس**

معلى بن خنيس کو فہ کے رہنے والے تھے جو امام جعفر صادق علیہ السلام کے اصحاب و خدام سے تھے اور آپ کے غلام تھے۔ ایک مرتبہ معلى نہایت غمگین اور متفکر بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت نے پوچھا اے معلى! اس وقت کیوں غمگین ہو؟ عرض کی یا مولا! میرے اہل و عیال عراق میں ہیں، مجھے خبر ملی ہے کہ وہاں وبا پھیلی ہے، بہت لوگ مر رہے ہیں، نہ معلوم میرے اہل و عیال پر کیا گزری۔ فرمایا کہ تم چاہتے ہو کہ اس وقت ان کو دیکھو، کہا ہاں۔ حضرت نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا، انھوں نے اپنے کو عراق میں پایا، اپنے گھر میں داخل ہوئے، سب اہل و عیال کو بخیریت پایا اور سب سے باتیں کیں۔ جب پھر حضرت نے ان کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا معلى نے اپنے کو مدینے میں پایا۔ اس کے بعد فرمایا اے معلى! تم ہمارے اسرار کو لوگوں سے علانیہ بیان نہ کیا کرو، نہیں تو قتل کر دیے جاؤ گے۔ مگر انھوں نے جوش و لا میں لوگوں سے بیان کر دیا اور یہ باعث ان کی ہلاکت کا ہوا۔ (بصائر الدرجات ج ۸ باب ۱۱۹ ص ۱۱۹)

یہی معلى بن خنيس ہیں جن سے امام جعفر صادق علیہ السلام نے عید

نوروز کے فضائل اور اس کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے۔ معلى بن خنيس نوروز کے دن امام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام نے فرمایا تم اس روز کو جانتے ہو؟ معلى نے کہا میری جان آپ پر خدا ہو، یہ وہ دن ہے جس کی عجم تعظیم کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتے ہیں۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ تعظیم ایک امر قدیم ہے جس کو میں بیان کرتا ہوں تاکہ تم اس کو سمجھو۔ معلى نے عرض کیا اے مولا! آپ کی برکت سے اس روز کی معرفت میرے نزدیک میرے مردوں کے زندہ ہونے اور میرے دشمنوں کے مرنے سے بہتر ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ وہ دن ہے کہ خداوند عالم نے اس روز بندوں کی رخصت سے اقرار لیا ہے کہ اس کو وحدۃ لا شریک سمجھیں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ قرار دیں اور پیغمبروں، اماموں، دین کے پیشواؤں اور ائمہ معصومین پر ایمان لائیں۔ یہی پہلا دن ہے جس میں آفتاب نکلا، درختوں میں میوہ پیدا کرنے والی ہوائیں چلیں، پھول اور شگوفہ زمین سے پیدا ہوئے۔ اسی دن حضرت نوحؑ کی کشتی نے طوفان کے بعد کوہ جودی پر قرار پکڑا۔ اس دن خداوند عالم نے ان چند ہزار آدمیوں کو زندہ فرمایا جو طاعون کے خوف سے بھاگے تھے اور دفعتاً خدا نے ماریا۔ مدتوں کے بعد جب ان کی ہڈیاں رہ گئیں ایک پیغمبر کا دھڑ سے گزر ہوا۔ انھوں نے خداوند عالم سے سوال کیا کہ پروردگار! مجھ کو دکھا دے کہ تو کس طرح بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کرتا ہے؟ خداوند عالم کی طرف سے وحی ہوئی کہ تم ان ہڈیوں پر پانی چھڑکو چنانچہ انھوں نے پانی چھڑکا سب خدا کی قدرت سے زندہ ہو گئے۔ اسی وجہ سے سنت ہے کہ اس روز ایک دوسرے پر پانی چھڑکے یا اپنے اوپر خود پانی ڈالیں اور غسل کریں۔ حضرت نے فرمایا کہ جو لوگ زندہ ہوئے وہ تیس ہزار



تم عربوں نے اس کو ضائع کر دیا۔ پھر حضرت نے معالیٰ بن خنیس سے ارشاد فرمایا کہ روزِ نور ہو تو غسل کرو اور نہایت پاکیزہ کپڑے پہنو، خوشبو لگاؤ اور اس روز روزہ رکھو، جب نماز اور نوافل سے فارغ ہو تو دو دو رکعت کر کے چار رکعت نماز پڑھو۔ (العوالی)

جناب معالیٰ محبتِ اہل بیتؑ میں ہمیشہ سرشار رہتے تھے۔ جب عید کا دن آتا تو آپ نماز عید کے لیے اپنے سر پر خاک اڑاتے ہوئے فریادیوں کی سی شکل بنائے صحرا کی طرف جاتے اور جب خطیب منبر پر جاتا تو یہ اپنے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف بلند کر کے کہتے پروردگار! جس جگہ یہ کھڑا ہے یہ جگہ تو درحقیقت خلفاء اور تیرے منتخب بندوں کی ہے، یہ مقام ان کا ہے جن کو تو نے اپنی امانتوں کے لیے مخصوص کیا ہے مگر ہر شے کا مقدر بنانے والا تو ہی ہے، تیرے فیصلہ پر کوئی غالب نہیں آسکتا، تیری تدبیر ایسی حتمی ہوتی ہے کہ اس سے ہرگز کوئی تجاوز نہیں کر سکتا۔ تو جو چاہے کرے اور جیسا چاہے کرے جس طرح تجھے اپنی مخلوقات کا علم ہے اسی طرح تجھے اپنے ارادے کا بھی علم ہے۔

پروردگار! تیرے منتخب بندے، تیرے خلفاء اتنے مغلوب و مقہور ہیں کہ وہ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ تیرے احکام بدل دیے گئے ہیں تیری کتاب پس پشت ڈال دی گئی ہے، تیرے عائد کیے ہوئے فرائض میں تحریف کر دی گئی ہے، تیرے نبی کی سنت متروک ہو چکی ہے لیکن وہ تیرے منتخب بندے اور تیرے خلفاء بول نہیں سکتے۔ پروردگار! اولین آخرین گذشتہ و آئندہ میں جو لوگ بھی ان کے دشمن ہیں ان سب پر تیری لعنت ہو۔ پروردگار! ہمارے زمانے کے ظالموں پر، ان کے پیچھے چلنے والوں

آدمی تھے اور مفسرین کہتے ہیں کہ وہ پیغمبر حضرت حزقیلؑ تھے۔ اور حضرت فرماتے ہیں کہ یہی وہ دن ہے جس میں حضرت جبریلؑ جناب رسولؐ خدا پر وحی لے کر نازل ہوئے یعنی نور روز کا دن یومِ مبعث کے موافق تھا۔ یہی وہ دن ہے کہ رسولؐ خدا نے مکہ میں کفار قریش کے بتوں کو توڑا یعنی جب کہ حضرت اپنے ہمراہ امیر المومنینؑ کو لے کر خانہ کعبہ میں تشریف لائے تھے اور حکم دیا تھا کہ میرے کاندھے پر چڑھ کر ان بتوں کو گرا دو۔ چنانچہ امیر المومنینؑ نے حضرت کے کاندھوں پر چڑھ کر بتوں کو گرا دیا یہ بھی نور روز کی رات کا واقعہ ہے۔ اسی روز حضرت ابراہیمؑ نے بھی بتوں کو توڑا تھا۔ اسی روز رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب کو حکم دیا تھا کہ بیعت امیر المومنینؑ کریں اور اقرار کریں کہ حضرت امیر المومنینؑ ان کے بادشاہ ہیں۔ یعنی عید غدیر کا دن یہی روز تھا یا اس روز وہ دن تھا جس میں رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے سرگرمہ لوگوں کو حکم فرمایا کہ جاؤ علیؑ بن ابی طالب کو امیر المومنینؑ کہہ کر سلام کر دو۔ اور اسی روز حضرت نے امیر المومنینؑ کو جنات میں بھیجا تھا تاکہ حضرت کے لیے ان سے بیعت لیں اور اسی روز حضرت امیر المومنینؑ کو بعد قتل عثمان خلافت ظاہری بھی حاصل ہوئی اور اسی روز امیر المومنینؑ نے خارجیوں سے جنگ نہروان میں فتح پائی اور ان کا سرگرمہ ذوالثدیہ قتل ہوا اور اسی روز بارہویں امام کا ظہور ہوگا اور اسی روز اور امام بھی دنیا کی طرف رجعت فرمائیں گے۔ اسی روز دجال پر قائم آل محمدؑ فتیاب ہوں گے اور کناسہ میں جو کوفہ کا ایک محلہ ہے اس کو دار پر کھینچیں گے۔ اور کوئی نور روز کا دن ایسا نہیں ہوتا کہ ہم اہل بیت زمانہ سرور کے منتظر نہ ہوں کیوں کہ یہ روز ہمارا اور ہمارے شیعوں کا ہے، عجیبوں نے اس کی حفاظت اور حرمت کی اور



لٹکائے گئے۔

حماد الناب مسمعی سے روایت ہے، اس کا بیان ہے کہ جب داؤد نے معلیٰ بن خنیس کو گرفتار کر کے قید میں ڈالا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا تو معلیٰ بن خنیس نے کہا مجھے لوگوں کے سامنے لے چلو، مجھ پر لوگوں کا قرض ہے، میں اس پر لوگوں کو گواہ بنا دوں۔ چنانچہ انھیں قید خانہ سے نکال کر بازار میں لایا گیا اور ہر طرف سے لوگ جمع ہو گئے، معلیٰ بن خنیس نے کہا لوگو! سنو! میں معلیٰ بن خنیس ہوں۔ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے، جو نہیں جانتا وہ بھی جان لے۔ میں تمہیں گواہ کر کے کہتا ہوں کہ میں نے جو سرمایہ یا قرض، کنیز یا غلام، کم یا زیادہ جو بھی چھوڑا وہ سب جعفر بن محمد کا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس بات پر سپاہیوں کے سردار نے انھیں قتل کر دیا۔ داؤد نے ان کے سب مال کو ضبط کر لیا۔ جب اس کی اطلاع امام جعفر صادق کو ملی تو آپ گھر سے نکلے اس حالت میں کہ آپ کی ردا کا دامن زمین پر خط دیتا جاتا تھا اور داؤد بن علی کے پاس پہنچے۔ آپ کے صاحبزادے آپ کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ نے فرمایا اے داؤد! تم نے میرے غلام کو قتل کیا اور میرا مال بھی لے لیا اس نے کہا جناب اسے میں نے قتل نہیں کیا ہے، بلکہ اسے میرے سپاہیوں کے سردار (داروغہ) نے قتل کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس نے بھی تو تمہاری ہی اجازت سے قتل کیا ہے یا بغیر اجازت؟ اس نے کہا بغیر میری اجازت قتل کیا ہے۔ آپ نے اپنے فرزند اسمعیل سے فرمایا اے اسمعیل! پھر اس سے قصاص لو۔ یہ سن کر اسمعیل نے اپنی تلوار اٹھائی اور جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا وہیں جا کر قتل کر دیا۔

حماد کا بیان ہے کہ مسمعی نے معتب سے روایت بیان کی ہے کہ پھر اسی شب کو آپ مسلسل سجدہ و قیام کی حالت میں رہے اور میں نے سنا کہ

پیر، ان کا اتباع کرنے والوں پر، ان کے گروہوں، ان کے مددگاروں پر تیری لعنت ہو، بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔ (رجال کشی ص ۲۴۲)

آپ امام جعفر صادق علیہ السلام کے مدد و احباب میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ کے کارندے تھے اور اسی بنا پر داؤد بن علی نے ان کو قتل کر دیا اور وہ آپ ہی کے مسلک اور اتباع میں قتل کیے گئے۔ واقعہ بہت مشہور ہے کہ ابو بصیر کی روایت کے مطابق جب داؤد بن علی نے معلیٰ بن خنیس کو قتل کر کے سولی پر لٹکا دیا تو حضرت امام جعفر صادق کو بہت شاق ہوا۔ آپ نے فرمایا اے داؤد! تو نے میرے غلام اور کارندے کو جو میرے اموال اور اہل و عیال کی دیکھ بھال کرتا تھا قتل کر دیا۔ خدا کی قسم میں تیرے اس ظلم کی فریاد اللہ سے کروں گا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ خدا کی قسم وہ جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (ترجمہ بحار الانوار ص ۳۶۵)

داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے جو منصور و انقی کی طرف سے والی مدینہ تھا، ان کو شہید کیا اور جرم یہ قرار دیا کہ معلیٰ نے محمد بن عبد اللہ معروف بے نفس زکیہ کے ہمراہ ہو کر بنی عباس کے خلاف خروج کی دعوت دی ہے۔ داؤد بن علی جب حاکم مدینہ ہو کر آیا تو اس نے معلیٰ کو بلا بھیجا۔ جب یہ گئے تو اس نے کہا کہ تم جعفر بن محمد کے شیعوں کے نام لکھ کر ہمیں دو یا بتاتے جاؤ ہم لکھتے جاتے ہیں۔ انھوں نے کہا مجھے نہیں معلوم، میں تو ان کا خادم ہوں، گھر کا کاروبار دیکھتا ہوں، بازار سے سودا سلف لاتا ہوں۔ اس نے کہا تم چھپاتے ہو، اگر نہ بتاؤ گے تو قتل کر دیا جائے گا۔ معلیٰ نے کہا اے داؤد! تو مجھے قتل سے ڈراتا ہے اگر شیعیاں امام میرے قدم کے نیچے ہوں تو بھی پاؤں کو نہ اٹھاؤں گا کہ تو ان کو دیکھ سکے۔ آخر اس شقی نے ان کے قتل کا حکم دیا پس وہ قتل کیے گئے اور سولی پر



ہمیں آپ کا سر لانے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم لوگ واپس جاؤ، اس میں تمہاری دنیا و آخرت دونوں کی بہتری ہے۔ انھوں نے واپسی سے انکار کیا تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور اپنے کانڈھوں پر رکھ کر پھیلایا پھر اپنی انگشت سببہ (شہادت کی انگلی) کے اشارے سے کہا الساعۃ الساعۃ (ابھی ابھی) آپ نے یہ فرمایا ہی تھا کہ ناگاہ ہم نے شور و غل کی آواز سنی اور آپ نے ان سپاہیوں سے کہا واپس جاؤ، تمہارا حاکم مر گیا ہے۔ وہ لوگ واپس چلے گئے۔ جب آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس نے اپنے آدمی بھیجے تھے کہ میری گردن مار دیں، میں نے اسم اعظم کے واسطے سے بددعا کی، اللہ نے ایک فرشتے کو اس کی ہلاکت کے واسطے بھیجا، فرشتے نے اپنے نیزے سے اسے قتل کر دیا۔

لبابہ بنت عبد اللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ اس شب کو داؤد بڑا سو رہا تھا اس پر غشی طاری تھی اور میں اسے تلاش کرتی ہوئی جب اس کے پاس پہنچی تو دیکھا کہ وہ چت پڑا ہے اور اس کے سینے پر ایک بڑا سا پتھر بیٹھا ہوا ہے اور اس سانپ کا منہ داؤد کے منہ پر ہے۔ یہ دیکھ کر میں نے اپنا ہاتھ اپنی آستین میں ڈالا اور سانپ کو پکڑا، اس نے اپنا پھن میری طرف کیا، میں نے اسے پھینک دیا، وہ گھر کے ایک گوشے میں ریگنے لگا۔ میں نے داؤد کو جگانے کی کوشش کی مگر وہ دم بخود تھا، اس کی آنکھیں سرخ تھیں۔ میں نے مناسب نہ سمجھا کہ اسے بتاؤں کہ سانپ تیرے سینے پر تھا، میں پریشان تھی، وہاں سے پلٹی تو دیکھا کہ سانپ ابھی اسی طرح پڑا ہوا ہے، میں نے پہلے کی طرح پھر اسے اٹھا کر پھینکا اور آکر داؤد کو جھنجھوڑا مگر اب وہ مرچکا تھا اور ادھر حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنا سر سجدے

آخر شب میں بحالت سجدہ یہ دعا پڑھی :

اللھم اِنِّی اَسْئَلُکَ بِقُوَّتِکَ الْقَوِیَّةِ وَمَخَالِکَ الشَّدِیْدَةِ وَبِعِزَّتِکَ الَّتِیْ خَلَقْتَ لَهَا ذَلِیْلَیْنِ اَنْ تَصْلٰی عَلٰی مُحَمَّدٍ وَآلِ مُحَمَّدٍ وَانْ تَاْخُذَ السَّاعَةَ مَعْتَبَ کَا بَیَانِ ہے کہ ابھی آپ نے سجدے سے سر بھی نہ اٹھایا تھا کہ یک بیک شور و غل کی آواز بلند ہوئی اور لوگوں کی آواز آئی کہ داؤد بن علی مر گیا۔ آپ نے فرمایا میں نے اس کے لیے بددعا کی تھی، اللہ نے ایک فرشتے کو بھیج دیا، اس نے اس (داؤد) کے سر پر ضرب لگائی، سر پھٹ گیا اور وہ مر گیا۔ (رجال کشی)

اعمش و ربیع و ابن سنان و علی بن حمزہ و حسین بن ابی العلاء و ابوالمہدی اور ابوبصیر سے روایت ہے، ان سب کا بیان ہے کہ جب داؤد بن علی بن عبد اللہ بن عباس نے معلیٰ بن خنیس کو قتل کیا اور اس کا سارا مال ضبط کر لیا تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا، دیکھو میرے غلام کو تم نے قتل کر دیا اور میرا مال ضبط کر لیا۔ کیا تمہیں نہیں معلوم کہ اگر انسان کا بچہ مر جائے تو اسے نیند آجاتی ہے لیکن جس کا مال چھین لیا گیا ہو اسے نیند نہیں آتی۔ خدا کی قسم، میں اللہ سے تمہارے لیے بددعا کروں گا۔ داؤد نے کہا اچھا، تم ہمیں اپنی بددعا سے ڈراتے ہو اور اس طرح کہا جیسے وہ آپ کی ہنسی اڑا رہا ہو۔ حضرت ابو عبد اللہ علیہ السلام اپنے گھر واپس آگئے اور رات بھر قیام و قعود میں مصروف رہے۔ ادھر داؤد نے اپنے پانچ سپاہی بھیجے اور کہا انھیں میرے پاس لے آؤ۔ چنانچہ وہ سپاہی آئے، آپ اس وقت نماز میں مشغول تھے۔ انھوں نے کہا چلیے، داؤد نے آپ کو بلایا ہے۔ آپ نے فرمایا اگر میں نہ چلوں تو.....؟ انھوں نے کہا تو پھر اس نے



## حضرت امام موسیٰ کاظمؑ اور غلامی

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام پیغمبر اسلام رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں جانشین ہمارے ساتویں امام اور سلسلہ عصمت کی نویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد امام جعفر صادق علیہ السلام ہیں اور اسی مقدس سلسلہ کی ایک فرد ہیں جس کو خالق نے نوع انسان کے لیے معیار کمال قرار دیا تھا، اسی لیے ان میں سے ہر ایک اپنے وقت میں بہترین اخلاق و اوصاف کا مرقع تھا۔ بے شک بعض افراد میں بعض صفات اتنے ممتاز نظر آتے ہیں کہ سب سے پہلے ان پر نظر پڑتی ہے۔ چنانچہ ساتویں امام میں تحمل و برداشت اور غصہ ضبط کرنے کی صفت اتنی نمایاں تھی کہ آپ کا لقب کاظم قرار پا گیا جس کے معنی ہی غصہ کو پینے والا۔ آپ کو کبھی کسی نے ترش روئی اور سختی کے ساتھ بات کرتے نہیں دیکھا اور انتہائی ناگوار حالات میں بھی مسکراتے ہوئے نظر آئے۔ ظاہر ہے ایسی ذات کا اپنے خدمت گزاروں اور غلام اور کنیزوں کے ساتھ بہتر سے بہتر برتاؤ رہا ہوگا۔

معتب کا بیان ہے کہ حضرت ابو الحسن موسیٰ علیہ السلام اپنے باغ میں تھے اور درختوں سے پھل اتارے جا رہے تھے۔ اسی اثنا میں میں نے دیکھا کہ ایک غلام نے کھجوروں کی ایک گٹھری اٹھا کر باغ کی چار دیواری کے باہر پھینک دی۔ تو میں فوراً گیا اور وہ گٹھری اٹھا کر آپ کے سامنے پیش کی اور کہا مولا! آپ پر قربان! یہ کھجوروں کی گٹھری مجھے باغ کے باہر ملی ہے۔ آپ نے آواز دی اے غلام! اس نے کہا

سے اٹھایا ہی تھا کہ چیخ پکار کی آوازیں سنی جانے لگیں۔ (مناقب ج ۳ ص ۳۵۷)

جناب معلیٰ بن خنیس کے مفصل حالات نہ مل سکے اور دوسرے غلاموں کے حالات زندگی بیان کرنے سے تاریخ قاصر ہے۔



لیک۔ فرمایا کیا تم بھوکے ہو؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ننگے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تم نے یہ کیوں لی؟ اس نے کہا بس میرا جی چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا جی چاہا تھا تو یہ اب تیری ہے، لے جا اور یہ کہہ کر وہ کھجوروں کی گٹھری اس کو دے دی۔ (الکافی ج ۲ ص ۲۸)

**غلاموں اور کنیزوں کی پاک دامنی پر نظر**

حسین بن موسیٰ بن جعفر اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں ان کی ماں نے کہا کہ میں ابو الحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی آمد کا انتظار کر رہی تھی اور وہ چھت پر سو رہے تھے کہ ایک بیک وہ جلدی سے اٹھے میں بھی آپ کے پیچھے دوڑی تو دیکھا کہ آپ کے دو غلام آپ کی دو کنیزوں سے باتیں کر رہے ہیں مگر ان کنیزوں اور غلاموں کے درمیان دیوار حائل تھی، ایک دوسرے تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ آپ نے ان کی باتیں سنیں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم یہاں کب آئیں؟ میں نے کہا جب آپ نیند سے اٹھے اور تیزی کے ساتھ ادھر آئے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آئی۔ آپ نے کہا تم نے ان سب کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے کہا ہاں سنیں۔ اب جب صبح ہوئی تو آپ نے ان دونوں غلاموں کو ایک شہر میں اور ان دونوں کنیزوں کو دوسرے شہر میں فروخت کے لیے روانہ کر دیا اور انھیں وہاں فروخت کروا دیا۔

(قرب الاسناد ص ۱۹۰ ماخوذ ترجمہ بحار الانوار)

## تمام زبانوں کا علم

واضح نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے آپ نے فرمایا کہ میرے پدر بزرگوار حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے حسین بن العلاء سے فرمایا جاؤ میرے لیے ایک نوبیہ کنیز خرید لاؤ۔ حسین نے کہا خدا کی قسم میں ایک بہت اچھی نوبیہ کنیز کو جانتا ہوں، وہ ایسی ہے کہ نوبہ میں اس کی مثل و نظیر نہیں ہے

لیک۔ فرمایا کیا تم بھوکے ہو؟ اس نے کہا نہیں، فرمایا ننگے ہو؟ کہا نہیں۔ فرمایا پھر تم نے یہ کیوں لی؟ اس نے کہا بس میرا جی چاہا تھا۔ آپ نے فرمایا اچھا جی چاہا تھا تو یہ اب تیری ہے، لے جا اور یہ کہہ کر وہ کھجوروں کی گٹھری اس کو دے دی۔ (الکافی ج ۲ ص ۲۸)

**غلاموں اور کنیزوں کی پاک دامنی پر نظر**

حسین بن موسیٰ بن جعفر اپنی ماں سے روایت کرتے ہیں ان کی ماں نے کہا کہ میں ابو الحسن موسیٰ کاظم علیہ السلام کی آمد کا انتظار کر رہی تھی اور وہ چھت پر سو رہے تھے کہ ایک بیک وہ جلدی سے اٹھے میں بھی آپ کے پیچھے دوڑی تو دیکھا کہ آپ کے دو غلام آپ کی دو کنیزوں سے باتیں کر رہے ہیں مگر ان کنیزوں اور غلاموں کے درمیان دیوار حائل تھی، ایک دوسرے تک پہنچ نہیں سکتے تھے۔ آپ نے ان کی باتیں سنیں پھر میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم یہاں کب آئیں؟ میں نے کہا جب آپ نیند سے اٹھے اور تیزی کے ساتھ ادھر آئے تو میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے آئی۔ آپ نے کہا تم نے ان سب کی باتیں نہیں سنیں؟ میں نے کہا ہاں سنیں۔ اب جب صبح ہوئی تو آپ نے ان دونوں غلاموں کو ایک شہر میں اور ان دونوں کنیزوں کو دوسرے شہر میں فروخت کے لیے روانہ کر دیا اور انھیں وہاں فروخت کروا دیا۔

(قرب الاسناد ص ۱۹۰ ماخوذ ترجمہ بحار الانوار)

## کنیز کی خریداری

ہشام بن احمد کی روایت ہے کہ اہل مغرب کا ایک تاجر آیا اس کے پاس فروخت کے لیے کچھ کنیزیں تھیں۔ اس نے حضرت ابو الحسن علیہ السلام کے سامنے فروخت کے لیے پیش کیا لیکن آپ نے ان میں سے ایک کو بھی پسند نہیں کیا اور



ہائیں کرنے لگے اور مجھے نیند کا ایک جھونکا آیا۔ حضرت نے فرمایا، اب تم سو جاؤ اور میں نماز شب کے لیے کھڑا ہو رہا ہوں۔ میں سو گیا تاہم آپ نماز شب سے فارغ ہو کر میرے پاس تشریف لائے، مجھے بیدار کیا اور فرمایا اٹھو وضو کرو اور مختصر نماز شب پڑھو۔ میں نے نماز شب پڑھی اس کے بعد نماز فجر ادا کی تو آپ نے مجھ سے فرمایا، اے علی! میری ام ولد کنیز کو درِ زہ عارض تھا، میں اس کو منزلِ ثعلبہ لے گیا تاکہ لوگ اس کے کراہنے کو نہ سن سکیں، وہاں اس کے ایک لڑکا پیدا ہوا اور وہی لڑکا ہے جس کا ذکر میں تم سے کر چکا ہوں کہ وہ بڑا کریم، سخی اور شجاع ہوگا۔ راوی کا بیان ہے کہ وہ بڑا ہوا تو میں اس سے ملا اور جو صفات امام نے بیان فرمائی تھیں وہ تمام صفات سے موصوف تھا۔ (۱) الخراج والخراج ص ۲۰۱، بحار الانوار ص ۹۲ حالات امام موسیٰ کاظم

## امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے غلام

(۱) منصور بن ابی بصیر (۲) ولید بن سعد مگر دونوں کے حالات زندگی باوجود تلاش کے دستیاب نہ ہو سکے۔ یہ دونوں بھی آپ کے اصحاب میں شامل ہیں۔ ہم آپ کے اصحاب میں جو آزاد لوگوں کے علاوہ غلام تھے مگر ان کے مالک غیر لوگ تھے رجال طوسی میں ان کا اصحاب امام میں شمار کیا گیا ہے ان کے نام ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں اور ان کی کل تعداد سترہ ہے۔

۱۔ ایوب بن عیین غلام بنی ظریف۔

۲۔ ابراہیم غلام عبداللہ۔

۳۔ حماد بن عثمان لقب ناب ازد کوئی کے غلام تھے، امام جعفر صادق علیہ السلام کے بھی صحابی تھے۔

۴۔ داؤد بن کثیر الرقی بنی اسد کے غلام تھے، ثقہ ہیں۔

البتہ اگر اس میں ایک خرابی نہ ہوتی تو وہ آپ کے لیے بہتر تھی۔ دریافت فرمایا وہ کیا خرابی ہے؟ کہا کہ نہ تو وہ آپ کی زبان جانتی ہے اور نہ آپ اس کی زبان سے واقف ہیں۔ یہ سن کر آپ مسکرائے اور فرمایا جاؤ وہی خرید لاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ جب میں اس کو خرید کر آپ کے پاس لایا تو آپ نے اس سے اسی کی زبان میں اس طرح گفتگو شروع کی آپ نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟ اس نے کہا مونسہ۔ آپ نے فرمایا ہاں واقعاً تم مونسہ ہو مگر تمہارا نام تو اس کے علاوہ ایک اور بھی تھا یعنی حبیبہ تھا۔ اس نے کہا سچ فرمایا آپ نے۔ پھر آپ نے مجھ سے فرمایا اے ابن ابی العلاء! اس کے بطن سے میرا ایک ایسا فرزند پیدا ہوگا کہ جس سے زیادہ سخی میری اولاد میں کوئی نہ ہوگا نہ اس سے زیادہ کوئی شجاع ہوگا نہ اس سے زیادہ کوئی عبادت گزار ہوگا۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا آپ اس کا نام کیا رکھیں گے تاکہ میں اس نام سے اسے پہچان لوں۔ فرمایا اس کا نام ابراہیم ہوگا۔

علی بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے ساتھ مثنیٰ میں تھا کہ آپ کا فرستادہ پہنچا اور آپ نے اس سے کہلایا کہ تم مجھ سے منزلِ ثعلبہ میں ملنا۔ میں ثعلبہ میں آپ سے ملا۔ آپ کے ساتھ آپ کے اہل و عیال اور آپ کا خادم عمرؓ بھی تھا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ کیا ہمیں قیام کرو گے یا کہمہ چلنا چاہتے ہو؟ میں نے عرض کیا ان دونوں صورتوں میں جو آپ پسند فرمائیں وہی مجھے بھی پسند ہے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے لیے بہتر ہے۔ پھر مجھے آپ نے اپنے گھر مکہ میں بھیج دیا۔ میں وہاں آیا تو آپ مغرب کی نماز سے فارغ ہو چکے تھے۔ سامنے پہنچا تو فرمایا اِخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِي الْمُقَدَّسِ طَوْسِي اِبنی جوتیاں اتار دو تم وادی مقدس میں ہو۔ میں اپنی جوتیاں اتار کر آپ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ پھر ایک خوان آیا جس میں کھجوروں کا حلوا تھا۔ ہم دونوں نے مل کر کھلایا۔ پھر خوان اٹھا لیا گیا۔ اب آپس میں



## علی بن یقطين بن موسیٰ البغدادی

آپ کا نام علی تھا۔ رجال طوسی میں آپ کو قبیلہ بنی اسد کا غلام بتایا گیا ہے مگر آپ کا شمار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کے خاص اصحاب میں ہوتا ہے۔ آپ ۱۲۱ھ میں بمقام کوفہ پیدا ہوئے۔ انھوں نے کئی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

ایک شخص کا کہنا ہے کہ مجھے علی بن یقطين نے ایک خط دے کر امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا۔ میں نے حضرت کی خدمت میں پہنچ کر ان کا خط دیا، انھوں نے اسے پڑھے بغیر آستین سے ایک خط نکال کر مجھے دیا اور کہا کہ انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس کا یہ جواب ہے۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۵)

ایک مرتبہ ہارون رشید نے علی بن یقطين بن موسیٰ کوفی بغدادی کو جو کہ امام موسیٰ کاظم کے خاص ماننے والے تھے اور اپنی کارکردگی کی وجہ سے ہارون رشید کے مقربین میں سے تھے، بہت سی چیزیں دیں جن میں خلعت فاخرہ اور ایک بہت عمدہ قسم کا سیاہ زربفت کا بنا ہوا چمچہ تھا جس پر سونے کے تاروں سے پھول کڑھے ہوئے تھے اور جسے صرف خلفاء اور بادشاہ پہنا کرتے تھے۔ علی بن یقطين نے ازراہ تقرب و عقیدت اس سامان میں اور بہت سی چیزوں کا اضافہ کر کے حضرت امام موسیٰ کاظم کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ نے ان کا ہدیہ قبول کر لیا لیکن اس میں سے لباس مخصوص کو واپس کر دیا اور فرمایا کہ اسے اپنے پاس رکھو، یہ تمہارے اس وقت کام آئے گا جب تمہاری جان کا خطرہ ہو گا۔ انھوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ امام نے نہ جانے کس واقعہ کی طرف اشارہ فرمایا ہو، اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ پھر دونوں کے بعد ابن یقطين اپنے ایک غلام سے ناراض ہو گئے اور اسے اپنے گھر سے نکال دیا۔ اس نے جاکر رشید خلیفہ سے اس کی چغلی کھائی اور کہا، آپ نے جس

۵۔ سہامہ بن مہران غلام حضرت موت، بعض کے نزدیک خولان کوفی کے غلام تھے۔  
۶۔ عبد الرحمن بن الحجاج اصحاب امام جعفر صادق سے تھے غلام کوفی تھے۔ ان کی ایک کتاب ہے، ثقہ راوی حدیث ہیں فقیہ و مجتہد زمانہ امام رضا علیہ السلام میں وفات پائی۔

۷۔ علی بن یقطين بنی اسد کے غلام تھے۔ علی بن یقطين بن موسیٰ البغدادی جلیل القدر اور عظیم المرتبت ہیں۔

۸۔ عبد اللہ بن المغیرہ بنی نوفل کے غلام تھے کوفی تھے۔  
۹۔ الفضل بن یونس الکاتب اصلاً کوفی تھے مگر بغداد میں رہتے تھے، غلام واقفی تھے۔  
۱۰۔ الفرج علی بن یقطين کے غلام تھے۔

۱۱۔ معتب امام جعفر صادق علیہ السلام کے غلام اور ثقہ راوی ہیں۔

۱۲۔ مصادیق یہ بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کے غلام تھے۔

۱۳۔ مازم بن الحکیم الازدی غلام اور ثقہ تھے۔

۱۴۔ یونس بن یعقوب نہد کے غلام تھے، ان کی ایک کتاب ہے، ثقہ راوی ہیں۔

۱۵۔ یونس بن عبد الرحمن علی بن یقطين کے غلام تھے، ثقہ اور امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں بھی تھے۔

۱۶۔ یزید بن الحسن الکحل زید بن علی علیہ السلام کے غلام تھے۔

۱۷۔ صالح بن خالد المحاملی کناسی ابو شعیب کثیف تھی علی بن الحکم بن الزبیر کے غلام تھے۔ امام موسیٰ کاظم کے راوی ہیں، ان کی ایک کتاب ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ امام کے مخصوص صحابی جناب علی بن یقطين کے حالات زندگی ہدیہ ناظرین کر دیے جائیں۔



دارمھی کو اچھی طرح بھگو، سارے سر کا مسح کرو، اندر باہر کانوں کا مسح کرو، تین مرتبہ پاؤں دھوؤ اور دیکھو میرے اس حکم کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔

علی بن یقظین نے جب اس خط کو پڑھا تو وہ حیران رہ گئے لیکن یہ سمجھتے ہوئے کہ مَوْلَا عَلِیٌّ اَعْلَمُ بِمَا قَالِ آپ نے جو کچھ حکم دیا ہے اس کی گہرائی اور اس کی وجہ کا اچھی طرح آپ کو علم ہوگا، اس پر عمل کرنا شروع کر دیا۔ راوی کا بیان ہے کہ علی بن یقظین کی مخالفت برابر دربار میں ہوا کرتی تھی اور لوگ بادشاہ سے کہا کرتے تھے کہ یہ شیعہ ہے اور تمہارے مخالف ہے۔ ایک دن بادشاہ نے اپنے بعض مشیروں سے کہا کہ علی بن یقظین کی شکایات بہت ہو چکی ہیں۔ اب میں خود چھپ کر دیکھوں گا اور یہ معلوم کروں گا کہ وضو کیونکر کرتے اور نماز کیسے پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اس نے چھپ کر آپ کے حجرے میں نظر ڈالی تو دیکھا کہ وہ اہل سنت کے اصول اور طریقے پر وضو کر رہے ہیں۔ یہ دیکھ کر وہ ان سے مطمئن ہو گیا اور اس کے بعد سے پھر کسی کے کہنے کو باور نہیں کیا۔ اس واقعہ کے فوراً بعد امام موسیٰ کاظمؑ کا خط علی بن یقظین کے پاس پہنچا جس میں مرقوم تھا کہ خدشہ دور ہو گیا تَوْصَاۃً کَمَا اَمَرَکَ اللّٰہُ اب تم اسی طرح وضو کرو جس طرح خدا نے حکم دیا ہے۔ یعنی اب الٹا وضو نہ کرنا بلکہ سیدھا اور صحیح وضو کرنا اور تمہارے سوال کا جواب یہ ہے کہ انگلیوں کے سرے سے کعبین تک پاؤں کا مسح ہونا چاہیے۔ (اعلام الواری ص ۱۰، مناقب ص ۵۸)

## وزیر اعظم علی بن یقظین کو امام موسیٰ کاظمؑ کی فہمائش

علامہ حسین بن عبد الوہاب تحریر فرماتے ہیں کہ محمد بن علی صوفی کا بیان ہے کہ ابراہیم جمال (جو امام موسیٰ کاظمؑ کے صحابی تھے) نے ایک دن ابو الحسن علی بن یقظین سے ملاقات کے لیے وقت چاہا، انھوں نے وقت نہ دیا۔ اسی سال وہ حج کے لیے گئے

خلعت وغیرہ انھیں دی ہے انھوں نے سب کا سب امام موسیٰ کاظمؑ کو دے دیا ہے اور چونکہ وہ شیعہ ہیں اس لیے امام کو بہت مانتے ہیں۔ بادشاہ نے جب یہ بات سنی وہ آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے فوراً سپاہیوں کو حکم دیا کہ علی بن یقظین کو اسی حالت میں گرفتار کر لائیں جس حال میں وہ ہوں۔ الغرض علی بن یقظین لائے گئے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا دیا ہوا لباس کہاں ہے؟ انھوں نے کہا بادشاہ میرے پاس ہے۔ اس نے کہا میں دیکھنا چاہتا ہوں اور سنو اگر تم اس وقت اسے نہ دکھا سکتے تو میں تمہاری گردن مار دوں گا۔ انھوں نے کہا بادشاہ، میں ابھی پیش کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر انھوں نے ایک شخص سے کہا کہ میرے مکان میں جا کر میرے فلاں کمرے سے میرا صندوق اٹھا لاؤ۔ جب وہ بتایا ہوا صندوق لے آیا تو آپ نے اس کی ہر توڑی اور چغہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ جب بادشاہ نے اپنی آنکھوں سے چغہ دیکھ لیا تو اس کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور خوش ہو کر کہنے لگا کہ اب میں تمہارے بارے میں کسی کی کوئی بات نہ مانوں گا۔ (شواہد النبوت ص ۱۹۳) علامہ شبلی نجفی لکھتے ہیں کہ پھر اس کے بعد رشید نے اور بہت ساعطیہ دے کر انھیں عزت و احترام کے ساتھ واپس کر دیا اور حکم دیا کہ جغلی کرنے والے کو ایک ہزار کوڑے لگائے جائیں چنانچہ جلا دوں نے مارنا شروع کیا اور وہ پانچ سو کوڑے کھا کر مر گیا۔

(نور الابصار ص ۱۳۰)

علی بن یقظین نے امام کو ایک خط لکھا کہ ہمارے درمیان اس امر میں بحث ہو رہی ہے کہ مسح کعب سے انگلیوں تک ہونا چاہیے یا انگلیوں سے کعب تک حضور اس کی وضاحت فرمائیں۔ حضرت نے اس خط کا ایک عجیب و غریب جواب تحریر فرمایا۔ آپ نے لکھا کہ میرا خط پاتے ہی تم اس طرح وضو شروع کرو کہ تین مرتبہ کلی کرو، تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالو، تین مرتبہ منہ دھوؤ، اپنی



نہ اس جیسی کسی کنیز کی کوئی ضرورت ہے، اس کو واپس لے جاؤ۔ چنانچہ آدمی کنیز کو واپس لایا تو ہارون کو غصہ آیا اور بولا جا کر ان سے کہہ دو نہ تمہاری مرضی پر میں نے تمہیں قید کیا ہے اور نہ تمہاری مرضی سے میں نے تمہیں گرفتار کیا ہے اور اس کنیز کو ان کے پاس چھوڑ کر چلے آؤ۔ چنانچہ آدمی گیا اور کنیز کو قید خانے میں چھوڑ کر واپس آیا اس کے بعد ہارون اپنے دربار سے اٹھا اور ایک غلام کو قید خانے کا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ غلام نے جا کر دیکھا کہ وہ کنیز سجدہ خالق میں پڑی ہے اور مسلسل کہہ رہی ہے قدوس سبحانک سبحانک۔ جب ہارون کو اس کی اطلاع ملی تو اس نے کہا، معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ بن جعفر نے اس کنیز پر جادو کر دیا ہے، اچھا اس کنیز کو میرے پاس لاؤ۔ جب وہ کنیز ہارون کے پاس آئی تو اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیے کانپ رہی تھی۔ ہارون نے پوچھا تیرا کیا حال ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کچھ نہ پوچھیے، میرا تو حال ہی متغیر ہے، میں قید خانے میں پہنچی تو ان کے سامنے کھڑی ہو گئی وہ رات بھر اور تمام دن نماز میں مشغول رہے۔ جب نماز سے فارغ ہو کر تسبیح و تقدیس کرتے ہوئے اپنا رخ موڑا تو میں نے عرض کیا، جناب والا! اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو میں حاضر خدمت کروں۔

آپ نے فرمایا مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے عرض کیا مگر میں تو آپ ہی کی خدمت کے لیے بھیجی گئی ہوں۔ آپ نے فرمایا آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کنیز کا بیان ہے کہ اس کے بعد میں نے ایک طرف رخ کیا تو دیکھا کہ ایک بہت بڑا باغ ہے جو تاحد نگاہ پھولوں سے بھرا ہوا ہے، اس میں حریر و دیبا کے فرش جا بجا بچھے ہوئے ہیں جن پر بہت سے غلام اور کنیزیں موجود ہیں جو خوبصورتی میں اپنا مثل و نظیر نہیں رکھتی ہیں جیسا عدہ لباس وہ پہنے ہوئی تھیں میں نے کبھی ایسا لباس بھی نہیں دیکھا یعنی جسم پر حریر سبز کا لباس، سر پر موتیوں اور یاقوت کا تاج

اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام بھی تشریف لے گئے۔ ابن یقطين حضرت سے ملنے کے لیے گئے، انھوں نے ملنے سے انکار کر دیا۔ ابن یقطين کو بڑا تعجب ہوا، راستے میں ملاقات ہوئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم نے ابراہیم سے ملنے سے انکار کیا تھا اس لیے میں بھی تم سے نہیں ملا اور اس وقت تک نہ ملوں گا جب تک تم ان سے معافی مانگو گے اور انھیں راضی نہ کرو گے۔ ابن یقطين نے عرض کی مولا! میں مدینہ میں ہوں اور وہ کوفہ میں ہیں فوری ملاقات کیسے ہو سکتی ہے؟ فرمایا تم تنہا بقیع میں جاؤ ایک اونٹ تیار ملے گا، اس پر سوار ہو کر کوفہ کے لیے روانہ ہو چشم زدن میں وہاں پہنچ جاؤ گے۔ چنانچہ وہ گئے اور اونٹ پر سوار ہو کر کوفہ پہنچے۔ ابراہیم کے دروازے پر دق الباب کیا، آواز آئی کون ہے؟ کہا میں ابن یقطين ہوں۔ انھوں نے کہا تمہارا میرے دروازے پر کیا کام ہے؟ ابن یقطين نے جواب دیا، سخت مصیبت میں مبتلا ہوں، خدا کے لیے ملنے کا وقت دو۔ چنانچہ انھوں نے اجازت دی۔ ابن یقطين نے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگی اور سارا واقعہ کہہ سنایا۔ ابراہیم جمال نے معافی دی پھر اسی اونٹ پر سوار ہو کر چشم زدن میں مدینہ پہنچے اور امام علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ امام نے بھی معاف کر دیا اور ملاقات کا وقت دے کر گفتگو فرمائی۔ (عیون المعجزات ص ۱۲۲ طبع ملتان، چودہ ستارے ص ۲۰۵)

## قید خانے میں کنیز کا حال

کتاب الانوار میں عامری سے روایت کی ہے کہ ہارون رشید نے حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کے پاس قید خانے میں خدمت کے لیے ایک نہایت حسین و جمیل کنیز بھیجی۔ آپ نے فرمایا کہ جا کر ہارون رشید سے کہہ دو بَلْ اَنْتُمْ بِهٰذَا تَبْلُغُوْنَ تَقْرَحُوْنَ (سورۃ النمل، آیت ۳۶) تم لوگ اپنے ہدیہ پر خوش رہو، مجھے اس کی اور



## حضرت امام علی رضا اور غلام نوازی

حضرت امام علی رضا علیہ السلام رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آٹھویں جانشین اور مسلمانوں کے آٹھویں امام اور سلسلہ عصمت کی دسویں کڑی تھے۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ کا کردار محفوظ عن الخطا تھا اور روئے زمین پر آپ کی مثال و نظیر نہ تھی۔ آپ اشرف مخلوق تھے۔ آپ کو علم ماکان و مایکون آبار و اجداد سے وراثتاً پہنچا تھا۔ آپ کے امکانات کرم نہایت وسیع تھے۔ آپ کے مکارم اور آپ کے اخلاق نہایت عظیم تھے۔ آپ مسلمانوں کی اس عظیم الشان سلطنت کے ولی عہد بنائے گئے تھے جس کے وسعت مملکت کے سامنے روم و فارس کا ذکر بھی طاق نسیاں کی نذر ہو گیا تھا جہاں اگر بادل سامنے سے گزرتا تھا تو خلیفہ کی زبان سے آواز بلند ہوتی تھی کہ ”جا جہاں تجھے برسنا ہو برس“ بہر حال تیری پیداوار کا خراج میرے ہی پاس آئے گا۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کا اس سلطنت کی ولی عہدی پر فائز ہونا دنیا کے سامنے ایک نمونہ تھا کہ دین والے اگر دنیا کو پا جائیں تو ان کا رویہ کیا ہوگا۔ یہاں امام رضا کو اپنی دینی ذمہ داری کو محسوس کرتے ہوئے ضرورت تھی کہ زہد اور ترک دنیا کے مظاہرے اتنے ہی نمایاں تر بنادیں جتنے تنزک و احتشام کے دنیاوی تقاضے زیادہ ہیں۔ چنانچہ تاریخ نے اپنے کو دہرا دیا اور علی رضا کے لباس میں علی مرتضیٰ کی سیرت دنیا کی نگاہوں کے سامنے آگئی۔ آپ نے اپنی دولت سرا میں قیمتی قالین

ہاتھ میں لوٹا اور رومال پھران کے ساتھ ہر قسم کا کھانا، یہ دیکھتے ہی میں تو ضبط نہ کر سکی اور سجدے میں گر پڑی اور اسی طرح پڑی رہی یہاں تک کہ اس غلام نے جا کر مجھے اٹھایا۔ ہارون نے کہا اے کمبخت عورت! شاید تو سجدے میں جا کر سو گئی پھر خواب میں یہ سب کچھ دیکھنے لگی۔ کنیز نے کہا نہیں، خدا کی قسم! سجدے سے پہلے ہی میں نے یہ سب کچھ دیکھا اور پھر سجدے میں گئی۔

ہارون نے کہا اس کنیز کو بھی گرفتار کر کے قید میں ڈال دو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی زبانی یہ تمام عجائبات کوئی اور سن لے۔ قید خانے میں جانے کے بعد بھی وہ کنیز ناز میں مشغول ہو گئی مگر جب بھی اس سے دریافت کیا جاتا تو وہ کہتی کہ میں نے اس حال میں اس عبد صالح کو دیکھا اور جب وہ منظر دیکھا تو اس باغ کی کنیزوں نے مجھ سے آگے بڑھ کر کہا کہ اے فلانہ! تو اس عبد صالح سے دور ہٹ جا، تاکہ ہم ان کے پاس آئیں۔ ان کی خدمت کے لیے تو ہم موجود ہیں، پھر تیری کیا ضرورت ہے؟ وہ کنیز اسی حالت میں چند دن زندہ رہ کر مر گئی۔ اور یہ واقعہ حضرت موسیٰ بن جعفر کی وفات سے چند دن پہلے کا ہے۔ (مناقب ابن شہر آشوب ج ۳ ص ۴۱۴ ترجمہ بحار الانوار ص ۲۷۳)



میں عرض کی کہ ”خدا کی قسم آبا و اجداد کے اعتبار سے کوئی شخص آپ سے افضل نہیں۔ حضرت نے فرمایا میرے آبا و اجداد کو جو شرف حاصل ہوا وہ بھی صرف تقویٰ، پرہیزگاری اور اطاعت خدا سے“ ایک شخص نے کسی دن کہا کہ ”واللہ آپ بہترین خلق ہیں“ حضرت نے فرمایا اے شخص! حلف نہ اٹھا، جس کا تقویٰ و پرہیزگاری مجھ سے زیادہ ہو وہ مجھ سے افضل ہے۔

ابراہیم بن عباس کا بیان ہے کہ حضرت فرماتے تھے ”میرے تمام لونڈی غلام آزاد ہو جائیں اگر اس کے سوا کچھ اور ہو کہ میں اپنے کو محض رسول اللہ کی قرابت کی وجہ سے اس سیاہ رنگ غلام سے بھی افضل نہیں جانتا (حضرت نے اشارہ کیا اپنے ایک غلام کی جانب) جب عمل خیر بجالاؤں تو اللہ کے نزدیک اس سے افضل ہوں گا۔

یہ باتیں کوتاہ نظر لوگ صرف ذاتی انکسار پر محمول کر لیتے ہوں مگر خود حکومت عباسی کا فرمانروا یقیناً اتنا کندہن نہ ہو گا کہ وہ ان تازیانوں کو محسوس نہ کرے جو امام رضا کے خاموش افعال اور اس طرح کے اقوال سے اس کے خاندانی نظام سلطنت پر برابر لگ رہے تھے۔ اس نے تو بخیال خود ایک وقتی سیاسی مصلحت سے اپنی سلطنت کو مستحکم بنانے کے لیے حضرت کو ولی عہد بنایا تھا مگر بہت جلد اسے محسوس ہوا کہ اگر ان کی زندگی زیادہ عرصے تک قائم رہی تو عوام کی ذہنیت میں یک لخت انقلاب ہو جائے گا اور عباسی سلطنت کا تخت ہمیشہ کے لیے الٹ جائے گا۔

مامون کے توقعات غلط ثابت ہونے ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ آخر امام کی جان لینے کا درپے ہو گیا اور وہی خاموش حربہ جو ان معصومین کے ساتھ اس کے پہلے بہت دفعہ استعمال کیا جا چکا تھا، کام میں لایا گیا۔ انگوڑ میں جو بطور تحفہ امام کے سامنے پیش کیے گئے تھے زہر دیا گیا اور اس کے اثر سے، ۱۷ صفر ۲۰۳ھ میں حضرت نے شہادت پائی۔ (رہنمایان اسلام ص ۱۶۳ سیدالعلماء مرحوم)

بھوانا پسند نہیں کیا بلکہ جاڑے میں بالوں کا کبل اور گرمی میں چٹائی کا فرش ہوا کرتا تھا۔ کھانا سامنے لایا جاتا تو دربان، سائیس اور تمام غلاموں کو بلا کر اپنے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے تھے۔

ایک مرد بلخی ناقل ہے کہ میں حضرت کے ساتھ ایک سفر میں تھا۔ ایک مقام پر دسترخوان بچھا تو آپ نے تمام غلاموں کو جن میں حبشی بھی شامل تھے، بلا کر بٹھا لیا۔ میں نے عرض کیا مولا! انھیں علیحدہ بٹھلائیں تو کیا حرج ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سب کا رب ایک ہے اور ماں باپ آدم و حوا بھی ایک ہیں اور جزا و سزا اعمال پر موقوف ہے تو پھر تفرقہ کیا؟ آپ کے ایک خادم یا سر کا کہنا ہے کہ آپ کا یہ تاکید حکم تھا کہ میرے آنے پر کوئی خادم کھانا کھانے کی حالت میں میری تعظیم کو نہ اٹھے۔

اسی عباسی سلطنت کے ماحول کا ایک جزو بن کر جہاں صرف پیغمبر کی طرف ایک قرابت داری کی نسبت کے سبب اپنے کو خلق خدا پر حکمرانی کا حقدار بتایا جاتا تھا اور اس کے ساتھ کبھی اپنے اعمال و افعال پر نظر نہ کی جاتی تھی کہ ہم کیسے ہیں اور ہم کو کیا کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ یہ کہا جانے لگا کہ بنی عباس ظلم و ستم اور فسق و فجور میں بنی امیہ سے کم نہ رہے بلکہ بعض باتوں میں ان سے آگے بڑھ گئے اور اس کے ساتھ پھر بھی قرابت رسول پر افتخار تھا۔ اس ماحول کے اندر داخل ہو کر امام رضا کا اس بات پر بڑا زور دینا کہ قرابت کوئی چیز نہیں اصل انسان کا عمل ہے، بظاہر صرف ایک شخص کا اظہار فروتنی اور انکسار نفس تھا جو بہر حال ایک اچھی صفت ہے لیکن حقیقت میں وہ اس سے بڑھ کر تقریباً ایک صدی کی عباسی سلطنت کی پیدا کی ہوئی ذہنیت کے خلاف اسلامی نظریہ کا اعلان تھا اور اس حیثیت سے بڑا اہم ہو گیا تھا کہ وہ اب اسی سلطنت کے ایک رکن کی طرف سے ہو رہا تھا۔ چنانچہ امام رضا کی سیرت میں اس کے مختلف شواہد ہیں۔ ایک شخص نے حضرت کی خدمت



میں آگئی۔

صولی کا بیان ہے کہ میں نے آج تک اپنی دادی سے زیادہ عقلمند کسی عورت کو نہیں دیکھا اور نہ ان سے زیادہ سخی کسی کو پایا۔ ان کا انتقال ۲۷ھ میں ۲۷ سال کی عمر میں ہوا۔ ان سے حضرت امام رضا علیہ السلام کے بارے میں اکثر لوگ دریافت کیا کرتے تو وہ کہا کرتی کہ مجھے تو بس ان کے متعلق اتنا یاد ہے کہ وہ عود ہندی سلگاتے اس کے بعد عرق گلاب اور مشک استعمال کرتے اور صبح کی نماز اول وقت پڑھا کرتے تھے۔ صبح کی نماز کے بعد جب آپ سجدہ کرتے تو جب آفتاب بلند ہو جاتا تب آپ سر اٹھایا کرتے تھے پھر اٹھتے اور لوگوں سے ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے یا کہیں جانے کے لیے سواری تیار کراتے۔

یہ ممکن نہ تھا کہ آپ کے بیت الشرف میں کوئی بلند آواز سے بات کرے خود آپ زیادہ بات چیت کرنا پسند نہ فرماتے تھے۔ میرے جد عبد اللہ میری دادی کو متبرک خیال کرتے تھے اور جس دن سے یہ ان کو ہمہ ہوئیں اسی دن سے میری دادی کو کنیز مدبرہ (مالک کے مرنے کے بعد آزاد) بنادیا تھا۔ ایک دن میرے جد کے ماموں عباس بن احنف حنفی میرے پاس آئے اور میری جدہ کی باتوں کو سن کر حیرت زدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ یہ کنیز آپ مجھے دے دیں۔ میرے جد نے کہا یہ تو مدبرہ ہے۔ (عیون اخبار الرضا ج ۲ ص ۱۴۹)

دلائل حمیری میں سلیمان جعفری سے روایت ہے کہ مجھ سے حضرت امام رضاؑ نے فرمایا کہ میرے لیے ایک کنیز ان صفات کی خرید لاؤ۔ جب میں نے تلاش کیا تو مجھے ان تمام اوصاف کی کنیز اہل مدینہ میں ایک شخص کے پاس ملی۔ میں نے اسے خرید لیا، قیمت مالک کو ادا کی اور کنیز کو لے کر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ کو پسند آئی مگر چند ہی روز گزرے تھے کہ اس کا مالک میرے پاس روتا ہوا آیا اور

امام علی رضا کے غلام یاسر کا بیان ہے کہ ایک دن آپ کے غلاموں نے پھل کھائے جو بچ گئے وہ پھینک دیے۔ حضرت نے دیکھا اور فرمایا سبحان اللہ! یہ بھی خوب رہی بھائی اگر تم کو ان کی ضرورت نہیں تھی تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جن کو میسر نہیں ہے، انھیں لے جاؤ اور ضرورت مندوں کو دے دو۔ (الکافی ج ۶ ص ۲۹۷)

حضرت کے غلام یاسر اور نادر کا بیان ہے کہ ہم سے امام رضاؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب تم کھانا کھا رہے ہو اور میں پہنچ جاؤں تو کھڑے نہ ہوا کرو جب تک کہ کھانے سے فارغ نہ ہو جاؤ۔ اس کے بعد کبھی کبھی جب آپ ہم میں سے کسی کو طلب فرماتے اور کہہ دیا جاتا کہ سب کھانا کھا رہے ہیں تو آپ فرمادیتے تھے اچھا انہیں کھالینے دو۔ نیز خادم ہی کا بیان ہے کہ آپ اخروٹ کی بنی ہوئی مٹھائیوں کی ڈلیاں ہم سب کو عنایت فرمایا کرتے تھے۔

## کنیزوں سے سلوک

صولی کہتا ہے کہ میری دادی نے مجھ سے بیان کیا (جن کا نام عذر تھا) کہ میری بھی کچھ کنیزوں کے ساتھ شہر کوفہ سے خریدی گئی۔ میرا باپ عرب اور ماں غیر عرب تھی۔ یہاں سے مجھے خرید کر مامون کے پاس لے جایا گیا۔ وہاں میں مامون کے گھر میں رہا جو میرے لیے جنت تھا۔ کھانا، پینا، عطریات، درہم و دینار ہر شے با فراغت تھی۔ اس کے بعد مامون نے مجھے حضرت امام رضاؑ کو ہمہ کر دیا۔ جب میں آپ کے بیت الشرف میں پہنچی تو ہر شے مفقود تھی اور وہاں ہم کنیزوں پر ایک داروغہ مقرر تھی جو ہمیں شب کی نماز کے لیے بیدار کرتی۔ یہ بات مجھ پر بہت گراں گزر رہی تھی اور چاہتی تھی کہ کسی طرح یہاں سے نکل جاؤں۔ پھر حضرت امام رضاؑ نے مجھے میرے دادا عبد اللہ بن عباس کو ہمہ کر دیا اور جب ان کے گھر پہنچی تو ایسا معلوم ہوا کہ جنت



سب سے زیادہ پرہیزگار تسلیم کیے گئے ہیں۔ یہ یکتائے زمانہ تھے۔ انھوں نے موسیٰ بن جعفر کا زمانہ بھی پایا مگر ان سے کوئی روایت نہ کر سکے صرف حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت کرنے کا موقع ملا۔ (الاختصاص ص ۸۶، ترجمہ بحار الانوار ص ۲۸۳)

## روضہ امام رضا پر غلام کی دعا کی فوری قبولیت

ابو الحسن محمد بن شیدائے ہروی سے روایت ہے کہ بلخ کا ایک شخص مشہد مقدس حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت کو آیا، اس کے ساتھ اس کا غلام بھی تھا۔ دونوں نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی زیارت پڑھی۔ پھر مالک قبر کے سر بالیں کھڑا ہو کر نماز پڑھنے لگا اور غلام پاؤں کی طرف مشغول نماز ہوا۔ جب دونوں نماز سے فارغ ہوئے تو دیر تک سجدہ میں رہے۔ مجھ سے پہلے مالک نے سجدے سے سر اٹھایا اور غلام کو آواز دی تو غلام نے فوراً سجدے سے سر اٹھایا اور کہا البیک یا مولائی، سرکار حاضر۔ پوچھا آزادی چاہتے ہو؟ غلام نے کہا جی ہاں۔ مالک نے کہا اچھا جاؤ تم راہ خدا میں آزاد ہو اور میری فلاں کنیز جو بلخ میں ہے اس کو بھی میں نے آزاد کیا اور اس کا نکاح تم سے اتنے مہر پر کیا اور تمھاری طرف سے مہر کی ادائیگی میں کروں گا اور میری فلاں جائیداد ہے اسے میں نے تمھاری اولاد کے لیے بلکہ اولاد در اولاد کے لیے وقف کر دیا اور اس پر میں اس امام کو گواہ بنانا ہوں۔ یہ سن کر غلام مارے خوشی کے زار و قطار رونے لگا اور اللہ کی اور امام رضا کی قسم کھا کر کہنے لگا کہ ابھی ابھی میں نے سجدہ میں یہی دعا کی تھی اور اتنی جلدی اللہ نے میری یہ دعا قبول کر لی۔ (عیون الاخبار ج ۲ ص ۲۸۲، ترجمہ بحار الانوار ج ۴/۵ ص ۳۲۷)

بولا: اللہ اللہ! میری زندگی تو تلخ ہو گئی نہ چین آتا ہے نہ نیند آتی ہے، تم حضرت ابو الحسن علیہ السلام سے بات کرو کہ وہ کنیز مجھے واپس کر دیں اور اپنی قیمت لے لیں میں نے کہا کہ کیا تو پاگل ہوا ہے؟ بھلا مجھ میں یہ جرأت کہاں کہ میں ان سے کنیز کی دعا کے بارے میں کچھ کہہ سکوں تاہم میں امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن آپ نے میرے بغیر کچھ کہے خود ہی فرمایا اے سلیمان! کیا اس کنیز کا مالک چاہتا ہے کہ میں اس کو واپس کر دوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، واللہ وہ یہی چاہتا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کی کنیز اس کو واپس دے دو اور قیمت واپس لے لو۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کے چند دن کے بعد اس کنیز کا مالک پھر میرے پاس آیا اور کہا تم حضرت ابو الحسن علیہ السلام سے درخواست کرو کہ وہ پھر اس کنیز کو خرید لیں، اس لیے کہ وہ اب میرے لیے بے سود ہے، مجھ میں ہمت نہیں کہ میں اس کے قریب بھی جا سکوں۔ میں نے کہا کہ مجھ میں بھی اب اتنی جرأت نہیں کہ اس سلسلہ میں مزید امام سے کچھ عرض کر سکوں۔ راوی کا بیان ہے کہ میں حضرت ابو الحسن علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا اے سلیمان! کیا کنیز کا مالک یہ چاہتا ہے کہ وہ کنیز پھر میں خرید لوں اور قیمت اس کو دے دوں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں، اس نے مجھ سے یہی درخواست کی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تو وہ کنیز مجھے دے کر قیمت لے جائے۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۱۳۴-۱۳۳، ترجمہ بحار الانوار)

## اصحاب ثقہ

زیادہ تر روایات آپ کے غلام یا سر اور نادر سے منقول ہیں اور ان کے حالات نہیں ملتے۔ ابو احمد محمد بن ابی عمیر اور ابو عمیر کا نام زیاد تھا۔ یہ ازد کے غلاموں میں سے تھے۔ عامہ اور خاصہ دونوں کے نزدیک سب سے زیادہ موثق، سب سے زیادہ عبادت گزار



## امام محمد تقی کا غلاموں کے ساتھ برتاؤ

حضرت امام محمد تقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نویں جانشین، ہمارے نویں امام اور سلسلہ عصمت کی گیارھویں کڑی تھے۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ جملہ صفات حسنہ میں یگانہ روزگار اور ممتاز تھے۔ آپ اگرچہ تمام ائمہ میں سب سے کمسن اور چھوٹے تھے لیکن آپ کی قدر و منزلت آپ کے آباء و اجداد کی طرح نہایت ہی عظیم تھی اور آپ کا بلند تذکرہ ہر سر نوک زبان تھا۔ علم و فضل و ادب و حکمت میں امام محمد تقی علیہ السلام کو وہ کمال حاصل تھا جو کسی کو بھی نصیب نہ تھا۔ علامہ شلبنجی لکھتے ہیں کہ امام محمد تقی علیہ السلام کمسنی کے باوجود فضائل سے بھرپور تھے اس زمانے میں دنیا کے بڑے بڑے لوگ فضائل و کمالات میں آپ کی برابری نہیں کر سکتے تھے۔ (ارشاد ص ۴۴)

آپ کا سلوک غلاموں اور کنیزوں کے ساتھ وہی تھا جو آپ کے آباء و اجداد کا تھا۔ تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

## کنیز کی خریداری

حمیری نے کتاب الدلائل میں صالح بن عقبہ سے روایت کی ہے اس کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ میں نے حج کا فریضہ ادا کیا اور حضرت ابو جعفر جواد علیہ السلام سے

## حضرت معروف کرخی

ابن شہر ادری نے مناقب الابرار میں تحریر کیا ہے کہ حضرت معروف کرخی حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام کے دوست دار اور خادموں میں سے تھے۔ ان کے والدین نصرانی تھے۔ انھوں نے بچپن میں ان کو ایک معلم کے سپرد کیا۔ اس نے کہا کہ کہوتین سے تیسرا اور وہ کہتے رہے کہ نہیں بلکہ وہ ایک۔ پس معلم نے ان کی خوب پٹائی کی۔ یہ بھاگ کر حضرت امام موسیٰ رضا علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے، آپ کے ہاتھوں پر اسلام لائے پھر اپنے گھر پہنچے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے پوچھا کون؟ انھوں نے کہا معروف۔ پوچھا کس دین پر ہو؟ کہا دین حنیف اسلام پر۔ پھر ان کے باپ بھی حضرت امام علی رضا کی برکت سے اسلام لائے۔

حضرت معروف کرخی کا بیان ہے کہ پھر میں ایک عرصہ تک معصیت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ بالآخر دنیا کا سارا کاروبار چھوڑ کر صرف اپنے آقا حضرت امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں لگ گیا۔



گئے اور ایک کنیز کو منتخب کر کے فرمایا اسے خرید لو۔ میں نے اسے خرید لیا اور محمد اللہ اس کے بطن سے میرا یہ فرزند محمد پیدا ہوا۔ (الخروج والبراء، ترجمہ بجا لانا اور اللہ)

## وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں شامل تھے

- ۱۔ ایوب بن نوح بن دراج کو فی مولی النخع ثقہ۔
- ۲۔ ابراہیم بن شیبۃ الاصہبانی بنی اسد کے غلام تھے اور اصل قاشان ہے۔
- ۳۔ احمد بن محمد بن بندار مولی الربیع الاقرع۔
- ۴۔ احسن بن راشد کنیت ابو علی تھی اور آل المہلب کے غلام تھے، بغدادی تھے اور ثقہ تھے۔
- ۵۔ عبد اللہ بن الصلت ابو طالب القمی مولی الربیع۔

## خیران قراطیسی

امام علی رضی اللہ عنہ کے غلام تھے اور امام محمد تقی علیہ السلام کی بھی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ علی بن مہران سے روایت ہے اس کا بیان ہے کہ خیران نے مجھے خط لکھا کہ میں نے آٹھ درہم آپ کے پاس بھیجے ہیں جسے طرطوس سے ایک شخص نے مجھے بھیجے تھے مگر اس میں سے بعض درہم ان لوگوں کے ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ بغیر آپ کے حکم کے میں ان درہموں کو ان کے مالک کو واپس کروں۔ کیا آپ کی اجازت ہے کہ میں اس طرح کے درہم قبول کر لیا کروں۔ مجھے آپ کے حکم کا انتظار رہے گا۔ انھوں نے جواب میں تحریر کیا اگر ان لوگوں میں سے کوئی شخص درہم یا کوئی اور چیز بطور ہدیہ پیش کرتا ہے تو اسے قبول کر لو اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی یہودی اور نصرانی تک کا ہدیہ واپس نہیں فرماتے تھے۔ (رجال کشی نمبر ۵۰۸، ۵۰۹)

اپنی مجرد زندگی کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا جب تم حرم سے نکلو گے تو ایک کنیز خرید لینا اس سے اللہ تم کو ایک لڑکا عطا فرمائے گا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان، کیا آپ اس کی خریداری میں مجھے مشورہ دیں گے فرمایا ہاں، جب تمہیں کوئی کنیز پسند آئے تو مجھے اطلاع دینا۔ عرض میں ایک کنیز پسند کر کے آپ کی خدمت میں آیا اور عرض کیا میں آپ پر قربان، میں نے ایک کنیز پسند کر لی ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا تم چلو اور اس کنیز کے پاس کھڑے ہو جاؤ، میں آتا ہوں۔ میں بردہ فروش کی دوکان پر پہنچا، آپ ادھر سے گزرے، اس کنیز پر ایک نظر ڈالی اور آگے بڑھ گئے۔ میں آپ کی خدمت میں آیا۔ آپ نے فرمایا میں نے دیکھ لیا۔ اگر تمہیں پسند ہے تو ضرور خرید لو مگر اس کی عمر بہت کم رہ گئی ہے۔ میں نے عرض کیا پھر میں کیا کروں؟ آپ نے فرمایا اگر پسند ہے تو خرید لو۔ دوسرے دن میں پھر اس بردہ فروش کی دوکان پر پہنچا اس نے کہا اس کنیز کو بخار ہے۔ میں تیسرے دن پھر گیا اور پوچھا، اس نے کہا وہ مر گئی اور میں نے اس کو دفن بھی کر دیا۔ میں نے آکر آپ سے اس کے مرنے کی اطلاع دی۔ آپ اپنی سواری پر میرے ساتھ چلے۔ میں ایک کنیز کے قریب پہنچا، آپ ادھر سے ہو کر گزرے۔ میں وہاں سے پھر آپ کے پاس آیا، آپ نے فرمایا، ہاں اسے خرید لو میں نے دیکھ لیا ہے۔ آپ کے مشورہ پر میں نے اسے خرید لیا۔ پھر اسی کنیز سے میرا فرزند محمد پیدا ہوا۔

صالح بن عقبہ اصحاب سے روایت ہے کہ میں ایک مرتبہ حج کے لیے گیا اور حضرت امام محمد تقی کی خدمت میں حاضر ہو کر میں نے اپنی تنہا اور مجرد زندگی کے بارے میں شکایت کی۔ آپ نے فرمایا جب تم حرم سے نکلو تو ایک کنیز خریدو، اللہ تم کو اس سے ایک فرزند عطا کرے گا۔ میں نے عرض کیا میرے ساتھ آپ بھی چلیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ آپ سواری پر سوار ہو کر نخاس (دلال کے پاس)



ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ آپ نے ہاتھ کے اشارہ سے کہا بیٹھ جاؤ۔ میں بیٹھ گیا۔ پھر مجھے یاد آیا کہ ریان بن شبیب نے مجھ سے کہا تھا کہ جب تم حضرت ابو جعفر علیہ السلام کی خدمت میں پہنچو تو کہنا کہ آپ کے غلام ریان بن شبیب نے آپ کو سلام کہا ہے اور درخواست کی ہے کہ اس کے لیے اور اس کے فرزند کے لیے دعا فرمائیں۔ میں نے آپ سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے اس کے لیے دعا کی مگر اس کے فرزند کے لیے کوئی دعا نہیں کی۔ میں نے پھر اس کا ذکر کیا، پھر آپ نے صرف اس کے لیے دعا کی اس کے فرزند کے لیے نہیں کی۔ تیسری مرتبہ میں نے پھر کہا، آپ نے تیسری مرتبہ بھی صرف اس کے لیے دعا کی اس کے فرزند کے لیے نہیں کی۔ میں آپ سے رخصت ہوا اور اٹھا۔ میں دروازے کی طرف چلا تو کچھ آپ نے فرمایا جسے میں سمجھ نہ سکا اور میرے پیچھے پیچھے آپ کا ایک خادم آیا۔ میں نے پوچھا کہ جب میں وہاں سے اٹھا تھا تو آپ نے کیا فرمایا تھا۔ خادم نے کہا کہ وہ دیارِ مشرق میں پیدا ہوا ہے۔ جب وہاں سے نکلے گا تو اس سے بھی زیادہ شریف ہوگا۔ ہاں جب اللہ چاہے گا تو اسے ہدایت کی توفیق دے گا۔ (رجال کشی ص ۵۸)

## ریان بن شبیب

پچھلی روایت میں انھوں نے خیران کے ذریعہ امام محمد تقی علیہ السلام کو ان لفظوں میں کہ ”آپ کے غلام نے آپ کو سلام پہنچایا ہے اور درخواست کی ہے“ نے ظاہر کر دیا ہے کہ یہ امام محمد تقی علیہ السلام کے بھی غلام تھے اور امام علی رضا علیہ السلام کے بھی یہی ریان بن شبیب ہیں جو کہتے ہیں کہ میں پہلی محرم کو امام علیہ السلام یعنی امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت نے دریافت فرمایا ابن شبیب کیا روزہ ہے؟ میں نے عرض کی جی نہیں۔ فرمایا یہ وہ دن ہے کہ جناب ذکر کیا۔

خیران خادم کا بیان ہے کہ میں نے آقا کو آٹھ درہم بھیجے اور اس کے بعد وہی روٹا ہے جو پہلے گزر چکی اس کے بعد کہا کہ آپ نے فرمایا کہ تم اپنی رائے پر عمل کرو، تمہاری رائے میری رائے ہے جس نے تمہاری اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ (رجال کشی ص ۵۸)

محمد بن حسن بن بندرقی کی کتاب جو خود ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی اس میں میں نے یہ حدیث دیکھی کہ مجھ سے بیان کیا حسین بن محمد بن عامر نے اور ان سے بیان کیا خیران خادم قراطیسی نے میں نے حضرت ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حج کیا اور ایک خادم سے جس کی حضرت ابو جعفر علیہ السلام کی نگاہ میں کچھ وقعت تھی، میں نے آپ کے متعلق دریافت کیا اور درخواست کی وہ مجھے آپ کی خدمت میں پہنچا دے۔ جب ہم لوگ مدینہ پہنچے تو خادم نے کہا تیار ہو جاؤ میں حضرت ابو جعفر علیہ السلام کی خدمت میں جا رہا ہوں۔ میں تیار ہو کر اس کے ساتھ ہولیا جب ہم لوگ دروازے کے پاس پہنچے تو اس نے کہا یہیں ٹھہرو میں اجازت لے کر آتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ اندر گیا، جب اس کے آنے میں دیر ہو گئی تو ہم لوگ دروازے پر پہنچے، اس خادم کو معلوم کیا لوگوں نے کہا کہ وہ تو یہاں سے نکل کر چلا گیا۔ ہم لوگوں کو بڑی حیرت ہوئی۔ ابھی ہم لوگ اسی حیرانی میں تھے کہ گھر کے اندر سے ایک خادم نکلا اور بولا تم خیران ہو؟ میں نے کہا ہاں۔ کہا اندر آ جاؤ۔ میں اندر گیا تو دیکھا کہ حضرت ابو جعفر علیہ السلام چھت پر کھڑے ہیں کوئی فرش وغیرہ نہیں ہے جس پر وہ بیٹھیں۔ اتنے میں ایک غلام نے مصلیٰ لاکر بچھا دیا۔ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ میں نے دیکھا تو مجھ پر بہت ہیبت طاری ہوئی۔ میں نے چاہا کہ چھت پر پہنچوں مگر کوئی زینہ وغیرہ نہ تھا۔ آپ نے اشارہ سے زینہ کی جگہ بتائی۔ میں اوپر گیا اور سلام کیا۔ آپ نے جواب سلام دیا اور میری طرف اپنا ہاتھ بڑھایا۔ میں نے



واقعہ یاد آئے تو کہا کرو یا لَیْسَتْنِی کُنْتُ مَعَهُمْ فَأَنْوَزَ فَأَوْزَا عَظِیْمًا ہ اگر ہمارے ساتھ بلند ترین درجات میں رہنے کا ارادہ ہو تو ہمارے غم میں غم اور خوشی میں خوشی مناؤ، ہماری محبت کو لازم سمجھو۔ اگر کوئی شخص پتھر سے محبت کرے تو خداوند عالم قیامت میں اسی کے ساتھ محشور کرے گا۔

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ امام کے نزدیک کتنے معتمد اور ثقہ صحابی تھے مگر ان کے مفصل حالات نہیں ملتے۔

## ثقة الاسلام محمد بن ابی عمیر

آپ کی کنیت ابی عمیر زیاد بن عیسیٰ اور نام محمد، ابو احمد مہلب بن ابی صفہ کے غلاموں میں تھے۔ بغداد وطن تھا اور وہیں رہتے تھے۔ بڑے عظیم المرتبت اور جلیل القدر، مخالف اور موافق دونوں کے نزدیک ثقہ تھے اور نہایت عابد و زاہد اور متورع شخص تھے۔ یونس سے زیادہ افضل وافقہ مانا ہے حالانکہ فقہ میں یونس فضل بن شاذان سے روایت کرتے ہیں کہ ما نشأ فی الاسلام رجل من سائر الناس کان افقہ من سلمان الفارسی رضی اللہ عنہ ولا نشأ بعدہ افقہ من یونس بن عبد الرحمن رضی اللہ عنہ۔ اسلام میں سلمان فارسی کے بعد کوئی شخص فقیہ پیدا نہیں ہوا اور ان کے بعد یونس سے زیادہ کوئی فقیہ نہ ہو سکا۔

ابن ابی عمیر امام موسیٰ کاظم و امام رضا اور امام محمد تقی کی صحبت میں رہے اور علم حاصل کیا اور سچا نوٹے کتابیں تصنیف کیں اور ہارون رشید اور مامون کے زمانے میں بڑے مشکل دور سے گزرے۔ ان کو بہت سے تازیانے لگائے گئے کہ خلیفہ کو شیعیان علی کا پتہ اور نام بتانے میں رہنمائی کریں اس لیے کہ وہ شیعیان

دعا کی تھی خدا یا مجھے پاک ذریت عطا فرما، بے شک تو دعا سننے والا ہے۔ خدا نے ان کی دعا قبول فرمائی اور جب وہ محراب میں مصروف نماز تھے تو فرشتوں نے حکم خدا سے کہا خدا آپ کو بھئی کی بشارت دیتا ہے۔ جو شخص آج کے دن روزہ رکھے خدا اسی طرح اس کی دعا قبول کرتا ہے جیسے جناب زکریا کی دعا قبول فرمائی تھی۔ اے فرزند شیب! محرم وہ مہینہ ہے جس میں عہد جاہلیت کے لوگ بھی ظلم و جنگ کو حرام جانتے تھے کیونکہ اس مہینے کی بڑی حرمت تھی مگر اس امت نے نہ اس مہینے کی عزت کی نہ پیغمبر کا احترام کیا بلکہ ان کی ذریت کو قتل کیا، عورتوں کو اسیر اور سامان کو لوٹ لیا۔ خدا ان دشمنوں کو بھی معاف نہ فرمائے فرزند شیب! اگر کسی چیز پر رونا آئے تو حسینؑ مظلوم پر رونا اس لیے کہ وہ گوشت کی طرح ذبح کیے گئے اور ان کے ایسے اٹھارہ اہلبیت کو بھی قتل کیا گیا جن کا جوآ روئے زمین پر کوئی نہ تھا۔ ان کی شہادت پر ساتوں آسمان اور زمین رونی۔ ان کے لیے چار ہزار فرشتے آئے مگر یہ لوگ شہید ہو گئے۔ وہ فرشتے ان کی قبروں پر غبار آلود و پریشان حال ہیں۔ جب ظہور قائم آل محمدؑ ہو گا تو یہ فرشتے ان کی مدد کریں گے اور خون حسینؑ کے نعرے لگائیں گے۔

ابن شیب! ہمارے جد بزرگوار سے مروی ہے کہ جب جد بزرگوار امام حسینؑ شہید ہوئے تو آسمان سے خاک و خون کی بارش ہوئی۔ فرزند شیب! اگر امام حسینؑ پر اتنا رونا آئے کہ آنسو رخسار پر بہنے لگیں تو خداوند عالم چھوٹے بڑے کم اور زیادہ گناہوں کو بخش دے گا۔

فرزند شیب! اگر یہ تمہیں اچھا معلوم ہو کہ بارگاہ الہی میں بے گناہ حاضر ہو تو زیارت قبر انور کو جایا کرو، اگر نبی وآل نبی کے درجات جنت میں جانا چاہو تو قائم حسینؑ پر نفرین کرو، اگر یہ دل چاہے کہ انصار حسینؑ کا ثواب ملے تو جب بھی یہ



## امام علی نقیؑ کی غلام پروری

حضرت امام علی نقی علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسویں جانشین اور ہمارے دسویں امام اور سلسلہ معصومین کی بارہویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام محمد تقی علیہ السلام تھے اور والدہ ماجدہ سمانہ خاتون تھیں۔ آپ اپنے آبا و اجداد کی طرح امام منصوم، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ آپ علم، سخاوت، طہارت، نفس، بلندی کردار اور جملہ صفات حسنہ میں اپنے والد کی جیتی جاگتی تصویر تھے۔

حضرت کی سیرت زندگی اور اخلاق و کمالات وہی تھے جو اس سلسلہ عصمت کی ہر فرد کے اپنے دور میں امتیازی طور پر مشاہدہ میں آتے رہے تھے۔ قید خانے اور نظر بندی کا عالم ہو یا آزادی کا زمانہ، ہر وقت اور ہر حال میں یاد الہی، عبادت، خلق خدا سے استغنا، ثبات قدم، صبر و استقلال، مصائب کے ہجوم میں ماتھے پر شکن نہ ہونا، دشمنوں کے ساتھ بھی حلم و مروت سے کام لینا، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی امداد کرنا یہی اوصاف ہیں جو امام علی نقیؑ کی سیرت زندگی میں بھی نمایاں نظر آتے ہیں۔

وہ غلام جو آپ کے اصحاب میں شامل ہیں

۱۔ احسین بن سعید کوفی ابوہزلی مولیٰ علی بن الحسین۔

کو پہچانتے تھے۔ جب ان کو شہ تازیانے لگائے گئے اور ان کی طاقت ختم ہو گئی تو وہ شیعوں کے نام بتانے والے ہی تھے کہ محمد بن یونس بن عبد الرحمن کی آواز سنی کہ انھوں نے کہا یا محمد بن ابی عمیر اذکر موقوفک بین یدی اللہ اے محمد بن ابی عمیر! اللہ کے سامنے اپنے موقف کو یاد کرو۔ پس آپ کو ایک لاکھ درہم کی مالیت کا نقصان ہوا اور چار سال زندان میں رہے۔ آپ کی بہن نے آپ کی کتابیں جمع کر کے کھڑکی میں رکھ دی تھیں، بارش ہوئی اور برباد ہو گئیں۔ بعد میں ابن عمیر نے اپنے حافظہ پر اعتماد کر کے، جن لوگوں نے آپ کی کتابوں سے نقل کر لیا تھا ان سے لکھا۔ ہارون رشید کے زمانے میں سندی بن شاہک نے ہارون کے حکم سے ایک سو بیس لکڑی کی ضرب لگائیں اور شیعیت کے جرم میں قید میں ڈال دیا۔ ابن ابی عمیر نے ایک لاکھ اکیس ہزار درہم قید سے رہائی کے لیے دیے اور کہا گیا ہے کہ ابن ابی عمیر متمول تھے اور پانچ لاکھ درہم کے مالک تھے۔ اور شیخ صدوق نے روایت کی ہے ابن ولید سے اور انھوں نے علی بن ابراہیم سے اور انھوں نے اپنے باپ سے کہ انھوں نے کہا ابن ابی عمیر ہزار تھے اور ایک شخص دس ہزار درہم کا آپ کا مقروض تھا وہ فقیر ہو گیا۔ اس شخص نے اپنا مکان دس ہزار کا فروخت کر دیا اور وہ لے کر آپ کے پاس آیا۔ ابن ابی عمیر نے پوچھا کہ یہ رقم کہاں سے آئی؟ آیا تو نے میراث میں یہ مال پایا ہے یا کسی نے تجھے بخش دیا ہے۔ اس شخص نے کہا میں نے اپنا مکان فروخت کر دیا ہے۔ ابن ابی عمیر نے فرمایا کہ ذریعہ محاربی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ انسان قرض کی وجہ سے اپنا مکان فروخت نہیں کر سکتا۔ آپ نے وہ رقم واپس کر دی اور کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ خدا کی قسم اگر میں فعلاً ایک درہم کا محتاج ہوں تو بھی اس رقم سے ایک درہم قبول نہ کروں گا۔ خداوند عالم ہمیں بھی ایسا بچنے شیعہ بننے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین (منہج الامال ج ۲ ص ۳۰ مولفہ شیخ عباس قمی)



اندر نہ جاتا تھا، باہر جالی سے آپ کی زیارت کر لیا کرتا تھا۔ اس کا قول تھا کہ گھر کا مالک گھر کے اندر جب تک اجازت نہ دے اندر کیسے جاؤں؟ یہ بڑا باادب تھا۔ دیوانوں میں جاتا، اگر کسی سے کوئی حاجت کرتا اور وہ حاجت پوری کر دیتا تو خوش ہوتا اگر اس نے اپنا وعدہ پورا کیا تو خیر ورنہ تیسری بار پھر جاتا، اگر اس نے حاجت پوری کر دی تو خیر ورنہ وہیں کھڑا ہو جاتا اور اس کے پاس خواہ وہ دو ایک آدمی ہوں یا مجمع ہو وہ یہ اشعار پڑھتا، ترجمہ اشعار:

”کیا تمہارا ارادہ یہ ہے کہ پل صراط پر پہنچ کر اپنے کیے ہوئے اپنے اس وعدے کو پورا کرو گے یا یہ ارادہ ہے کہ قیامت میں تم یہ جو دو بخشش کرو گے جناب میں نے آپ سے دنیا میں مانگا ہے، خواب غفلت سے بیدار ہو جائیے“ (امالی، ترجمہ بجا الانوار ص ۲۲۰)

## بغا غلام ترکی کے متعلق رسول کی دعا

مروج الذہب میں مسعودی کا بیان ہے کہ بغا ایک معتصم کا ترکی غلام تھا جس نے بڑی بڑی جنگیں دیکھی تھیں، دشمن کی صفوں میں گھس جاتا اور صحیح و سلامت نکل آتا اور لطف یہ ہے کہ وہ اپنے جسم پر لوہے کی بنی ہوئی کوئی چیز مثلاً زرہ وغیرہ کچھ نہ پہنتا تھا۔

جب اس سے اس کا سبب پوچھا گیا تو اس نے بتایا کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، آپ کے ساتھ آپ کے اصحاب کی ایک جماعت بھی تھی، آپ نے ارشاد فرمایا: اے بغا! تم نے میری امت کے ایک شخص کے ساتھ نیک سلوک کیا ہے اس نے تمہیں دعائیں دیں اور اس کی دعائیں قبول ہو گئیں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کون شخص

۲۔ حمزہ مولیٰ علی بن سلیمان بن رشید بغدادی۔

۳۔ خیران القراطیسی مولیٰ الرضا۔

۴۔ کافر مولیٰ امام علی نقی علیہ السلام، ثقہ ہیں۔

۵۔ مسافر مولیٰ امام علی نقی، یہ امام رضا کے بھی خادم تھے۔ ان کی کنیت ابو مسلم تھی۔

## احسین بن سعید کوفی ابو اوزی

حسین بن سعید بن حماد بن سعید بن مہران امام علی بن احسین امام زین العابدین علیہ السلام کے غلام تھے۔ امام رضا، امام محمد تقی اور امام علی نقی علیہم السلام کے راویوں میں ثقہ اور جلیل القدر ہیں۔ وطن کوفہ تھا لیکن اپنے بھائی حسن کے ساتھ ابوازی اور پھر قم منتقل ہو گئے تھے اور قم میں وفات پائی۔ تیس کتابیں تالیف کیں اور ان کے بھائی حسن نے سچاس کتابیں تصنیف کیں اور ان تیس کتابوں کی تصنیف میں بھی شرکت کی۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۹۰)

## خیران القراطیسی

ثقة اور جلیل القدر اصحاب امام رضا، امام محمد تقی اور امام علی نقی علیہم السلام میں سے ہیں۔ ان کا تذکرہ امام محمد تقی علیہ السلام کے اصحاب میں ہو چکا ہے۔

## بو طیر

نخام کا بیان ہے کہ ابو طیب احمد بن محمد بن بو طیر ہمارے اصحاب میں سے ایک شخص تھا۔ اس کا جد بو طیر حضرت امام علی نقی بن محمد علیہ السلام کا غلام تھا اور اس کا نام امام علیہ السلام نے رکھا تھا۔ یہ ان لوگوں میں سے تھا کہ روضہ کے



کرنا تھا، پھر کیا تو مجھے اپنے دشمن کے حوالے کر کے یہ سزا دلانے لگا؟  
 بغا کا بیان ہے کہ یہ سن کر میں کانپنے لگا، اندر سے رقت آئی اور دل میں ایک  
 درد سا اٹھا اور قریب تھا کہ میں اسے درندوں کے کٹہرے میں ڈال دوں کہ اچانک  
 میں نے اسے کھینچ لیا اور اپنے حجرے میں لا کر اسے چھپا دیا۔ پھر معتصم کے پاس  
 آیا، اس نے پوچھا کیا کیا؟ میں نے کہا میں اس کو ڈال آیا۔ اس نے پوچھا وہ تم سے  
 کچھ کہہ رہا تھا؟ میں نے کہا میں عجی ہوں اور وہ عربی میں کچھ بول رہا تھا، سمجھ میں  
 نہیں آیا کہ وہ کیا کہتا تھا؟ الغرض جب صبح ہوئی تو میں نے اس شخص سے کہا  
 اب درندے کھل گئے ہیں اور اب میں پہرے داروں کے ساتھ تجھے نکال رہا  
 ہوں، دیکھ میں نے اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر تجھے بچایا ہے لہذا کوشش  
 کر کہ عہدِ معتصم تک تو بالکل روپوش رہے مگر تو مجھے یہ بتا دے کہ تیرا معاملہ کیا  
 ہے؟ اس نے کہا بات یہ تھی کہ ہمارے عمال میں سے ایک فرد حرام کاری اور  
 فسق و فجور میں مبتلا تھا، حق کو پامال کرتا تھا باطل کی مدد کرتا تھا جس کی وجہ سے  
 شریعت میں فساد پیدا ہو رہا تھا، توحید الہی منہدم ہو رہی تھی مگر اس کے خلاف  
 کوئی شخص میری مدد کو تیار نہ ہوتا تھا لہذا مجبوراً ایک شب کو میں نے اس پر حملہ  
 کر کے اسے قتل کر دیا۔ اس لیے کہ اس کے جرائم ایسے تھے کہ جن کی بنا پر وہ  
 از روئے شریعت واجب القتل تھا۔ نتیجہ میں مجھے گرفتار کر لیا گیا اور اس کے  
 بعد جو کچھ ہوا وہ سب تم کو معلوم ہے۔ (مروج الذهب، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۲۸)

**کافور**

کافور امام علی نقی علیہ السلام کے معتمد و ثقہ خادم اور غلام تھے۔ آپ کا بیان  
 ہے کہ مجھ سے میرے آقا امام علی نقی علیہ السلام نے فرمایا کہ فلاں لوٹا فلاں مقام پر  
 پانی سے بھر کر میرے وضو کے لیے رکھ دینا۔ پھر آپ نے مجھے کسی کام کے لیے

ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا یہ وہ شخص ہے جس کو تم نے درندوں سے بچایا  
 تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ میرے لیے دعا فرمائیں کہ اللہ میری  
 عمر طویل فرمادے۔ آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بارگاہِ خداوندی  
 میں عرض کیا پروردگار! اس کو طولِ عمر عطا فرمادے اور موت اس کو بھولی ہے۔  
 میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! بچانے والے سال۔ آپ نے بھی فرمایا بچانے والے سال۔  
 ایک شخص جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا تھا اس نے کہا اور یہ آفات سے بچا رہے؟  
 نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ آفات سے بچا رہے۔ میں نے اس شخص  
 سے پوچھا آپ کون ہیں؟ انھوں نے فرمایا میں علی بن ابی طالب ہوں۔ یہ خواب  
 دیکھ کر میں بیدار ہو گیا۔ اب میں علی کا نام لیتا ہوں اسی وجہ سے جنگوں میں صفوں  
 کے درمیان جا کر بھی بخیر و عافیت واپس آجاتا ہوں اور مجھے کوئی گزند نہیں پہنچتی۔  
 بغا طالبین (حضرت ابو طالب کی اولاد) پر بہت مہربان رہتا اور ان کے ساتھ  
 بہت نیکی کرتا تھا کسی نے اس سے پوچھا وہ شخص کون ہے جس کو تم نے درندوں  
 سے بچایا تھا اور اس کا کیا واقعہ ہے؟ اس نے کہا، معتصم باللہ کے پاس ایک  
 شخص کو لایا گیا جس سے کوئی بدعت سرزد ہوئی تھی۔ معتصم اور اس کے درمیان  
 شب کی تنہائی میں گفتگو ہوئی۔ معتصم نے مجھے حکم دیا اسے لے جاؤ اور درندوں  
 کے کٹہرے میں ڈال دو۔

مجھے بھی اس شخص پر بڑا غصہ آ رہا تھا، جب میں اسے لے چلا تو میں نے  
 اسے یہ کہتے ہوئے سنا "پروردگار! تو خوب جانتا ہے کہ میں نے صرف تیرے بارے  
 میں گفتگو کی ہے، صرف تیرے دین کی نصرت کی ہے، میں نے جو کچھ کہا ہے وہ  
 صرف تیری توحید کے متعلق تھا اور اس سے میرا مطلب صرف تیری اطاعت  
 تیرا تقرب حاصل کرنا تھا کسی غیر کا نہیں اور تیرے مخالف کے سامنے حق کو ثابت



تربیت کا اپنے اپنے اثر دنیا کو دکھلادیا۔ اس واقعہ میں کافور امامؑ کے خادم کی شان ملاحظہ کیجیے۔ ایسے مطیع تھے کہ کام اگر فراموش ہو گیا تو قدرت نے اس کام کو پورا کر دیا۔ صرف پورا ہی نہیں کیا بلکہ خدمت کو مزید محبت میں سمو دیا کہ پانی ٹھنڈے کے بجائے گرم ملا۔ دوسرے امامؑ نے کافور کو جو اپنا دستور یاد دلایا یہ جہاں عبادت میں مشقت اٹھانے کی ایک اسلاف کی نشانی ہے وہاں سہولت پسند نمازیوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے۔ اکثر ہیں جو سردی کے زمانے میں وضو کے بجائے تیمم کر کے نماز ادا کر لیتے ہیں جب کہ ان کو گرم پانی میسر ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے اجتہاد سے وضو اور تیمم میں تخییر کے قائل ہیں کہ چاہے وضو کرو چاہے تیمم کرو۔ یوں وہ تیمم کو پسند کرتے ہیں۔ امام علیہ السلام کے طریقے پر اگر کوئی ٹھنڈے پانی سے وضو نہیں کر سکتا اور اس کی برداشت ٹھنڈے کے زمانے میں نہیں ہے تو گرم پانی سے وضو کرے، اس کے امکان کی صورت میں تیمم کرنے کا جواز کہاں سے پیدا ہوتا ہے واقعہ کے آخر میں مباح کے چھوڑنے اختیار کرنے کی صورت کے لیے جو خاص طوط پر امامؑ نے متوجہ کیا ہے وہ جعلی زاہدوں، ترک لذات کرنے والوں، اپنی طرف سے تکلیف خریدنے والوں کے لیے نہ محض تنبیہ ہے بلکہ ان کے گنہگار ہونے اور غضب خدا کے مستحق قرار پانے کی واضح دلیل ہے۔ امامؑ نے گرم پانی سے وضو کر کے بتایا کہ ہم مباح کے بجالانے والے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی اجازت سبک نہیں کرتے۔ امیر المومنینؑ ہمیشہ جو کھاتے رہے مگر اس کے ساتھ گہیوں کبھی کبھی اس لیے نوش فرمایا کہ مباح کے تارک نہ بنیں۔

بھج دیا اور فرمایا پہلے یہ کام کرو پھر پانی رکھ دینا تاکہ جب میں نماز کے لیے وضو کرنا چاہوں تو پانی موجود ہو۔ یہ فرما کر آپ آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے اور میں پانی رکھنا بھول گیا۔ سردی کی رات تھی، جب میں نے محسوس کیا کہ آپ نماز کے لیے اٹھے ہیں تو مجھے یاد آیا کہ لوٹے میں پانی تو میں نے رکھا ہی نہیں اس لیے ڈر کے مارے کہ آپ خفا ہوں گے میں وہاں سے دور ہٹ گیا مگر اس کا دکھ ضرور تھا کہ آقا کو لوٹا تلاش کرنے میں زحمت ہوگی۔ اتنے میں آپ نے مجھے غصہ میں آواز دی میں نے دل میں کہا اتا اللہ اب میں آپ کے سامنے کیا عذر پیش کروں گا سوائے اس کے کہ یہ کہہ دوں کہ میں بھول گیا اور بغیر سامنے گئے کوئی چارہ بھی نہ تھا لہذا گردن جھکاتے ہوئے سامنے گیا۔ آپ نے فرمایا تجھ پر وائے ہو، تجھے میرا دستور معلوم نہیں کہ میں ہمیشہ ٹھنڈے پانی سے وضو کرتا ہوں پھر تو نے گرم پانی لوٹے میں بھر کر کیوں رکھ دیا؟ میں نے عرض کیا آقا میں نے نہ لوٹا رکھا اور نہ پانی۔

آپؐ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مجھے دم قدم پر اپنی آسانیوں سے نوازا ہے اور شکر ہے اس اللہ کا جس نے مجھے اپنی اطاعت کرنے والوں میں شامل کیا، اپنی عبادت کی توفیق عطا فرمائی اور میری مدد فرمائی۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ اللہ اس شخص سے ناراض ہوتا ہے جو اس کی دی ہوئی آسانی قبول نہ کرے۔ (امالی شیح، مناقب ج ۴ ص ۴۴) (مسئلہ روایت ہے: ماخوذ از ترجمہ بحار الانوار ج ۱۰ ص ۱۳۳/۱۳۴)

اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ خاندان اہل بیت عصمت و طہارت سے متعلق خدام، کنیزیں ہوں خواہ غلام، محض خدمتی نہ تھے خدا پرست خدا والے تھے۔ معصوم کے قدموں میں رہ کر محفوظ ہو گئے، ایسے کمالات کے جو ہر پیدا ہوئے کہ دنیا میں ان کی مثال مشکل ہے۔ ہے کوئی دنیا میں قبر کا جواب، فضہ کا ہم پلہ۔ ایک علیؑ کی تربیت میں بنا دوسری فاطمہؑ کی تربیت میں۔ دونوں نے



پھر بھی جتنے عرصہ تک قیام رہا دور دراز سے لوگ آپ کے فیض و عطا کے تذکرے سن کر آتے تھے اور بامراد جاتے تھے۔ آپ کے اخلاق و اوصاف کی عظمت کا عوام و خواص سب ہی کے دلوں پر سکھ قائم تھا۔ چنانچہ جب احمد بن عبد اللہ خاقان کے سامنے جو خلیفہ عباسی کی طرف سے شہر قم کے اوقاف و صدقات کے شعبہ کا افسر اعلیٰ تھا سادات علوی کا تذکرہ آگیا تو وہ کہنے لگا کہ مجھے کوئی حسن عسکری سے زیادہ بلند مرتبہ اور علم و ورع، زہد و عبادت، وقار و ہیبت، حیا و عفت، نشرو و عزت اور قدر و منزلت میں ممتاز اور نمایاں نہیں معلوم ہوا۔ اس وقت جب امام علی نقی علیہ السلام کا انتقال ہوا اور لوگ تجہیز و تکفین میں مشغول تھے تو بعض گھر کے ملازمین نے اثاث البیت وغیرہ میں سے کچھ چیزیں غائب کر دیں اور انہیں خبر نہ تھی کہ امام کو اس کی اطلاع ہو جائے گی۔ جب تجہیز و تکفین وغیرہ سے فراغت ہوئی تو آپ نے ان نوکروں کو بلایا اور فرمایا کہ جو کچھ پوچھتا ہوں اگر تم مجھ سے سچ سچ بیان کر دو گے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا اور سزا نہ دوں گا۔ اس کے بعد آپ نے ہر ایک سے ان اشیاء کے متعلق جو اس کے پاس تھیں دریافت کیا اور جب انہوں نے سچ بیان کر دیا تو ان تمام چیزوں کو ان سے واپس لے کر آپ نے ان کو کسی قسم کی سزا نہ دی اور معاف فرمادیا۔ (رہنمایان اسلام مصنفہ مولانا علی نقی مرحوم)

اور میں کا بیان ہے کہ میں آل محمد کے متعلق مبالغہ آمیز بڑی بڑی باتیں کیا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ میں حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی ملاقات کی غرض سے عسکر پہنچا۔ سفر کی وجہ سے بہت تھکا ماندہ تھا اس لیے ایک حمام کی دوکان پر گیا وہیں پڑ کر سو گیا اور آنکھ اس وقت کھلی جب حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام نے آکر کھٹکھٹایا۔ میں نے محسوس کیا کہ آپ ہی نے دروازہ کھٹکھٹایا

## امام حسن عسکری کا غلاموں ساتھ حسن سلوک

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گیارہویں جانشین اور سلسلہ عصمت کی تیرہویں کڑی ہیں۔ آپ اپنے آباؤ اجداد کی طرح امام منصوص، معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات تھے۔ علامہ محمد بن طلحہ شافعی کا بیان ہے کہ آپ کو خداوند عالم نے جن فضائل و مناقب اور کمالات اور بلندی سے سرفراز کیا ہے ان میں مکمل دوام موجود ہے۔ نہ وہ نظر انداز کیے جا سکتے ہیں اور نہ ان میں کبھی آسکتی ہے اور آپ کا ایک شرف یہ بھی ہے کہ امام ہند آپ ہی کے اکلوتے فرزند ہیں جنہیں پروردگار عالم نے طویل عمر عطا کی ہے۔

(مطالب السنول ص ۲۹۲ چودہ ستارے ص ۵۳۱)

آپ اسی سلسلہ عصمت کی ایک کڑی تھے جس کا ہر حلقہ انسانی کمالات کے جواہر سے مرصع تھا۔ علم و حلم، عفو و کرم، سخاوت و ایثار سب ہی اوصاف بے مثال تھے۔ عبادت کا یہ عالم تھا کہ اس زمانے میں بھی کہ جب آپ سخت قید میں تھے عمدہ نے جس سے آپ کے متعلق دریافت کیا یہی معلوم ہوا کہ آپ دن بھر روزہ رکھتے ہیں اور رات بھر نازیں پڑھتے ہیں اور سوا ذکر الہی کے کسی سے کوئی کلام نہیں فرماتے۔ اگرچہ آپ کو اپنے گھر پر آزادی کی سانسیں لینے کا موقع بہت ہی کم ملا



**کافور خادم** کا بیان ہے کہ یونس نقاش ہمارے سید و آقا کی حاشیہ برداری اور خدمت کیا کرتا تھا۔ ایک دن وہ کانپتا ہوا آیا اور عرض کرنے لگا اے میرے سید و سر دار! میں وصیت کرتا ہوں کہ میرے اہل و عیال کا خیال رکھیے گا۔ آپ نے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے عرض کیا بس اب میرا اس دنیا سے کوچ کا اہتمام ہو گیا ہے۔ آپ نے فرمایا اے یونس! کیسا اہتمام؟ یہ کہہ کر آپ مسکرائے۔ یونس نے کہا ابن بغا (حاکم) نے مجھے ایک نگینہ دیا تھا، جب میں اس پر نقش کرنے لگا تو وہ بیچ سے دو ٹکڑے ہو گیا، اس کو کل ہی دینے کا وعدہ تھا اور وہ ابن بغا ہیے ایک ہزار تازیانوں یا قتل سے کم سزا نہ دے گا۔ آپ نے فرمایا اپنے گھر جاؤ کل جو اللہ کرے گا وہ بہتر کرے گا۔ دوسرے دن پھر کانپتا ہوا آیا اور بولا کہ ابن بغا کا آدمی نگینہ لینے آیا ہے۔ آپ نے فرمایا اس کے ساتھ جاؤ اللہ جو کرے گا وہ بہتر کرے گا۔ یونس نے کہا آقا! میں اس سے جاکر کیا کہوں گا؟ آپ مسکرائے اور فرمایا تم جاؤ اور سنو کہ کیا کہتا ہے اور جو ہوگا وہ بہتر ہی ہوگا۔ یونس گیا اور خوش و خرم واپس آیا اور بولا، مولا! ابن بغا نے مجھ سے کہا کہ میری کنیزیں آپس میں جھگڑ رہی ہیں، کیا تم سے ممکن ہے کہ اس کے دو ٹکڑے کر دو اور جھگڑا ختم ہو جائے۔ آپ نے فرمایا پروردگار! تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایسے لوگوں میں قرار دیا کہ جو تیرا واقعی شکر ادا کرتے ہیں۔ آپ نے پوچھا پھر تم نے کیا کہا؟ یونس نے کہا کہ میں نے اسے مطمئن کر دیا ہے کہ اچھا میں کوشش کروں گا۔ آپ نے فرمایا ٹھیک جواب دیا۔ (مناقب آل ابی طالب ج ۲ ص ۲۲۸-۲۲۹)

ترجمہ بحار الانوار  
**کنیز کی موت کا علم**

علی بن زید بن علی بن الحسین بن زید بن علی سے روایت ہے ان کا بیان

ہے اس لیے فوراً اٹھا، دروازہ کھولا اور آپ کے قدموں کو بوسہ دیا۔ آپ سواری پر سوار تھے اور کئی غلام آپ کے گرد تھے۔ آپ نے سب سے پہلی بات جو فرمائی وہ یہ تھی کہ اے ادریس سنو بل عباد مکرمون لا یسبقونہ بالقول وھم بامرہ یعملون ۵ (سورۃ الانبیاء آیت ۲۲-۲۴) ترجمہ ”بلکہ یہ اللہ کے مکرم بندے ہیں اس کے قول پر سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر عمل کرتے ہیں“

میں نے عرض کیا مولا! میرے لیے یہی آیت کافی ہے۔ درحقیقت میں یہی پوچھنے کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ (مناقب ج ۲ ص ۲۲۹، ترجمہ بحار الانوار ج ۱ ص ۹۱۰)

**ابو حمزہ نصیر خادم** سے روایت ہے کہ میں نے امام حسن عسکری علیہ السلام کو اپنے غلاموں سے ان ہی کی زبانوں میں کئی مرتبہ باتیں کرتے ہوئے سنا جن میں کچھ رومی تھے کچھ ترکی اور کچھ صفالہ تھے۔ مجھے بڑا تعجب ہوا۔ دل میں کہا یہ دنیا میں پیدا ہوئے اور اپنے والد بزرگوار حضرت ابوالحسن علی النقی علیہ السلام کی وفات تک کبھی کسی کے سامنے نہیں آئے نہ ان کو کسی نے دیکھا۔ پھر ان کو یہ باتیں کیسے آگئیں؟ ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا سنو اللہ تعالیٰ اپنی حجت کو ساری مخلوق پر واضح کر دیتا ہے اور اسے ہر شے کا علم عنایت فرما دیتا ہے۔ اسی بنا پر وہ دنیا کی تمام زبانوں کو، تمام لوگوں کے نسب کو اور زمانے کے تمام ہونے والے آئندہ کے حوادث کو جانتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر حجت خدا مجھ جین میں کیا فرق ہوگا؟ (مختار الخراج ص ۲۱۴، مناقب ج ۲ ص ۲۲۸)

اعلام الوری، کافی اور ارشاد شیخ مفید میں بھی نصیر خادم کی یہی روایت مرقوم ہے (اعلام الوری ص ۳۵۶، کافی ج ۱ ص ۵۰۹، ارشاد ص ۳۲۲، ترجمہ بحار الانوار ج ۱ ص ۹۱۰)



میں نے کہا نہیں۔ ابو علی نے کہا، یہ ہمارے آقا حضرت ابو محمد امام عسکری کا ملازم ہے۔ کیا تمہارا دل چاہتا ہے کہ اس سے اپنے آقا کی کوئی حدیث سنو؟ میں نے کہا ہاں۔ انھوں نے کہا تمہارے پاس اس کے دینے کے لیے کچھ ہے؟ میں نے کہا ہاں، دو درہم صحیح رہیں گے؟ انھوں نے کہا اس کے لیے یہ کافی ہے۔

الغرض میں اس کے پیچھے گیا اور اس سے جا کر کہا کہ تم کو ابو علی بن ہمام بلاتے ہیں، کیا تم ان کے پاس جانا پسند کرو گے؟ اس نے کہا جی ہاں، چشم۔ پھر ہم دونوں ابو علی بن ہمام کے پاس آئے۔ وہ ان کے پاس بیٹھ گیا۔ ابو علی نے مجھے اشارہ کیا اسے دو درہم دے دو۔ میں دینے لگا تو اس نے کہا اس کی کیا ضرورت ہے، میں نے اصرار کیا اور وہ دو درہم اس کو دے دیے۔ پھر ابو علی بن ہمام نے اس سے کہا اے محمد! حضرت ابو محمد امام حسن عسکری کے متعلق جو کچھ تم نے دیکھا ہے اسے بیان کرو۔ اس نے کہا میرے مالک علویوں میں سب سے زیادہ مرد صالح تھے۔ میں نے تو ان جیسا کوئی آدمی ہی نہیں دیکھا۔ وہ مشکلی اور نیلگوں زین پر سوار ہوتے اور ہر دو شنبہ اور پنج شنبہ کو سر من راتے میں دار الخلافہ کو جایا کرتے۔ چنانچہ جب آپ اپنے معینہ دن میں تشریف لے جاتے تو وہاں لوگوں کا عظیم اثر دام ہو جاتا۔ سارے راستے سواروں سے بھرے ہوتے ہر طرف خچر ہی خچر اور گدھے ہی گدھے نظر آتے۔ اتنی بھی جگہ نہ ہوتی کہ آدمی پرل ہی اس کے اندر سے گزر جائے۔ اس کا بیان ہے جب میرے آقا وہاں پہنچتے تو کیا آدمی اور کیا جانور سب خاموش ہو جاتے۔ نہ خچروں کی ہنہنا ہٹ ہوتی نہ گدھوں کی آواز۔ آپ کو دیکھ کر سارے جانور ادھر ادھر ہٹ جاتے، درمیان میں راستہ خالی ہو جاتا اور آپ بغیر کسی مزاحمت کے اندر داخل ہو جاتے اور اپنی مخصوص جگہ پر تشریف فرما ہو جاتے اور جب دربار سے برآمد ہوتے تو

ہے کہ ایک مرتبہ جب حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام دارالعامر سے اپنے گھر تشریف لے جانے لگے تو میں آپ کے ساتھ ہولیا اور آپ کو آپ کے گھر تک پہنچا کر واپس ہونے لگا، آپ نے فرمایا ذرا ٹھہرو۔ آپ اندر داخل ہوئے مجھے بھی گھر کے اندر بلا لیا اور دو سو دینار عطا کیے پھر فرمایا تمہاری کنیز تو مر گئی اب دوسری کنیز کے لیے قیمت لیتے جاؤ حالانکہ جب میں اپنے گھر سے چلا تھا تو وہ صحیح وسلامت تھی۔ غرض جب میں اپنے گھر پہنچا تو میرے غلام نے اطلاع دی کہ آپ کی کنیز ابھی ابھی مر گئی۔ میں نے پوچھا کیا بات ہوئی، کیسے مر گئی؟ اس نے کہا وہ پانی پینے لگی، پانی گلے میں اٹکا اور اس کا دم نکل گیا۔ (مناقب ج ۴ ص ۴۳۱) مختار الخراج ص ۲۱۳، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۳۰۴

## آپ کے سراقس کا نور

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کے غلام بذل کا بیان ہے کہ میں نے دیکھا کہ آپ سو رہے تھے اور آپ کے سرمبارک سے ایک نور ساطع تھا جو آسمان تک پہنچ رہا تھا۔ (مختار الخراج ص ۲۱۵، کشف الغمہ ج ۳ ص ۳۰۷، کتاب الدلائل میں بھی اسی کے مثل روایت ہے۔) (ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱۰ ص ۲۴۴)

## رعب امامت ایک ملازم کی زبانی

تلعکبری رحمۃ اللہ سے روایت ہے ان کا بیان ہے کہ میں ایک دن ابو علی محمد بن ہمام رحمۃ اللہ کی ڈیوڑھی میں چبوترے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ادھر سے ایک ضعیف شخص کا گزر ہوا جو اوئی کوٹ پہنے ہوئے تھا، اس نے ابو علی کو سلام کیا۔ انھوں نے جواب سلام دیا اور وہ شخص چلا گیا۔ ابو علی نے کہا تمہیں معلوم ہے یہ کون تھا



پاس آیا تاکہ اسے لے کر چلا جائے کہ اتنے میں وہ بیوپاری دوڑتا ہوا آیا اور بولا: میں یہ گھوڑا نہیں بیچنا چاہتا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا پھر یہ ان لوگوں کو واپس کر دو بیوپاری اسے لینے کے لیے آگے بڑھا تو گھوڑے نے اس کی طرف ایسا رخ کیا کہ وہ ڈر کے مارے بھاگا۔

ملازم کا بیان ہے کہ وہ گھوڑا ہم نے چھوڑا۔ آپ اپنے گھوڑے پر سوار ہوئے اور ہم وہاں سے چلے تو وہ بیوپاری پھر دوڑتا ہوا آیا اور بولا: اس گھوڑے کا مالک کہتا ہے کہ ڈر ہے کہیں آپ اسے خرید کر لے جائیں اور پھر اسے واپس نہ کر دیں اگر آپ کو علم ہے کہ یہ گھوڑا کس قدر بدسرشت و شریر ہے اور اس کے بعد بھی آپ اس کو خریدنا چاہتے ہیں تو خرید لیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے علم ہے بیوپاری نے کہا تو پھر میں نے فروخت کیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ گھوڑا لے لو۔ میں اسے لے کر اصطبل آیا نہ اس نے کوئی حرکت کی اور نہ مجھے ستایا۔ یہ سب میرے آقا کی برکت تھی۔

ابو علی بن ہمام کا بیان ہے کہ یہ گھوڑا لوگوں میں خوشخوار مشہور تھا وہ دو پاؤں پر کھڑا ہو جاتا، اپنے مالک کو لات مارتا اور پھینک دیتا تھا۔ اس ملازم کا بیان ہے کہ میرے آقا تمام علویین اور ہاشمیین میں سب سے زیادہ مرد صالح تھے۔ انھوں نے کبھی نبیذ کو منہ نہ لگایا۔ آپ محراب عبادت میں بیٹھتے، سجدے میں جاتے اور اسی کیفیت میں سو جاتے، پھر بیدار ہوتے پھر سو جاتے۔ غذا کم تناول فرماتے، آپ کے لیے انجیر اور انگور وغیرہ لاتے جاتے تو اس میں سے ایک یا دو دانے کھا لیتے اور فرماتے: اے محمد! اسے لے جاؤ اپنے بچوں کو دے دینا۔ میں پوچھتا کیا سب اٹھا لے جاؤں؟ آپ فرماتے ہاں سب لے جاؤ۔ المختصر میں نے ان سے بہتر کوئی آدمی نہیں پایا۔ (غیبتہ، ص ۱۳۰-۱۳۹، ترجمہ بھار الانوار ج ۱۰، ص ۲۴ تا ۲۵)

خلیفہ دربان کو حکم دیتا کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی سواری لاؤ۔ یہ آواز سن کر لوگوں کا شور و غل، گھوڑوں کی ہنہناہٹ وغیرہ سب ختم ہو جاتی، سارے سوار یوں کے جانور ادھر ادھر ہٹ جاتے یہاں تک کہ آپ انتہائی سکون و وقار کے ساتھ سوار ہو کر وہاں تشریف لے جاتے۔ اسی ملازم کا بیان ہے کہ ایک دن خلیفہ نے معینہ دنوں کے علاوہ آپ کو بلایا۔ یہ چیز آپ پر بہت شاق ہوتی، خوف تھا کہ علویوں اور ہاشمیوں میں سے جو لوگ آپ کے بٹے اور منزلت کو دیکھ کر آپ سے حسد کرتے تھے انھوں نے خلیفہ سے آپ کی چغلی کر دی ہوگی۔ آپ جب سوار ہو کر وہاں تشریف لے گئے اور دار الخلافہ پہنچے تو کہا گیا خلیفہ تو دربار سے اٹھ چکا ہے، اب آپ چاہیں تو یہاں تشریف رکھیں اور چاہیں تو تشریف لے جائیں۔ اس ملازم کا بیان ہے کہ آپ وہاں سے چلے اور جانوروں کے بازار میں آئے۔ وہاں بڑا شور و غل تھا، بڑی بھیڑ بھاڑ اور لوگوں کا اثر دہام تھا مگر جب آپ بازار میں پہنچے تو ہر طرف خاموشی چھا گئی۔ نہ کسی انسان کی آواز بلند ہوئی نہ جانوروں کی۔

الغرض آپ جا کر اس بیوپاری کے پاس بیٹھ گئے جو آپ کے لیے جانور وغیرہ خرید کر لاتا تھا۔ اس نے آپ کے سامنے ایک ایسا خطرناک و شریر گھوڑا پیش کیا جس کے پاس جانے کی کوئی ہمت نہ کرتا تھا۔ بیوپاریوں نے اسے آپ کے ہاتھ اصل قیمت سے بھی کم یعنی گھاٹے پر فروخت کر دیا۔ آپ نے مجھ سے فرمایا اے محمد! اٹھو اور اس پر زین کس دو۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ انھوں نے مجھے کبھی کوئی ایسا کام کرنے کا حکم نہیں دیا جو میرے لیے باعث اذیت ہوا ہو اس لیے میں نے آگے بڑھ کر اس کا تنگ کھولا اور اس کی پشت پر زین رکھ دی وہ بالکل چپ چاپ رہا۔ اس نے کوئی حرکت نہ کی۔ میں اسے لے کر آپ کے



## وفات امام اور عقیدہ خادم اور صیقل کنیز کا بیان اور موجودگی

صاحب کمال الدین فرماتے ہیں کہ میں نے محمد بن حسین بن عباد سے خود تو یہ روایت نہیں سنی مگر تاریخ کی بعض کتابوں میں دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات روز جمعہ نماز صبح کے وقت ہوئی۔ اس شب کو آپ نے اہل مدینہ کے نام بہت سے خطوط خود اپنے ہاتھ سے تحریر فرمائے یہ واقعہ ۸ ربیع الاول ۳۲۸ھ کا ہے۔ وقت وفات آپ کے پاس صیقل کنیز اور عقیدہ نامی خادم کے سوا اور کوئی نہ تھا اور اگر ان کے علاوہ کوئی دوسرا بھی رہا ہو تو اس کا علم اللہ کو ہے۔

عقیدہ خادم کا بیان ہے کہ آپ نے مصطلکی کے ساتھ ابلا ہوا پانی منگوایا، میں نے پانی حاضر کیا پھر فرمایا میں نماز پڑھوں گا۔ ہم لوگوں نے آپ کے حجرے میں ایک رومال بچھا دیا۔ آپ نے صیقل سے پانی لیا، چہرہ دھویا دونوں ہاتھ ایک ایک مرتبہ دھوئے سر کا مسح کیا دونوں پاؤں کا مسح کیا پھر اپنے بستر پر ہی نماز صبح ادا کی۔ اس کے بعد پینے کے لیے ایک پیالہ میں پانی لیا جوں ہی پیالہ منہ کو لگایا آپ کے دندان مبارک پیالے پر بجنے لگے، ہاتھ کا پینے لگا۔ صیقل نے فوراً آپ کے ہاتھ سے پیالہ لے لیا اور فوراً آپ کی روح مقدس پر واز کر گئی اور جوار رحمت الہی میں جا پہنچی۔ سرمن رائے میں آپ کے والد بزرگوار کے پہلو میں آپ کو دفن کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر کامل انتیس سال تھی۔

اسی روایت کے ضمن میں ابن عباد کا بیان ہے کہ حضرت ابو محمد امام حسن عسکری کی والدہ گرامی مدینہ سے سرمن رائے تشریف لائیں اور میراث کے متعلق آپ کے بھائی جعفر کے ساتھ ان کے بڑے قصبے رہے جس کا بیان باعث طوالت ہے۔

جعفر نے سلطان کے پاس جا کر چغلی کھائی اور وہ راز جسے اللہ نے چھپانے کا حکم دیا تھا اس کو افشاء کر دیا۔ (یعنی ولادت امام مہدی ہو چکی ہے)۔ مگر اس راز کو چھپانے کے لیے اس وقت صیقل کنیز نے دعویٰ کر دیا کہ میں حاملہ ہوں۔ لوگ اس کو پکڑ کر لے گئے اور معتمد کی عورتیں، اس کی خادما تیں، موفق کی عورتیں، اس کی خادما تیں، قاضی ابن ابی شوارب کی عورتیں ہمہ وقت اس کی نگرانی کرنے لگیں کہ اسی اثناء میں صفار نے عباسیوں کے خلاف خروج کر دیا اور پھر عبید اللہ بن یحییٰ بن خاقان یک بیک مرگیا۔ ادھر شاہ زیخ نے بصرہ پر حملہ کر دیا اور ان لوگوں کو سرمن رائے سے نکلنا پڑا اور صیقل کی طرف سے ان لوگوں کی توجہ ہٹ گئی۔ (کمال الدین ۲۶ ص ۱۵۰-۱۴۹، ترجمہ سجاد الانوار ج ۱۰ ص ۳۳۸-۳۳۷)

## امام حسن عسکری علیہ السلام کے غلام اور کنیزیں

امام علیہ السلام کے غلاموں اور کنیزوں کے صحیح نام اور حالات تو نہ مل سکے لیکن اوپر کی روایات جن میں آپ کے فضائل و مناقب آپ کے خادموں کے ذریعہ ہمیں دستیاب ہوئے ہیں، اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ آپ کے کتنے قریبی اور معتمد تھے وہ چند نام جن سے روایات ہیں وہ یہ ہیں:

- ۱۔ ابو حمزہ نصیر ۲۔ کا فور یہ امام علی نقی علیہ السلام کے بھی غلام تھے ۳۔ بذل
- ۴۔ عبد اللہ محمد۔ رجال طوسی میں محمد بن عبد الحمید العطار کوئی ایک نام ملا مگر انھوں نے ان کو بجلید کا غلام لکھا ہے۔ غیبت الشیخ میں ابو علی محمد بن ہمام سے جو روایت ہے اس میں عبد اللہ محمد نام ہے۔ ہو سکتا ہے یہ ایک ہی شخص ہوں جن کو کہیں عبد اللہ محمد اور کہیں محمد بن عبد الحمید لکھا گیا ہو۔ ۵۔ عقیدہ اور ایک کنیز صیقل جن کا ذکر امام علیہ السلام کی وفات کے وقت ہوا ہے۔



افسوس ان حضرات کے مفصل حالات زندگی نہ مل سکے مگر ان حضرات کے مراتب عالیہ اوپر کی روایات سے ظاہر ہیں۔

## حضرت امام محمد مہدیؑ اور غلامی

امام زمانہ حضرت امام مہدی علیہ السلام سلسلہ عصمت محمدیہ کی چودھویں اور سیکڑہ امامت علویہ کی بارھویں کڑی ہیں۔ آپ کے والد ماجد حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام اور والدہ ماجدہ جناب نرجس خاتون تھیں۔ آپ اپنے آباء و اجداد کی طرح امام منصوٰی معصوم، اعلم زمانہ اور افضل کائنات ہیں۔ آپ بچپن ہی میں علم و حکمت سے بھرپور تھے۔ آپ کو پانچ سال کی عمر میں ویسی ہی حکمت دے دی گئی تھی جیسی حضرت یحییٰ کو ملی تھی اور آپ بطن مادر میں اسی طرح امام قرار دیے گئے تھے جس طرح حضرت عیسیٰ بنی قرار پائے تھے۔ آپ انبیاء سے بہتر ہیں۔ آپ کے متعلق حضرت رسول خدا نے بے شمار پیشین گوئیاں فرمائی ہیں اور اس کی وضاحت کی ہے کہ آپ حضور کی عترت اور حضرت فاطمہ الزہراءؑ کی اولاد سے ہوں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام مہدیؑ کا ظہور آخری زمانے میں ہوگا اور حضرت عیسیٰ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ امام مہدیؑ میرے خلیفہ کی حیثیت سے ظہور کریں گے۔ جس طرح میرے ذریعہ سے دین اسلام کا آغاز ہوا اسی طرح ان کے ذریعہ سے مہر اختتام لگا دی جائے گی۔ آپ نے اس کی بھی وضاحت فرمائی ہے کہ امام مہدیؑ کا اصل نام میرے نام کی طرح محمد اور کنیت میری کنیت کی طرح ابوالقاسم ہوگی۔ وہ جب ظہور کریں گے تو ساری دنیا کو عدل و انصاف سے اسی طرح پُر کر دیں گے جس طرح وہ اس وقت ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ (چودہ ستارے)



حضرت امام منتظر کی امامت کا زمانہ دو غیبتوں پر تقسیم رہا ہے۔ ایک زمانہ ”غیبت صغریٰ“ اور ایک ”غیبت کبریٰ“ پہلی غیبت کا دور ۲۹۰ھ سے ۳۲۹ھ تک، انہتر سال قائم رہا۔ اس میں سفرائے خاص موجود تھے۔ یعنی ایسے افراد جن کو مخصوص طور پر نام کی تعیین کے ساتھ امام کی جانب سے نائب بنایا گیا تھا کہ شیعوں کے مسائل امام تک پہنچائیں اور ان کے جوابات حاصل کریں۔ اموال زکوٰۃ و خمس کو جمع کر کے انھیں مصارف خاصہ میں صرف کریں اور جو قابل اعتماد اشخاص ہوں ان تک خود امام کی تحریرات کو بھی پہنچادیں ورنہ خود حضرت دریافت کر کے ان کے مسائل کا جواب دے دیں۔ یہ حضرات علم و تقویٰ اور رازداری میں اپنے زمانے کے سب سے زیادہ ممتاز اشخاص تھے اس لیے ان کو امام کی جانب سے اس خدمت کا اہل سمجھا جاتا تھا۔ یہ حسب ذیل چار بزرگوار تھے۔ (۱) ابو عمر عثمان بن سعید عمر و عمری اسدی (۲) ان کے فرزند ابو جعفر محمد بن عثمان سعید عمری۔ (۳) ابو القاسم حسین بن روح نوبختی (۴) ابو الحسن علی بن محمد سمری یہ آخری نائب تھے۔ اب اس کے بعد کوئی نائب خاص باقی نہ رہا۔

۳۲۹ھ کے بعد سے جو زمانہ ہے اسے غیبت کبریٰ کہتے ہیں اس لیے کہ اب کوئی خاص نائب بھی باقی نہیں رہا ہے۔ اس دور کے لیے خود ”امام عصر“ نے یہ ہدایت فرمادی تھی کہ اس صورت میں دیکھنا جو لوگ ہمارے احادیث پر مطلع ہوں اور ہمارے حلال و حرام یعنی مسائل سے واقف ہوں ان کی طرف رجوع کرنا، یہ ہماری جانب سے تمھارے اوپر حجت ہیں۔ اس حدیث کی بنا پر علمائے شیعہ اور مجتہدین کو نائب امام کہا جاتا ہے مگر یہ نیابت باعتبار صفات عمومی حیثیت سے ہے خصوصی طور باعتبار نامزدگی نہیں ہے، یہی خاص فرق

مورخین کا اتفاق ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۵ شعبان ۲۵۵ھ یوم جمعہ بوقت طلوع فجر واقع ہوئی ہے۔ ۸ ربیع الاول ۲۹۰ھ کو امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات واقع ہوئی اور ۹ ربیع الاول سے حضرت حجت کی امامت کا آغاز ہوا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام کی شہادت کے بعد جب معتمد عباسی نے آپ کے قتل کرنے کے لیے آدمی بھیجے تو آپ حکم خدا سے سرداب میں غائب ہو گئے۔ (چودہ ستارے)

جس طرح فرعون کی تمام کوششوں کے باوجود موسیٰ پیدا ہوئے اسی طرح سلطنت عباسیہ کے تمام انتظامات کے باوجود امام منتظر کی ولادت ہوئی مگر یہ قدرت کی طرف کا انتظام تھا کہ آپ کی پیدائش کو صیغہ راز میں رکھا گیا اور جسے قدرت اپنا راز بنائے اسے کون افشا کر سکتا ہے؟ بے شک ذرا دیر کے لیے خود اس کی مصلحت اس کی متقاضی ہوئی کہ راز پر سے پردہ ہٹایا جائے۔ جب امام حسن عسکری کا جنازہ غسل و کفن کے بعد نماز جنازہ کے لیے رکھا ہوا تھا۔ شیعیان خاص کا مجمع تھا اور نماز کے لیے صفیں باندھ چکے تھے۔ امام حسن عسکری کے بھائی جعفر نماز جنازہ پڑھانے کے لیے آگے بڑھ چکے تھے اور تکبیر کہنا چاہتے تھے کہ ایک دفعہ حرم سرائے امامت سے ایک کسین بچہ برآمد ہوا اور بڑھتا ہوا صفوں کے آگے پہنچا اور جعفر کی عبا کو ہاتھ میں لے کر کہا ”چچا پیچھے ہٹئے، اپنے باپ کی نماز جنازہ پڑھانے کا حق مجھے زیادہ ہے“ جعفر بے ساختہ پیچھے ہٹے اور صاحبزادے نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ پھر صاحبزادہ حرم سرائے میں واپس گیا غیر ممکن تھا کہ یہ خبر خلیفہ وقت کو نہ پہنچتی۔ چنانچہ پہنچی اور اب زیادہ شدت اور قوت کے ساتھ تلاش شروع ہو گئی کہ ان صاحبزادے کو گرفتار کر کے قید کر دیا جائے یا ان کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے۔



حضرت امام مہدی کے عہد ظہور میں قیامت سے پہلے زندہ ہونے کو رجعت کہتے ہیں۔ یہ رجعت ضروریات مذہب امامیہ سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ظہور کے بعد بحکم خدا شدید ترین کافر اور منافق اور کامل ترین مومنین حضرت رسول کریمؐ، ائمہ طاہرینؑ، بعض انبیاء سلف برائے اظہار دولت حق محمدی دنیا میں پلٹ آئیں گے۔ اس میں ظالموں کو ظلم کا بدلہ اور مظلوموں کو انتقام کا موقع دیا جائے گا اور اسلام کو اتنا فروغ دے دیا جائے گا کہ لیظہرہ علی الدین کلہ دنیا میں صرف ایک اسلام رہ جائے گا۔ امام حسینؑ کا مکمل بدلہ لیا جائے گا اور دشمنان آل محمدؐ کو قیامت میں عذاب اکبر سے پہلے رجعت میں غدا ابصر کا مزہ چکھایا جائے گا۔ شیطان حضرت سرور کائنات کے ہاتھوں سے نہر فرات پر ایک جنگ عظیم کے بعد قتل ہوگا۔ ائمہ طاہرینؑ کے ہر عہد حکومت میں اچھے برے زندہ کیے جائیں گے اور حضرت امام مہدی علیہ السلام کے عہد میں جو لوگ زندہ ہوں گے ان کی تعداد چار ہزار ہوگی۔ شہداء کو بھی رجعت میں ظاہری زندگی دی جائے گی تاکہ اس کے بعد جو موت آئے اس سے آیت کے حکم کل نفس ذائقۃ الموت کی تکمیل ہو سکے اور انھیں موت کا مزہ نصیب ہو جائے اور زمین کا کوئی گوشہ ایسا نہ ہوگا جس پر آل محمدؐ کی حکومت نہ ہو۔

حضرت امام مہدی کی مدت حکومت کیا ہوگی؟ اس کے متعلق سخت اختلاف ہے۔ سات سال، نو سال، انیس سال اور بیس سال تک اقوال ہیں۔ اقوال علماء سے استنباط کر کے بیس سال کو ترجیح دی ہے۔ ہو سکتا ہے ایک سال دس سال کے برابر ہو۔ غرض کہ آپ کی وفات کے بعد امام حسینؑ آپ کو غسل و کفن دیں گے اور نماز پڑھ کر دفن فرمائیں گے۔ (چودہ ستارے)

جس طرح آپ پردہ غیب میں ہیں اسی طرح آپ کے حالات بھی ایک

ہے ان میں اور ان نائبین میں جو غیبت صغریٰ کے زمانہ میں اس منصب پر فائز تھے۔ اس زمانہ غیبت میں بھی یقیناً امام علیہ السلام ہدایت خلق اور حفاظت حق کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور ہماری کسی نہ کسی صورت سے رہنمائی فرماتے ہیں خواہ وہ ہمارے سامنے نہ ہوں اور ہمیں محسوس و معلوم نہ ہو۔ یہ پردہ اس وقت تک رہے گا جب تک مصلحت الہی متقاضی ہو اور ایک وقت ایسا جلد آئے گا (خواہ وہ جلد ہمیں کتنی ہی دور پر معلوم ہوتا ہو) کہ یہ پردہ ہٹے گا اور امام علیہ السلام ظاہر ہوں گے اور دنیا کو عدل و انصاف سے معمور فرمائیں گے اسی طرح جیسے وہ اس کے پہلے ظلم و جور سے مملو ہو چکی ہوگی۔ (اللہم عجل فرجنا و سہل مخرجہ) (رہنمایان اسلام)

## امام مہدی علیہ السلام کی مدت حکومت اور خاتمہ دنیا

حضرت امام مہدی علیہ السلام کا پایہ تخت شہر کوفہ ہوگا، مکہ میں آپ کے نائب کا تقرر ہوگا۔ آپ کے دیوان خانہ اور آپ کے حکم کی جگہ مسجد کوفہ ہوگی۔ بیت المال مسجد سہلہ قرار دی جائے گی اور خلوت کدہ نجف اشرف ہوگا۔ آپ کے عہد حکومت میں مکمل امن و سکون ہوگا۔ بھڑے، بکری، گائے، بھینس، شیر، انسان اور جانور سب ایک دوسرے سے بے خوف ہوں گے۔ جہل، جبن، بخل، کافور ہو جائیں گے۔ عاجزوں، ضعیفوں کی دادرسی ہوگی۔ ظلم دنیا سے مٹ جائے گا۔ اسلام کے قالب بے جان میں تازہ روح پیدا ہو جائے گی۔ دنیا کے تمام مذاہب ختم ہو جائیں گے۔ نہ عیسائی ہوں گے نہ یہودی نہ کوئی اور مسلک ہوگا صرف اسلام ہوگا اور اسی کا ڈنکا بجتا ہوگا۔ ساری کائنات مستور سے مملو ہوگی۔ غرض عدل و انصاف سے دنیا بھر جائے گی۔



تین دن تک موت سے امان کی علامت ہے۔ (اکمال الدین، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۵۴۱)

## حسن بن وجنا نصیبی کی روایت

طالقانی نے علی بن احمد کوفی سے انھوں نے سلیمان بن ابراہیم قمی سے انھوں نے حسن بن وجنا نصیبی سے روایت کی ہے ان کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حج کے موقع پر بعد عشاء تحت میز اب سجدے کے عالم میں تضرع کے ساتھ دعا میں مشغول تھا کہ کسی نے میرا شانہ ہلایا اور کہا اے حسن بن وجنا اٹھو! جب میں اٹھا تو دیکھا کہ ایک خیف البختہ کمزور گورے رنگ کی کنیز ہے جس کا سن چالیس سال یا کچھ زیادہ ہے۔ وہ مجھے لے کر چلی اور میں اس کے پیچھے چلنے لگا۔ میں نے اس سے کچھ نہ پوچھا کہ کہاں لے جا رہی ہے یہاں تک کہ وہ مجھے خانہ حضرت خدیجہ علیہا السلام پر لے آئی۔ اس میں ایک گھر تھا جس کا دروازہ احاطہ کے درمیان تھا وہیں سے اوپر جانے کے لیے ایک لکڑی کا زینہ تھا۔ وہ کنیز اوپر چلی گئی اور مجھے آواز آئی اے حسن! اوپر آ جاؤ۔ میں اوپر گیا تو وہاں صاحب الزمانؑ تھے۔ انھوں نے فرمایا اے حسن! کیا تمہارا خیال ہے کہ تم میری نگاہوں سے اوچھل تھے، خدا کی قسم میں حج میں ہر وقت تمہارے ساتھ ساتھ تھا۔ پھر آپ ہر ایک موقع حج کی نشاندہی فرمانے لگے۔ یہ سن کر مجھ پر غشی طاری ہو گئی اور میں وہیں گر پڑا اور یہ بھی محسوس کرتا رہا کہ آنجناب میرے جسم پر ہاتھ پھیر رہے ہیں۔ کچھ دیر بعد جب میں ہوش میں آیا تو آپ نے فرمایا اے حسن! تم مدینے میں حضرت جعفر بن محمد کے مکان میں رہا کرو، تمہیں کھانے پینے اور پہننے اور ڈھننے کی فکر کی ضرورت نہیں۔ پھر آپ نے مجھے ایک کتابچہ دیا جس میں دعائے فرج اور آپ پر صلوات کا طریقہ مرقوم تھا اور فرمایا تم اس طرح دعا کیا کرو اور

راز خدا ہیں اور جو ہمارا موضوع ہے اس پر زیادہ مواد نہیں مل سکا البتہ تین چار روایتیں ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔

## جعفر کے غلام نسیم کا بیان

رواۃ کی ایک جماعت نے جعفر بن محمد بن قولویہ وغیرہ سے انھوں نے محمد بن یعقوب کلینی سے انھوں نے علی بن قیس سے اور انھوں نے کسی شری (سپاہی) سے روایت کی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے مس من رائے میں نسیم کو ابھی ابھی دیکھا کہ اس نے امام حسن عسکری علیہ السلام کے گھر کا دروازہ توڑا تو وہ (امام زمانہ) اندر سے نکلے اور اس کے ہاتھ میں کلہاڑا دیکھ کر پوچھا تو میرے گھر میں یہ کیا کر رہا ہے؟ نسیم نے کہا جعفر کا خیال ہے کہ آپ کے والد کا انتقال ہو گیا اور انھوں نے کوئی اولاد نہیں چھوڑی۔ اگر یہ آپ کا گھر ہے تو لیجیے میں واپس جا رہا ہوں۔ (غیبۃ طوسی، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۵۲۱)

## نسیم خادمہ کی چھینک پر دعا

مظفر علوی نے ابن عیاشی سے انھوں نے اپنے والد سے انھوں نے آدم بن محمد بلخی سے انھوں نے علی بن حسن دقاق سے انھوں نے ابراہیم بن محمد علوی سے روایت کیا ہے۔ ابراہیم بن محمد کہتے ہیں کہ مجھ سے حضرت امام حسن عسکریؑ کی خادمہ نسیم نے بیان کیا کہ میں حضرت صاحب الامرؑ کی ولادت کے بعد ایک شب آنجناب کے پاس گئی تو مجھے آپ کے سامنے چھینک آگئی اس پر آپ نے کہا یَرْحَمُکَ اللّٰہُ اللّٰہُ تجھ پر رحم فرمائے۔ میں نے بہت خوش ہوئی تو آنجناب نے فرمایا میں تمہیں چھینک کے متعلق خوش خبری سناؤں؟ میں نے عرض کیا جی ہاں سنائیے۔ آپ نے فرمایا چھینک



جو اس رنگ کے کیسوں میں ہے۔ وکیلوں نے کہا بیشک وہ ہمارا امام ہے جو اس طرح ہم سے طلب کرے۔ پھر وہ سب اس خادم کو دے کر پیام عرض کیا۔ خادم نے سب کے جوابات اسی وقت بتلا دیے۔ وکلاء رخصت ہو کر چلے تھے کہ ملازمین معتمد نے حکم شاہی سنایا کہ خلیفہ تم کو طلب کرتا ہے۔ جب معتمد کے پاس پہنچے، اس نے کہا وہ خطوط اور مال جمع کر کیوں نہیں دیتے؟ وکیلوں نے کہا، ہم سب وکیل ہیں جو شرائط ہم کو صاحبان مال نے بتائے تھے وہ صفات ان میں نہیں ہیں، جن میں ہم نے وہ صفات پائے اس کو دے دیا۔ پھر خادم کا آنا اور مال کی تفصیل بیان کرنا نقل کر دیا۔ معتمد نے اپنے ملازمین کو بھیجا، حضرت کے دولت سرکاری تلاشی لی، وہاں کوئی نہ ملا۔ معتمد نے وکیلوں کی جامہ تلاشی لی، ان کے پاس بھی کچھ برآمد نہ ہوا۔ معتمد نے ان کو بھی چھوڑ دیا اور جعفر کو نکلوا دیا۔ (جواہر الیابان ص ۴۳۲-۴۳۱)

مولا! آنکھیں آپ کے دیدار کے لیے ترس رہی ہیں۔ دنیا میں طاقتوروں نے کمزوروں پر مظالم کے پہاڑ گرا دیے ہیں، سرمایہ داروں نے غریبوں کو اپنا غلام بنا رکھا ہے، جلد تشریف لائیے اور اس ظلم و جور سے معمور دنیا کو عدل و انصاف سے بھر دیجیے اور اے نجات دہندہ انسانیت! ان کمزور اور مجبور اللہ کے بندوں کو طاقتور و خوشخوار درندوں کے پنجہ ظلم و ستم سے نجات دلائیے۔ (مولف)

اسی طرح مجھ پر درود بھیجا کرو۔ یہ دعائے فرج اور صلوات ہمارے حقیقی دوستوں کے علاوہ کسی اور کو نہ تعلیم کرنا، اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی توفیق دی ہے۔ میں نے عرض کیا اے میرے مولا! کیا اس کے بعد مجھے آپ کی زیارت نصیب نہ ہوگی۔ آپ نے فرمایا اگر اللہ نے چاہا۔ راوی کا بیان ہے کہ پھر میں حج سے واپس ہوا اور مدینہ میں جعفر بن محمد کے مکان میں رہنے لگا۔

(اکمال الدین، ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۴۴۲-۴۴۳)

امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد آپ کے عہد امامت کا آپ کے ایک خادم کی زبانی ایک واقعہ

کچھ لوگ اہل قم سے وکیل ہو کر حضرت کے پاس خطوط اور مال خمس لائے تھے۔ حضرت کے دفن کے بعد وہ مستفسر ہوئے کہ امام کا قائم مقام کون ہے؟ جعفر نے کہا میں ان کا بھائی اور جانشین ہوں۔ وکیلوں نے کہا ہم خطوط اور کچھ مال اہل قم کی طرف سے لائے ہیں لیکن جس طرح امام پہلے فرما دیتے تھے کہ فلاں فلاں کا مال اس تعداد اور اس رنگ کے کیسے میں ہے اسی طرح آپ بھی ہم کو خبر دیجیے تو ہم آپ کے پاس حاضر کر دیں اور آپ کو جانشین امام تصور کریں۔ جعفر بگڑنے لگے اور کہا تم غلط کہتے ہو۔ امام عسکریؑ کو علم غیب نہیں تھا۔ سوائے خدا کے اس کا علم کسی کو نہیں ہو سکتا۔ وکلاء نے کہا ہم تو اسی شخص کو یہ مال دیں گے جو اسی دستور پر عامل ہوگا۔ غرض ناخوش ہو کر معتمد کے پاس شکایت لے کر گئے اور یہاں دولت سرا سے ایک خادم برآمد ہوا اور سب کا نام لے کر پکارا فلاں فلاں وکیل فلاں فلاں شخص کہاں ہیں؟ یہ لوگ دوڑے۔ اس خادم نے کہا تمہارے امام نے خطوط اور اس قدر فرستادہ مال طلب کیا ہے



نے عورت و مرد کو اس لیے پیدا کیا ہے کہ وہ انسانی مدارج عالیہ اور روحانی کمالات حاصل کریں برخلاف تخریف شدہ توریت و انجیل کے کیونکہ یہودی و عیسائی کہتے ہیں ہزار آدمیوں میں ایک آدمی خدا کا محبوب پیدا ہوتا ہے لیکن پوری دنیا میں کوئی عورت ایسی نہیں ہے جس پر لطف و کرم الہی کی بارش ہو سکے۔ (مذہب اسلام و عرب ص ۵۱۹ از کتاب مقدس) اور اسلام کھلے عام یہ اعلان کرتا ہے کہ مرد و عورت کو ایک دوسرے پر کسی قسم کا امتیاز نہیں ہے۔ فضیلت و امتیاز کا مدار سب کے لیے خواہ مرد ہو یا عورت، تقویٰ و پرہیزگاری اور حسن عمل ہے۔ قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کی جزا یا سزا پائے گا یعنی بخشش و جزا کا مزدہ دونوں کے لیے ہے۔

سورہ نمل آیت نمبر ۹۹ میں ارشاد ہوتا ہے ”ہر اچھا کام کرنے والا مومن خواہ مرد ہو یا عورت کو پسندیدہ زندگی ضرور دوں گا اور اچھے کاموں کی بہترین جزا دوں گا“ اسلام کی نظر میں عورت و مرد ایک دوسرے کو مکمل کرنے والے ہیں۔ سورہ آل عمران آیت ۱۹۴ میں ہے ”خدا نے ان کی دعا قبول کر لی اور کہا میں تم میں سے کسی کی خواہ مرد ہو یا عورت نیکی کو ضائع و برباد نہ کروں گا، تم لوگ ایک دوسرے سے ہو“ اسلام نے عورت کو معراج ترقی پر پہنچایا اور معاشرے میں اس کی حیثیت متعین کی اور اتنا بلند کیا کہ فرمایا ”جنت ماں کے پیر کے نیچے ہے“ اسلام کی یہی خوبیاں تھیں جن کی وجہ سے بہت سے شاہی خاندان کے افراد نے غلامی اور کنیزی کے مراحل کو دامن اہل بیت سے متمسک ہونے کا ذریعہ و وسیلہ بنایا اور خاندان اہل بیت کی ایک فرد بن کر زندگی گزار دی اور آخری دم تک اہل بیت طاہرین کی خدمت کو ہی سبب عزت و افتخار سمجھا اور ان میں بہت سی معرفت شناس خواتین نے خود سے شاہی ٹھاٹ باٹ کو چھوڑا۔ مسلمانوں کے لشکر کے ہاتھوں گرفتار ہوئیں یا کسی بردہ فروش کے ہاتھوں فروخت ہو کر خدمت محمد و آل محمد میں پہنچیں اور

## کنیزی کے بارے میں اسلام کا نظر

دنیا میں افراد انسانی نے امتیاز باہمی کے معیار قائم کر لیے تھے۔ مادہ پرست دنیا مال و دولت کو سبب افتخار سمجھتی تھی، سلطنت و حکومت کو سبب عزت سمجھتی تھی۔ بہت سے لوگ ایسے تھے جو کسی بڑے کی طرف انتساب کو سرمایہ افتخار سمجھتے تھے۔ گورے رنگ والے کالے رنگ والوں کو ذلت کی نظر سے دیکھتے تھے کسی خاص شخص کی اولاد میں ہونے والے دوسری نسل والوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ انھیں چیزوں نے کمالات انسانی کو خاک میں ملا دیا تھا، انفرادی ترقیوں کے راستوں کو بند کر دیا تھا لیکن اسلام نے یہ کہہ کر کہ لا فخر لعربی علی جمعی ولا لفرشی علی غیر فرشی کوئی فخر نہیں ہے عرب کو عجم پر نہ قرشی کو غیر قرشی پر۔ اسی طرح نسلی افتخار کو باطل کیا بعثت الی الاحمر والاسود میں سرخ و سیاہ سب کی طرف مبعوث ہوا ہوں، کسی کو کسی پر فخر نہیں ہے قرآن مجید نے نسلی امتیاز کو یہ کہہ کر باطل کیا اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ہم نے تم کو مختلف قبیلوں میں جو الگ الگ کیا ہے تو اس لیے کہ تم ایک دوسرے کو پہچان لو یعنی ناموں کے اشتراک کی وجہ سے شبہ نہ ہو اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰیہُمْ لیکن تم میں معزز سب سے زیادہ وہی ہے جو سب سے زیادہ فرض شناس ہو۔

اسلام بد اخلاقی، فساد، لالچ، پلٹ پلٹ کر روکتا ہے۔ اسلام کا نظریہ ہے کہ خدا



تھیں اور ان کے والد لالچ پیغمبر تھے مگر رسول نہ تھے۔ حضرت ابراہیم بچپن میں اسی فطرت پر تھے جس پر خدا نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے یہاں تک کہ خدا نے ان کو اپنے دین کی ہدایت فرمائی اور برگزیدہ کیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اپنی خالہ زاد بہن جناب سارہ جولالچ پیغمبر کی نواسی تھیں، سے شادی کی۔ حضرت سارہ صاحب مال و دولت خاتون تھیں۔ انھوں نے اپنا تمام مال، زمین اور گھر کو سفند جناب ابراہیمؑ کو دے دیا۔ حضرت ابراہیمؑ کی نگرانی میں ان کی اس جائداد اور مال و دولت میں اتنا اضافہ ہوا کہ ”کوئی ربی“ میں ابراہیمؑ سے بہتر کوئی نہیں تھا۔

جب حضرت ابراہیمؑ نے بتوں کو توڑ ڈالا تو غرود نے حکم دیا کہ ابراہیمؑ کو قید کر دیا جائے۔ آپ کے لیے ایک طویل و عریض گڑھا کھودا گیا، اس میں آگ روشن کی گئی اور آپ کے ہاتھوں کو باندھ کر اس گڑھ میں ڈال دیا گیا لیکن آگ بجھ گئی تھی اور ابراہیمؑ صحیح و سالم تھے۔ غرود نے آپ کا یہ معجزہ دیکھ کر حکم دیا کہ ان کو ملک بدر کر دیا جائے مگر ان کا مال و اسباب روک لیا جائے جتا ابراہیمؑ نے فرمایا کہ اگر میرا مال و دولت تمھیں چاہیے تو میں نے جتنی عمر تمھاری سر زمین میں مال و دولت حاصل کرنے میں صرف کی ہے اس قدر مجھے ساتھ لے جانے دو۔ قضیہ قاضی شہر کے پاس پہنچا۔ قاضی نے فیصلہ دیا کہ جناب ابراہیمؑ نے جس مال کے حاصل کرنے میں محنت کی ہے وہ ان کو دے دیا جائے۔ چنانچہ غرود کے حکم سے آپ کو آزاد کیا گیا اور مال و دولت ساتھ لے جانے کی اجازت دی گئی۔ غرود نے کہا کہ ان کو اپنی سر زمین سے باہر نکال دو اگر یہ تمھارے ملک میں رہیں گے تو تمھارے دین اور تمھارے خداؤں کو نقصان پہنچائیں گے۔ جناب ابراہیمؑ اپنے خالہ زاد بھائی جناب لوطؑ اور اپنی زوجہ جناب سارہ کے ساتھ جانب شام روانہ ہو گئے۔ اس موقع پر آپ نے

اہل بیت طاہرینؑ نے ان کے ساتھ وہی حسن سلوک کیا جو پیغمبر اسلامؐ کا حکم تھا آپ نے فرمایا کہ ”بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافرہ ہی کیوں نہ ہوں“ ہر قوم کے معزز لوگوں کا احترام کرنا چاہیے۔ آنحضرتؐ کے پاس جب کسی قوم کی شریف زادیاں حاضر کی جاتی تھیں جن کا کوئی ولی نہ ہوتا اور وہ کسی شخص سے منسوب کی جاتی تھیں تو آپؐ فرماتے کہ کیا تم برضا و رغبت شادی کے لیے راضی ہو؟ اگر وہ شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہتیں تو ان کی خاموشی کو ان کی اجازت سمجھ لیا جاتا تھا اور آنحضرتؐ ان کے احکام جاری فرما دیتے تھے بصورت دیگر جب وہ انکار کر دیتیں تو ایسی عورتوں کو شوہروں کے انتخاب کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔

قابل مبارکباد ہیں وہ با عظمت و احترام خواتین جنھوں نے اسلام و رہبر ان اسلام کی معرفت تائید ایزدی سے حاصل کی اور عصمت کہہ حاصل کرنے کے لیے قیدی ہونا اور فروخت ہونا گوارا کیا اور قربان ہوں جانیں ہماری ان معصوم ہستیوں پر جنھوں نے ان آنے والیوں کے عزت و وقار کو اپنی زوجیت میں لے کر نہ صرف باقی رکھا بلکہ ان کے بطن کو صدف نبوت و امامت قرار دیا۔ اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے جناب ہاجرہ مادر جناب اسماعیلؑ ذیج اللہ جد سرور کا تانا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختصر حالات ہدیہ ناظرین کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

## جناب ہاجرہ

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ثاربا (عراق) میں پیدا ہوئے۔ مادر ابراہیمؑ اور مادر لوطؑ یعنی سارہ و ورقہ دونوں یہیں



کی طرف نہ اٹھاؤں۔ جناب ابراہیمؑ نے دعا فرمائی، اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا لیکن اس نے پھر جناب سارہ کی طرف دست درازی کی۔ جناب ابراہیمؑ نے دوبارہ نفرین کی اور اس کا ہاتھ پھر خشک اور بے حرکت ہو گیا۔ اس نے پھر ابراہیمؑ سے درخواست کی اور کہا واقعاً تمہارا خدا غیور ہے اور تم مرد غیر تمند ہو، اپنے خدا سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ درست ہو جائے، اب میں یہ حرکت نہیں کروں گا۔ جناب ابراہیمؑ نے فرمایا کہ میں اپنے خدا سے اس شرط پر دعا کرتا ہوں کہ ہاتھ درست ہونے کے بعد اگر پھر تم نے اس حرام کام کا قصد کیا اور تمہارا ہاتھ خشک ہو گیا تو مجھ سے دعا کرنے کی درخواست نہ کرو گے۔ بادشاہ نے یہ شرط منظور کر لی۔ جناب ابراہیمؑ نے دعا فرمائی اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا تو بادشاہ پر اس معجزہ کا بہت اثر ہوا۔ جناب ابراہیمؑ کی ہیبت اس کے دل میں بیٹھ گئی، اس نے آپ سے کہا: آپ امان میں ہیں، آپ کا تمام مال و دولت اور آپ کی زوجہ آپ کی ہیں، آپ جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں۔ مگر میری آپ سے ایک حاجت ہے۔ جناب ابراہیمؑ نے فرمایا وہ کیا؟ اس نے کہا میرا دل چاہتا ہے کہ ایک خوبصورت کنیز آپ کی زوجہ کی خدمت کے لیے دوں؟ جب حضرت ابراہیمؑ نے اجازت دی تو (جناب ہاجرہ) جو جناب اسمعیلؑ کی ماں ہیں جناب سارہ کو بخش دیا اور جناب ابراہیمؑ جناب سارہ و ہاجرہ اور اپنے مال و اسباب کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوئے۔ بادشاہ نے آپ کو تعظیم و تکریم کے ساتھ رخصت کیا۔

حضرت ابراہیمؑ شام آئے اور شمالی شام میں سکونت اختیار کی اور جناب لوط جنوبی شام میں رہے۔ جب آپ نے دیکھا کہ جناب سارہ سے اولاد نہیں ہوتی تو آپ نے فرمایا کہ ہاجرہ کو میرے ہاتھ فروخت کر دو، ہو سکتا ہے خدا مجھے اس سے صاحب اولاد بنادے۔ بعض روایات میں یہ ہے کہ خود جناب سارہ

فرمایا اِنِّیْ ذَاہِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیِّدِیْنِ ”میں اپنے پروردگار (بیت المقدس) کی طرف جا رہا ہوں وہ میری رہبری فرمائے گا۔“ آپ نے جناب سارہ کو نا محرموں کی نظر سے بچانے کی غرض سے ایک صندوق میں مقفل کر دیا تھا۔ جب آپ عرارہ نامی بادشاہ (جوقبطی تھا) کی سرزمین میں داخل ہوئے تو شاہی ٹیکس وصول کرنے والوں نے روکا اور تمام مال و دولت کے بعد جب صندوق کی نوبت آئی تو جناب ابراہیمؑ نے اس تابوت کو کھولنے سے انکار کیا اور فرمایا کہ اس کے بدلے جتنا سونا چاندی لینا چاہو لے لو مگر اسے مت کھولو مگر وہ لوگ نہ مانے اور جناب ابراہیمؑ کو صندوق کھولنے پر مجبور کر دیا۔ جیسے ہی مامورین میں سے ایک کی نظر جناب سارہ پر پڑی اس نے جناب ابراہیمؑ سے پوچھا یہ عورت کون ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ یہ میری زوجہ اور میری خالہ زاد بہن ہے۔ اس نے سوال کیا تم نے صندوق میں کیوں چھپایا ہے؟ آپ نے جواب دیا چونکہ میری زوجہ ہے، مجھے یہ گوارا نہیں کہ اس پر کسی نا محرم کی نظر پڑے۔ اس شخص نے جناب ابراہیمؑ سے کہا میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑ سکتا جب تک بادشاہ کو اس کی خبر نہ کر دوں۔

چنانچہ بادشاہ سے واقعہ کسی نے جا کر بیان کیا، ابراہیمؑ کو مع صندوق کے بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ بادشاہ نے صندوق کو کھولا اور اپنا ہاتھ جناب سارہ کی طرف بڑھایا۔ جناب ابراہیمؑ نے اپنا سر آسمان کی طرف بلند کیا اور دعا فرمائی ”اے خدا اس کے ہاتھ کو سارہ کی طرف بڑھنے سے باز رکھ۔“ جناب ابراہیمؑ کی دعا مستجاب ہوئی، بادشاہ کا ہاتھ شل ہو گیا۔ بادشاہ نے جب یہ دیکھا تو اس نے پوچھا تیرے خدا نے میرے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا ہاں۔ میرا خدا غیور ہے، وہ حرام کام کو ناپسند کرتا ہے۔ بادشاہ نے کہا اپنے خدا سے دعا کرو کہ میرا ہاتھ اصل حالت پر آجائے تاکہ میں دوبارہ تمہارے حرم



واپس آگئے۔ خدا کو چونکہ اپنی قدرت کا کرشمہ دکھانا تھا لہذا ابراہیمؑ کو ٹوکا نہیں حضرت ابراہیمؑ کے جانے کے بعد جناب ہاجرہ نے دو درختوں کے درمیان چادر تانی اور اس کے سایہ میں اپنے بچے کو لے کر بیٹھ گئیں۔ کہاں ہیں دنیا میں ہاجرہ جیسی بی بیوں شوہر کی شکایت میں ایک حرف زبان پر نہ آیا جو حکم خدا تھا، اس پر راضی رہیں۔ کچھ سفر کی صعوبت، کچھ حجاز کی سخت گرمی سے سخت پریشان تھیں۔ وہاں نہ آدم نہ آدم زاد، کس سے معلوم کریں کہ یہاں پانی کہاں ہے۔ حضرت اسمعیلؑ پیاس سے تڑپ رہے تھے گھبرا کر کہہ صفا پرائیں کہ اگر پرندوں کو اڑتا دیکھیں تو پتہ لگائیں کہ یہاں پانی کا کوئی چشمہ ہے جب کچھ نظر نہ آیا تو وہاں سے مروہ پہاڑ پر چڑھیں، وہاں بھی کوئی نشان نہ پایا۔ اس طرح سات مرتبہ کہہ صفا مروہ پر چڑھیں مگر مقصد حاصل نہ ہوا۔ ان کے اسی عمل کی تاسی میں کہہ صفا سے مروہ تک ایام حج میں سات بار سعی کی جاتی ہے۔ بہر حال مایوس ہو کر پلٹیں تو دیکھا کہ بچہ کی ایڑیوں کے نیچے پانی زن زن کرتا ہوا ابل رہا ہے۔ خدا کا شکر بجالائیں، یہی چشمہ تھا جو آگے چل کر ایک کنواں بنا اور چاہ زمزم کہلایا۔ قبیلہ جرہم کا ادھر سے گزر ہوا تو پرندوں کو اڑتا دیکھا، سمجھ گئے کہ یہاں پانی کا کوئی چشمہ ہے۔

الغرض یہ قبیلہ وہاں آکر بس گیا اور جناب ہاجرہ کی تنہائی دور ہوئی، جو انہوں نے پر اسی قبیلہ میں حضرت اسمعیلؑ کی شادی ہوئی۔ رفتہ رفتہ آبادی بڑھتی گئی تو مکہ جیسا شہر بس گیا۔ ابراہیمؑ کی دعا میں اس کی طرف اشارہ تھا کہ میں نے غیر آباد مقام پر اپنی اہل و عیال کو بسایا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد جناب ہاجرہ کی خبر کو آتے رہتے تھے۔ جناب سارہ کے انتقال کے بعد مستقل سکونت یہیں اختیار کر لی۔ حضرت اسحاقؑ اور ان کی

نے جب جناب ابراہیمؑ کو دیکھا کہ انھیں اولاد کی تنہا ہے اور ان کی شادی کو دور دراز ہو گیا ہے اور ان کے بطن سے اولاد نہیں ہوتی ہے تو ہاجرہ کو اپنے شوہر ابراہیمؑ کو بخش دیا کہ آپ اس سے ہمبستر ہوں، شاید خداوند عالم آپ کی تنہائی کو دور فرمائے اور نعمت اولاد سے سرفراز فرمائے۔ چنانچہ جناب ہاجرہ کے بطن سے خداوند عالم نے آپ کو جناب اسمعیلؑ فرزند عطا کیا۔ (حیات القلوب جلد اول، تاریخ انبیاء مصنفہ ہاشم رسولی محلاتی)

جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا ہے سوتنوں میں ایسے موقعوں پر نہیں بنا کرتی حضرت سارہ حالانکہ خاندان نبوت سے تھیں لیکن جناب ہاجرہ سے جلتی تھیں۔ خداوند عالم نے جب جناب ہاجرہ کو اسمعیلؑ جیسا فرزند عطا فرمایا سارہ اس وقت تک بے اولاد تھیں، وہ جناب ہاجرہ کی صورت دیکھنے کی روادار نہ رہیں۔ حضرت ابراہیمؑ یہ سب کچھ دیکھتے تھے مگر اس خیال سے چپ رہتے تھے، اول تو سارہ قریبی رشتہ دار تھیں پھر خاندان نبوت سے تھیں، بار بار سمجھاتے رہتے تھے لیکن سارہ کے دل کو ان کی بات ہی نہ لگتی تھی۔ آخر ایک دن جناب ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہ کو کہیں اور لے جا کر رکھو، میں ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ حضرت ابراہیمؑ سخت مترودد تھے، وحی ہوئی اے ابراہیمؑ! عورت کی مثال ٹیڑھی پسلی کی ہے، اگر زیادہ دباؤ گے تو ٹوٹ جائے گی چھوڑے رہو گے تو کلیجہ میں گھسستی رہے گی۔

الغرض وحی الہی کے مطابق جناب ابراہیمؑ ہاجرہ کو وہاں سے منتقل کرنے پر تیار ہوئے۔ سارہ کی سخت دلی دیکھیے کہ شرط لگا دی کہ اونٹ سے اترنا نہیں، کسی جگہ اس کو بٹھا کر چلے آنا۔ ابراہیمؑ ارض حجاز پر آئے اور جہاں خانہ کعبہ ہے اس کے قریب ایک سنسان جگہ میں حضرت ہاجرہ کو بٹھا کر



میں دفن ہیں۔

قربان جاتیں جانیں ہماری اس بی بی پر جو کنیز بن کر خلیل اللہ کے گھر میں آئیں مگر قیامت تک کے لیے مسلمانوں کی گردنوں کو اپنی عظمتوں کے سامنے خم کر دیا۔ ان پاک بی بی پر ہم غلاموں کی جانب سے ہزاروں سلام۔

## ام امین

نام و نسب

آپ کا نام برکہ، ام الضیاء عرفیت اور ام امین کنیت تھی۔ والد کا نام ثعلبہ بن عمرو بن مالک بن سلمہ بن عمرو بن نعمان تھا جو حبش کے رہنے والے تھے۔ مکہ میں کب اور کیسے آئے اس سلسلہ میں تاریخ کچھ بتانے سے قاصر ہے۔ آپ کے نام پر آپ کی کنیت غالب آگئی اور آپ کی کنیت آپ کے بڑے بیٹے امین کے نام پر تھی۔ آپ جناب عبدالمطلب اور پھر جناب عبد اللہ کی کنیزی میں رہیں۔ جناب آمنہ والدہ ماجدہ رسول اکرم کی خدمت کرتی رہیں اور آخر میں وراثتاً جناب رسالتاً کے پاس آئیں تو آنحضرتؐ نے انھیں آزاد کر دیا۔ جب جناب آمنہ نے مکہ سے مدینہ سفر کیا تو آپ ان کے ساتھ تھیں، جب جناب آمنہ نے ایک ماہ مدینہ میں قیام کیا اور مدینہ سے واپس ہونے لگیں تو مقام ابواء میں جو مدینہ سے ۲۲ میل دور مکہ کی جانب واقع ہے انتقال فرما گئیں اور وہیں دفن ہوئیں۔ آپ کی خادمہ ام امین آنحضرتؐ کو لے کر مکہ آئیں۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال کی تھی۔

آزاد کرنے کے بعد ان کا پہلا عقد عبید بن زید حزامی سے ہوا۔ شوہر و زوجہ دونوں نے اسلام قبول کر لیا اور ان سے ایک صاحبزادے امین پیدا

اولاد مستقلاً وہیں شام میں رہی۔ (قصص القرآن مصنفہ مولانا سید ظفر حسن امر وہوی) جناب ہاجرہ نے خدا کے ہر حکم کے سامنے تسلیم خم کیا، سفر کی صعوبتیں اٹھائیں، اپنی سوتن کی اذیتوں کو برداشت کیا، بیابان جنگل میں آئیں، خدا نے ان کے صبر کا بدلہ یہ دیا کہ ان کے عمل کو قیامت تک کے مسلمانوں کے اوپر واجب قرار دیا، ان کے فرزند کو ذیح اللہ کا خطاب عطا فرمایا، ان کے فرزند نے خدا اور باپ کے حکم کے سامنے تسلیم خم کیا تو اسی دن سے اپنے دین کا نام اسلام رکھ دیا مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرَاهِيْمَ هُوَ سَمُكُمْ الْمُسْلِمِيْنَ یہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا دین ہے جنھوں نے تمہارا نام مسلم رکھا ہے۔

جناب ہاجرہ نے بھی اس موقع پر جب قدرت نے ان کا امتحان لیا تو باپ بیٹوں کی طرح صبر کا مظاہرہ اس وقت فرمایا کہ جب شیطان ابراہیمؑ کو اسمعیلؑ کو بہکانے میں ناکام ہو گیا تو ماں کے پاس آیاتو ماں نے جواب دیا کہ ابراہیمؑ خدا کے نبی ہیں، اگر وہ لے بھی جا رہے ہیں تو حکم خدا ہوگا اور میں حکم خدا کے سامنے سر بسجود اور اس کی مرضی پر راضی ہوں۔ تین جگہ حج کے موقع پر جو پتھر مارے جاتے ہیں۔ یہ وہی تین مقام ہیں جہاں شیطان نے بہکانے کی کوشش کی تھی۔ اللہ نے ابراہیمؑ کی قربانی قبول کی، جنت سے دنبہ آیا اور اس کی تاسی میں آج لاکھوں جانور قربان کیے جاتے ہیں۔ یہ امتحان میں کامیابی جہاں اسمعیلؑ و ابراہیمؑ کی ہے وہاں اس خلیل اللہ کی صابرہ زوجہ اور اسمعیلؑ کی ماں جس نے اپنے بچے کو حق پر قربان ہونے کی تربیت دی، کی بھی یقیناً عظیم کامیابی ہے۔ جناب ہاجرہ کے اس فرزند نے اپنے باپ ابراہیمؑ کے ساتھ مل کر خانہ کعبہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ اللہ نے ہمیشہ کے لیے اپنے اس گھر کا طواف حاجیوں پر واجب قرار دیا۔ جناب ہاجرہ خانہ کعبہ کے نزدیک حجر اسمعیلؑ میں



ہوئی اور انھوں نے اسامہ بن زید کو معزول کر کے خالد بن ولید کو ان کی جگہ پر منصوب کیا اور بجانب شام روانہ کیا۔ (مواقف المومنین ص ۳۵۴)  
(ان کے مفصل حالات گذشتہ صفحات پر بیان کیے جا چکے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔ مولف)

کفار کے شدائد جب حد سے زیادہ ہو گئے تو شہد بعثت میں گیارہ مردوں اور چار خواتین نے اور شہد بعثت میں ترائی مردوں اور اٹھارہ خواتین نے حبشہ کی جانب حکم نبی سے ہجرت کی انھیں میں جناب ام امین بھی تھیں۔ انھوں نے کئی سال تک حبش میں قیام کیا اور جب آنحضرتؐ کے مدینہ منورہ ہجرت کی خبر ملی تو وہ مدینہ واپس آئیں۔ ۳۳ھ میں جنگ احد میں انھوں نے اپنے کو ان خدمت گزاروں میں شامل کر لیا جو فوجیوں کی خدمت اور مریضوں کی تیمارداری کے لیے جنگ میں جاتی تھیں۔ جنگ خیبر میں بھی ان کا تذکرہ ملتا ہے اور جنگ حنین میں تو ماں اور بیٹے دونوں نے شرکت کی تھی۔ جناب امین اسی میں شہید ہوئے، ماں نے نہایت صبر و ضبط کا مظاہرہ کیا اور امین نے فرزند حجاج کی اس طرح تربیت کی کہ ان کا شمار فضلاء مدینہ میں ہونے لگا تھا۔ آپ کے شوہر جناب زید بن حارثہ جنگ موتہ میں اسلام کی جانب سے جہاد کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ جناب ام امین نے بیوگی کا زمانہ دیکھا لیکن باکمال فرزند اسامہ اور پیغمبر اسلامؐ نے انھیں تسکین دی اور پھر انھوں نے پوری زندگی خدمت رسولؐ و آل رسولؐ میں گزار دی۔

جناب آمنہ کی وفات کے بعد پیغمبر اسلامؐ کی پرورش جناب ام امین نے ہی کی تھی اور پیغمبر اسلامؐ بھی آپ سے بہت ہی محبت فرماتے تھے اور آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے۔ جب جناب عبدالمطلب کو واقعہ کی خبر ملی تو آپ

ہوئے جن کی وجہ سے ان کی کنیت ام امین قرار پائی۔ رسول اکرمؐ ان کی خدمات اور اخلاص کی وجہ سے ان سے بہت محبت کرتے تھے۔ ان کی بیوگی کا زمانہ آنحضرتؐ کے لیے بھی بہت تکلیف دہ تھا۔ چنانچہ ایک روز مجمع میں اعلان فرمایا جو شخص جنتی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ ام امین سے شادی کر لے۔ چنانچہ زید بن حارثہ نے عقد کیا۔ شہد بعثت میں آپ ہی کے بطن سے جناب اسامہ پیدا ہوئے جو سیاہ رنگ میں اپنی ماں سے مشابہ تھے۔ ان کے پیدا ہونے پر آپ ام اسامہ بن زید ہوئیں۔

جناب اسامہ رسولؐ کے عظیم صحابی تھے اور انھیں آخری وقت لشکر کی سرداری عطا فرمائی تھی اور بجز امیر المومنینؑ تمام صحابہ مع ابوبکر و عمر وغیرہ کے ان کا تابع بنایا تھا اور فرمایا تھا جو لشکر اسامہ سے روگردانی کرے اس پر خدا کی لعنت ہے۔ یہ لوگ پلٹ آئے اور خدا کی لعنت کو اپنے حق میں مضرب نہیں سمجھا۔ منقول ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ نے بکمال عتاب ان سے خطاب کیا کہ رسول خداؐ نے مجھ کو تم پر امیر قرار دیا تھا یہ آپ کو کس نے مجھ پر خلیفہ بنایا رسولؐ نے جس کو خلیفہ بنایا وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ آخر کار عمر و ابوبکر اسامہ کے پاس پہنچے اور خوشامد کر کے ان کو راضی کیا اور اپنی عمر بھر ان کو امیر کہا کرتے تھے۔ بعض تاریخوں میں ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اسامہ کو اسی لشکر کے ساتھ جو پیغمبرؐ نے ان کے لیے مقرر کیا تھا، شام کی طرف جانے کا حکم دیا۔ اسامہ نے کہا پیغمبر خداؐ نے جن جن لوگوں کو میرے لشکر میں شامل کیا تھا اور روگردانی کرنے پر لعنت کی تھی وہ سب کے سب میرے ساتھ چلیں تو البتہ میں جاؤں گا جن میں سے ایک آپ اور دوسرے عمر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں جو میرے یار و مددگار ہیں۔ ابوبکر کو اس سبب سے رنجش پیدا



میں صدمہ عیش میں مبتلا ہوں درآخالیکہ میں تیرے رسول کی لخت جگر فاطمہ زہرا کی خادمہ ہوں، کیا میں پیاسی مر جاؤں گی اور مجھے پانی نصیب نہ ہو سکے گا خدایا مجھے پلا دے۔ دعا ابھی ختم نہ ہوئی تھی کہ آسمان سے ایک ڈول (آبِ جنت) نازل ہوا جسے پینے کے بعد سات سال تک پانی اور کھانے کی احتیاج باقی نہ رہی۔

علامہ ابن بابویہ الصدوقؒ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ ایک دن ام امین کے ہمسایہ کے کچھ لوگ سرور کائنات کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا حضور! کل رات سے صبح تک ام امین برابر رو رہی ہیں اور کسی طرح ان کا رونا نہیں بھٹتا۔ آنحضرتؐ نے انھیں طلب کیا اور فرمایا اے ام امین! خدا تمھاری آنکھوں کو نہ رلائے، تمھارے ہمسایہ کے لوگ میرے پاس آئے تھے اور بیان کرتے تھے کہ تم رات سے صبح تک روتی رہیں آخر اس رونے کا سبب کیا ہے؟ مجھے بتاؤ۔ بلاشبہ آنحضرتؐ کو سب کچھ معلوم تھا مگر خود ام امین کی زبان سے سننا چاہتے تھے۔ جناب ام امین نے خواب کی تفصیل بیان کی یا رسول اللہ! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ آپ کے جسم کا ایک ٹکڑا کٹ کر میرے گھر میں آگیا ہے، یہ خواب دیکھ کر میں بہت پریشان ہو گئی ہوں۔ خواب سن کر آنحضرتؐ نے فرمایا ام امین! یہ خواب تو بہت ہی مبارک ہے، اس کی تعبیر یہ ہے کہ میری بیٹی فاطمہ زہرا کے یہاں ایک فرزند کی ولادت ہوگی جو تمھاری آغوش میں پرورش پائے گا۔ چنانچہ جب امام حسینؑ کی ولادت باسعادت ہوئی تو ساتویں روز ام امین بچہ کو چاؤ میں لپیٹ کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائیں۔ آپ بہت خوش ہوئے اور فرمانے لگے مرحبا بالماصل والمحول اس بچہ کو دینے والی اور خود بچہ

نے ام امین سے فرمایا کہ تم میرے فرزند کی پرورش کرنا اور پوری طرح اس کی حفاظت کا خیال رکھنا کیونکہ تمام اہل کتاب اس کے دشمن ہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہی اس امت کا نبی ہے۔ (تاریخ الانبیاء مولفہ حاج سید ہاشم یسوی محلاتی ص ۶۷)

جناب ام امین کو اس فضیلت و شرف کے ساتھ کہ آپ نے آنحضرتؐ کو پرورش کیا اور آنحضرتؐ آپ کو ماں کہہ کر پکارتے تھے، یہ شرف بھی حاصل ہے کہ آزاد ہونے کے باوجود ہمیشہ خود کو محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ عقد جناب معصومہ کے موقع پر ان کی گرامتہ خدمات قابل ذکر ہیں۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد انھوں نے در سیدہ سے وابستگی باقی رکھی۔ فدک کے مسئلہ میں امیر المومنینؑ کے ساتھ آپ ہی نے گواہی دی تھی کہ یہ فاطمہ زہرا کا مال ہے اور آنحضرتؐ نے اپنی حیات ہی میں اس پر انھیں قبضہ دے دیا تھا۔

آپ بڑی فضیلتوں کی حامل خاتون ہیں۔ شہزادی کونین جناب فاطمہ زہرا کو عورتوں میں سب سے زیادہ جناب ام امین پر اعتماد تھا۔ جب آپ کی وفات ہوئی تو ام امین نے عہد کیا تھا کہ وہ مدینہ میں نہیں رہیں گی۔ وہ کتنی تھیں کہ میں ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی جہاں بنت رسولؐ رہا کرتی تھیں اس لیے وہ آپ کی وفات کے بعد مکہ مکرمہ میں رہنے لگی تھیں۔ جب آپ مکہ کو جارہی تھیں تو راستہ میں ایک مقام پر آپ کو سخت پیاس کا غلبہ ہوا چاروں طرف پانی کی تلاش میں اتنا دوڑیں کہ پیروں میں چھالے پڑ گئے مگر پانی دور دور تک کہیں نظر نہیں آیا۔ انھوں نے اسی کرب و بے چینی کے عالم میں آسمان کی طرف ہاتھ بلند کیے اور بارگاہ خداوندی میں عرض کی، خدایا!



دونوں مبارک ہیں۔ اس کے بعد فرمایا اے ام ایمن ہذا تاویل رؤیاء یہ ہے تمہارے خواب کی تعبیر۔

ام ایمن کی یہ عجیب خصوصیت و فضیلت ہے کہ آپ نے خود آنحضرتؐ کی بھی تربیت کی اور آپ کے فواسخ کی بھی پرورش کی۔ اس طرح ایک ایسا عظیم شرف حاصل کیا جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

محمدؐ و آل محمدؐ کی خدمت میں رہ کر انھوں نے اپنے آپ کو علم و اخلاق سے ایسا مزین کیا تھا کہ بہت سی احادیث کو بھی آپ نے بیان فرمایا ہے بلکہ بعض روایتوں سے یہ بھی اندازہ ہوتا ہے کہ جس طرح جناب خدیجہ کافی اسرارِ اعلام کی حامل تھیں اسی طرح ام ایمن بھی اس علم سے باخبر تھیں۔ چنانچہ آپ کی ایک روایت کے بارے میں جناب امام زین العابدینؑ نے فرمایا ہے کہ یہ ہمارے علوم مخزونہ میں ہے۔ یہ روایت کچھ اس طرح ہے زینب کبریٰ نے کربلائے معلیٰ میں حضرت

سید الساجدینؑ سے اس وقت بیان کیا جب امام سید الشہداء کی شہادتِ غربت اور یکسی کو دیکھ کر بے چین ہوتے تھے اور قریب تھا کہ روحِ قفسِ عنصری سے پرواز کر جائے اس وقت جناب زینب نے حدیث کو بیان فرمایا جس میں پیشین گوئیاں ہیں اور ان میں کی بہت سی باتیں پوری بھی ہو چکی ہیں۔ اس میں بے مزار شہداء کے لیے قبہ جات کا بننا، شان و شوکت کے ساتھ ان کا آباد ہونا، زائرین کی کثرت، زیارت کا ثواب، مزاروں کی خدا کی جانب سے حفاظت اور قیامت تک ان کا مرجع الخلاق ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ آپ کی وفات ۲۲ھ میں ہوئی۔

## ماریہ قبطیہ رضی

### نام و نسب

آپ کا نام ماریہ اور کنیت ام ابراہیم تھی۔ آپ کے والد شمعون (استیعاب ج ۲ ص ۷۶) اور ماں رومیہ تھیں (اصابہ ج ۸ ص ۱۸۵) قبطی خاندان سے تھیں اس لیے آنحضرتؐ نے فرمایا استوصوا بالقبط خیر فان لہم ذمۃ ورحمۃ خاندان قبط کے بارے میں تم کو نیکی کی وصیت کرتا ہوں کیونکہ ان سے سلسلہ رحم و ذمہ ہے۔ یعنی والدہ ماجدہ حضرت ابراہیم (فرزند رسولؐ) اور والدہ ماجدہ حضرت اسمعیل ذیح الشہد دونوں اسی خاندان سے ہیں۔ (طبقات ج ۸ ص ۱۵۴)

### وطن

آپ مصر کے ایک ضلع انصایا انص کے ایک گاؤں جفن کی رہنے والی تھیں۔ (طبقات ج ۸ ص ۱۵۴)

## اسلام لانے سے قبل کا مذہب

آپ اور آپ کی بہن سیرین کے متعلق اگرچہ رجال و سیر کی عام کتابوں میں اس بات کی تصریح نہیں ملتی کہ وہ عیسائی تھیں لیکن بعض قرائن کی بنا پر انھیں اہل کتاب صحابیات کے زمرہ میں لے لیا گیا ہے۔ پہلا قرینہ یہ ہے کہ وہ قبطی تھیں اور معلوم ہے کہ مصر کے قبطی عموماً عیسائی تھے۔ چنانچہ زرقانی نے ماریہ کے خالا میں قبطی کے لفظ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نسبة الی القبط ای نصاریٰ



اس وقت تک جب کہ آپ خدمت نبوی میں حاضر ہوتی ہیں، باکرہ ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں ہدیہ یا تحفہ جو ایک طرح سے قریب قریب ہم معنی ہو جاتے ہیں، ہدیہ کئی طرح سے پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ بڑا چاہت کے ساتھ کسی چھوٹے کو ہدیہ بھیجتا ہے، اس کی سب سے اعلیٰ مثال اللہ کا اپنے رسول پر درود بھیجنا ہے ان اللہ وملتکته یصلون علی النبی الخ۔

۲۔ دو برابر کی شخصیتیں ایک دوسرے کو ہدیہ بھیجتی ہیں۔

۳۔ کوئی چھوٹا کسی بڑے کو ہدیہ کوئی چیز پیش کرتا ہے۔

۴۔ کوئی میزبان اپنے مہمان کو ہدیہ کوئی چیز دیتا ہے۔

ان چاروں قسموں کے لیے کچھ وجوہ بھی ہوتے ہیں۔

(الف) عزت افزائی کرنا (ب) کسی کو خوش کرنا (ج) کسی سے منفعت حاصل کرنے کے لیے وہ دینی ہو یا دنیوی (د) ازراہ تعلق و خوشامد۔

بہر حال شاہ مقوقس والی مصر و اسکندریہ نے جو ہدیہ جناب ماریہ قبطیہ کو سرور کائنات کے حضور میں بھیجا و جاول کے علاوہ چاروں وجوہ میں سے ایک وجہ قرار پاسکتی ہے۔ ہدیہ یا تحفہ عمدہ شے ہوتی ہے۔ کوئی بد شکل یا بد خلق یا غیر باکرہ کنیز تو ہدیہ آنحضرت کے حضور میں پیش کرنا سمجھ میں نہیں آتا اور تاریخ میں ہدیہ لکھا ہے۔ لغت عرب میں ہدیہ جو پائے قربانی کے جانور کو بھی لکھا ہے۔ وہ بھیڑ ہو یا بکرا، اونٹ ہو یا دنبہ سب کے لیے شرط یہ ہے کہ اس جو پائے میں کوئی نقص نہ ہو نا چاہیے اور یہاں آنحضرت کو ہدیہ میں ماریہ قبطیہ بھیجی جاتی ہیں، اگر کنواری نہ ہوں، خوبصورت نہ ہوں یا با خلقی نہ ہوں تو ہدیہ بھیجنے میں نقص ہی نقص رہ جائے گا۔ تاریخ میں مقوقس کا نام لٹا ہے اور

مصر قبطی مصر کے عیسائی تھے۔

## حالات

رسول خدا نے صلح حدیبیہ سے فارغ ہونے کے بعد صدائے ہلا کو دور دراز رہنے والے صاحبان عقل و شعور تک پہنچانے کے لیے مختلف علاقوں میں خطوط بھیجے۔ ہر دور میں خطوط پہنچانے کا ذریعہ قاصد ہوا کرتے تھے چنانچہ آپ نے خدیو اسکندریہ کو بھی خط کے ذریعہ دعوت اسلام دی اور اس خط کو لے کر حاطب بن ابی بلتعہ صحابی رسول آگئے۔ مقوقس نے خط پڑھا، حقانیت سے آگاہ ہوا لیکن حکومت کے جالوں نے حق کے سامنے سر تسلیم خم کرنے سے ظاہر بظاہر روک دیا۔ دل کسی نہ کسی حد تک مائل ہوا، قاصد رسول کی نہایت تعظیم و تکریم کی اور انھیں عزت و شان سے واپس کیا اور بطور تحفہ ماریہ کو دیگر تحائف کے ساتھ آنحضرت کی خدمت میں بھیج دیا۔ آپ کا ایک چچا زاد بھائی مابور اور ایک بہن سیرین بھی ہمراہ تھیں۔ آنحضرت نے سیرین کو حسان بن ثابت اپنے مداح شاعر کو بخش دیا تھا جس سے عبدالرحمن بن حسان پیدا ہوئے۔ (طبقات ج ۸ ص ۱۵۳) ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ جناب ماریہ اور ان کی بہن سیرین کو حاطب ہی نے مشرف بہ اسلام کیا اور مابور آنحضرت کی خدمت میں آکر اسلام لائے۔ یہ ہدایا شہ میں مدینہ منورہ پہنچے۔ آنحضرت نے پہلے ماریہ کو حانہ بن نعمان کے مکان میں جگہ دی پھر اس کو ٹھکانے پر جو مشربہ ام ابراہیم کے نام سے مشہور ہے حضرت ماریہ پر پردہ فرض کیا گیا تھا اور آپ کے بھائی مابور کے علاوہ کسی اور کو آنے کی اجازت نہیں تھی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۵۸)

نواب زادہ الحاج سید جعفر علی خاں اثر مرحوم رامپوری نے جناب ماریہ کو



جیسا مرتبہ عطا فرمایا۔ آنحضرت انھیں بے حد عزیز رکھتے تھے اور ان کے صفات و خصوصیات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ لیکن مقوقس نے جو لفظ ان کی نسبت لکھا ہے یعنی یہ کہ مصریوں میں ان کی بڑی عزت ہے، یہ لوٹڈیوں کی شان میں استعمال نہیں کیے جاسکتے (مگر قبلہ لوٹڈی نہ رہی ہوں) پیغمبر کے لیے بطور کنیز پیش کی گئی ہوں اور اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ یہ صاحب خلق عظیم کا کردار ہے کہ انھوں نے اس عزت کو ان کی باقی رکھا جو ان کے وطن میں تھی اور نکاح کے بعد اپنے حرم میں داخل کر لیا۔

بائیں ہمہ عزیز مصر ایمان نہیں لایا۔ دولڑکیاں جو بھیجی تھیں ان میں ایک ماریہ قبطیہ تھیں جو حرم رسولؐ میں داخل ہوئیں، دوسری سیریں تھیں جو حسان کے ملک میں آئیں۔ خچر کا نام دلدل تھا جنگ حنین میں آپ اسی پر سوار تھے۔ طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیریں حقیقی بہنیں تھیں اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ جن کو آنحضرتؐ نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، ان کی تعلیم سے دونوں بہنیں خدمت نبویؐ میں پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہیے کہ یہ دونوں خاتون لوٹڈیاں نہ تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں اس لیے آنحضرتؐ نے ماریہ قبطیہ سے نکاح کیا ہو گا نہ کہ لوٹڈی کی حیثیت سے وہ آپ کے حرم میں آئیں۔ (سیرۃ النبیؐ ج ۱ ص ۲۷۲)

مولوی شبلی کی اس عبارت سے دو باتوں کا انکشاف ہوا:

(۱) ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ شاہ مقوقس کی طرف سے بھیجا ہوا بہترین ہدیہ تھا اس میں کسی قسم کا کوئی عیب نہ تھا۔ مولوی شبلی کے مزاج و طبیعت نے ان کے لوٹڈی ہونے کو بھی قبول نہیں کیا ہے اس لیے کہ یہ بھی ان کے شرف میں ایک کمی کا سبب ہوتا ہے تو پھر وہ ان کے بیوہ ہونے کو کب قبول کر سکتے ہیں؟۔

یہ بھی ملتا ہے کہ یہی مقوقس سرکار کو ہدیے اور تحفے بھیجا کرتا تھا۔ تو جان لیجیے کہ یہ کام حضورؐ کو خوش کرنے کے لیے یا کسی منفعت حاصل کرنے کے لیے یا پھر ازراہ تعلق مگر زیادہ تر یہ کہ ازراہ عقیدت کیا کرتا تھا۔ (ہفت روزہ سرفراز لکھنؤ جلد ۵۱، ۲۵ فروری ۱۹۷۷ء نمبر ۲)

اور مولوی شبلی نے جناب ماریہ کا آنحضرتؐ کی نکاحی ازواج میں ہونے پر استدلال کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عزیز مقوقس کو حضرت رسولؐ خدا نے ایک خط لکھا تھا اس کے جواب میں اس نے عربی زبان میں یہ خط لکھا محمد بن عبد اللہ من مقوقس عظیم القبط سلام علیک اما بعد فقد قرأت کتابک وفہمت ما ذکر ت فیہ وما تدعوا الیہ وقد علمت ان نبیا سیاقی وکنت اظن ان یخرج من الشام وقد اکرمت رسولک وبعثت الیک جاریتین لهما مکان من القبط عظیم وکسوة واهدیث الیک والسلام علیک ترجمہ: محمد بن عبد اللہ کے نام رئیس قبط کی طرف سے سلام کے بعد! میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس کا مضمون و مطلب سمجھا۔ مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام میں ظہور فرمائے گا۔ میں نے آپ کے قاصد کی عزت کی اور دولڑکیاں بھیجتا ہوں جن کی قبطیوں میں (مصر کی قوم) بہت عزت ہے۔

جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہیں اور لوٹڈی کو بھی۔ ارباب سیر نے ماریہ قبطیہ کو کنیز ہی کہا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ابتدا میں آپ کنیز رسولؐ تھیں لیکن جناب اخلاق رسولؐ نے انھیں آزاد کیا اور ان سے عقد کر کے دوسری تمام ازواج

لہ بغلة لتركها



یہاں ایک بچہ پیدا ہوا ہے، اس کا نام میں نے اپنے جد ابراہیمؑ کے نام پر رکھا ہے پھر آپ نے ابراہیمؑ کو ام سیف کے حوالہ کر دیا اور وہ مدینہ کے ایک لوہار کی بیوی تھیں۔ حضرت ابراہیمؑ کا عقیدہ آپ نے ان کی پیدائش کے ساتویں دن کیا تھا اور ان کا نام بھی ساتویں دن رکھا تھا۔ ان کے بالوں کے ہوزن چاندی آپ نے خیرت کی تھی اور لوگوں نے ان کے بال دفن کر دیے تھے۔ پھر ابراہیمؑ کو دودھ پلانے کے لیے ام سیف کے حوالہ کر دیا تھا جو مدینہ کے ایک لوہار کی بیوی تھیں جس کا نام ابو سیف۔ اور زبیر نے کہا ہے کہ انصار میں باہم یہ جھگڑا ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ کو دودھ کون پلاتے؟ وہ چاہتے تھے کہ جناب ماریہ کو رسولؐ کی خدمت کے لیے رہنے دیں، ان سے دودھ پلانے کی خدمت نہ لیں اس لیے کہ حضرت کو ان سے محبت تھی۔ پھر ام بردہ آئیں جن کا نام خولہ بنت منذر تھا جو برابر بن اویس کی زوجہ تھیں، انھوں نے رسولؐ سے ان کے دودھ پلانے کے لیے کہا چنانچہ وہ ابراہیمؑ کو دودھ پلایا کیں۔ رسولؐ نے ام بردہ کو کچھ درخت چھوارے کے دیے تھے۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۵۰)

آنحضرتؐ جناب ابراہیمؑ سے بہت محبت فرماتے تھے۔ ایک روز ابراہیمؑ اور امام حسینؑ دونوں حضرتؐ کے زانوے مبارک پر تشریف فرما تھے کہ جبریلؑ امین آئے اور عرض کی کہ مصلحت الہی یہی ہے کہ ان دونوں میں سے کسی ایک کو دوسرے پر تصدق فرمادیجیے۔ آنحضرتؐ نے کہا کہ اگر حسینؑ کو ابراہیمؑ پر فدیہ کروں تو علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور خود مجھے غم ہوگا اور اگر ابراہیمؑ کو حسینؑ پر فدیہ کروں تو صرف مجھے غم ہوگا۔ چنانچہ آپ نے ابراہیمؑ کو حسینؑ پر فدیہ کرنے کا ارادہ ظاہر فرمادیا۔ چند ہی روز میں حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت فضل بن عباس نے غسل دیا اور قبر میں اتارا۔

ظاہر ہے مولوی شبلی ماریہ قبیطیہ کو باکرہ بھی تسلیم کرتے ہیں۔

(۲۱) جناب ماریہ قبیطیہ آنحضرتؐ کے حرم میں نکاح کے بعد داخل ہوئیں۔ حکیم سردار محمد خاں نشاط نے بھی جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے اور لکھا ہے کہ خیال کیا جاتا ہے کہ حضورؐ نے ماریہ قبیطیہ سے نکاح کیا ہوگا کیونکہ عادت شریفہ تھی کہ جب کوئی غلام یا لونڈی حضورؐ کے قبضہ میں آتا تو آپ اسے آزاد فرما دیتے نیز شاہ مصر کے خط سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں ماریہ قبیطیہ اور سیریں لونڈیاں نہ تھیں بلکہ ان کی قبیطیوں میں خاص عزت تھی۔ (ازواج النبی مولفہ محمد سردار خاں نشاط ص ۱۱۵)

اب اس تحقیق کے بعد حضرت عائشہؓ کو کیا حق رہ جاتا ہے کہ وہ یہ فرمائیں کہ ”کسی باکرہ لڑکی کو زوجیت آنحضرتؐ کا شرف سوائے میرے حاصل نہ ہوا۔ حبیب السیر ج ۱ ص ۲۴۲، عائشہؓ ترجمہ محمد احمد پانی پتی ص ۲۹) ابن سعد نے لکھا ہے کہ جناب ماریہ نہایت حسین و جمیل تھیں۔ آنحضرتؐ آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے ازواج نبیؐ میں جس قدر رشک و حسد ماریہ قبیطیہ سے تھا اتنا کسی سے نہ تھا۔ اس لیے کہ وہ نہایت حسین و جمیل تھیں اور آنحضرتؐ ان کو چاہتے تھے۔ (طبقات ج ۸ ص ۱۵۳ و اصابع ج ۸ ص ۱۸۵)

آپ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ ذی الحجہ ۸ھ کو پیدا ہوئے۔ سلمیٰ خادمہ نبیؐ نے قابله کے فرائض انجام دیے اور ابورافع شوہر سلمیٰ نے مزدہ ولادت دیا حضرت جبریلؑ نازل ہوئے اور یا ابراہیمؑ کہہ کر سلام کیا۔ (طبقات ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۵)

انس سے روایت ہے کہ صبح کو اپنے اصحاب سے فرمایا کہ آج شام کو میرے



جناب ماریہ قبطیہ نے بہت جلد حضور کے قلب مبارک میں حسن خدمت کے ذریعہ جگہ پیدا کر لی تھی۔ مشربہ ابراہیم آپ ہی کے گھر کا نام ہے۔ اس کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ حضور کے پینے کا پانی ماریہ قبطیہ ہی کے یہاں رکھا کرتا تھا۔ پانی پلانے کی خدمت ہر ایک کے سپرد نہیں کی جاتی، یہاں زندگی و موت کا سوال ہوتا ہے، اس خدمت کے لیے ایسی ہی ذات کا انتخاب کیا جاتا ہے جس پر کامل اعتقاد و یقین ہو۔ معلوم ہوا کہ جناب ماریہ پر دیگر بعض ازواج کے مقابلہ میں حضور کو اتنا بھروسہ تھا کہ یہ خدمت آپ کے سپرد فرمائی تھی۔ اب تک جو حالات ناظرین نے ملاحظہ فرمائے ان سے جناب ماریہ قبطیہ کے بارے میں چھ اہم باتوں کا علم ہوا۔

(۱) باکرہ تھیں (۲) نہایت حسین و جمیل تھیں (۳) ان سے اولاد پیدا ہوئی (۴) رسول کو ان پر اعتماد و بھروسہ تھا (۵) ان کا فرزند فدۃ امام حسین ہوا (۶) وہ رسول سے بہت محبت فرماتی تھیں اور آنحضرت کی خدمت کو اپنے حق میں بڑی سے بڑی نیکی سمجھتی تھیں۔

اتنے فضائل کے مجتمع ہونے کے باوجود حضرت عائشہ کا یہ فرمانا کہ رسول کو ان سے صرف ان کے حسن و جمال کی وجہ سے محبت تھی درست نہیں، یہ خلاف شان نبوت ہے اور رسول نے خود ان کو اس بات کی طرف متوجہ بھی کر دیا ہے کہ میں صرف حسن و جمال ظاہری کی بنا پر کسی سے محبت نہیں کرتا جب کہ انھوں نے جناب خدیجہ کے بارے میں آنحضرت سے یہ کہا تھا کہ کیا آپ اس بوڑھی عورت کو یاد کیے جاتے ہیں جب کہ خدا نے آپ کو اس سے بہتر دے دی ہے رسول نے فرمایا کہ ہرگز خدیجہ سے تم بہتر نہیں ہو پھر آنحضرت نے وجہ الفت و محبت کو بیان فرمایا کہ ایسا نہیں ہے کہ میں ان سے ان کے حسن و جمال کی وجہ

واقعی کا کہنا ہے کہ وفات کے وقت ابراہیم اٹھارہ مہینے کے تھے ابراہیم کی موت پر آپ فرماتے تھے اے ابراہیم! ہم تمھاری جدائی پر بہت رنجیدہ ہیں آنکھ رو رہی ہے اور دل غمگین ہے۔

رسول نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ ہم ان کو عثمان بن مظعون کے پاس دفن کریں گے۔ یہ کہہ کر آپ نے یقیح میں دفن کر دیا اور اسامہ بن زید قبر میں اترے اور رسول قبر کے کنارے بیٹھے رہے۔ حضرت ابراہیم کی قبر پر پانی چھڑکا گیا۔ جب جناب ابراہیم کا انتقال ہوا تو جناب ماریہ بخت جگہ کی جدائی سے بے قابو ہو کر رونے لگیں۔ آپ کی بہن سیریں کو اگرچہ اپنی محبوب بہن کے بچے کے مرنے کا غم کم نہ تھا لیکن انھوں نے اپنے جذبات پر قابو رکھا اور جناب ماریہ کو سمجھاتی رہیں۔ جناب رسالت ابراہیم کی وفات پر فرما رہے تھے اے ابراہیم تمھاری جدائی سے ہم بہت رنجیدہ ہیں، آنکھ رو رہی ہے، دل غمگین ہے مگر ہم زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے پروردگار ناراض ہو۔ (ترجمہ اسد الغابہ ج ۱ ص ۵۶)

معلوم ہوا کہ کسی مرنے والے کے غم میں رونا اور رنجیدہ ہونا بدعت حرام اور خلاف سنت رسول نہیں ہے بلکہ عین اتباع رسول ہے۔ بزم ازواج میں جناب خدیجہ کے بعد یہ شرف ام المومنین جناب ماریہ قبطیہ کو حاصل ہوا کہ رسول کو ان سے اولاد ملی۔ یہ بات دوسری ہے کہ خود قدرت ہی کو یہ منظور تھا کہ اس کے حبیب کی اولاد صرف ایک ہی رہے اور وہ بیٹی ہو۔ پھر یہ کہ سیدہ نساء العالمین جگہ گوشتہ رسول فاطمہ زہرا صلوٰۃ اللہ علیہا کی اولاد سے ہی سرور کائنات کی نسل چلے۔ سبط اکبر اور سبط اصغر ابن رسول کہلاتیں۔



آنحضرتؐ نے رفع شر کے لیے ایسا کہہ دیا تھا کہ میں ماریہ کو مس نہیں کروں گا اور حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ ہی نے جناب ماریہ کو بدنام کرنے کی بھی کوشش کی۔ کسی شخص کے ذریعہ معاذ اللہ آپ کو مایور کے ساتھ ناجائز تعلق رکھنے کی تہمت لگا دی۔ آنحضرتؐ نے امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب کو حکم دیا کہ مایور کو قتل کریں۔ اس وقت مایور ایک چادر سر سے پاؤں تک اوڑھ ہوئے تھا۔ امیر المومنینؑ جو روانہ ہوئے تو ایک نخلستان میں ملاقات ہوئی۔ وہ امیر المومنینؑ کو شمشیر کشیدہ دیکھ کر لرز گیا۔ وہ چادر گر گئی اور آپ نے معلوم کیا کہ وہ شخص خواجہ سرا ہے۔ اس طرح اس تہمت سے جناب ماریہ کو نجات ملی۔ (ابن سعد ج ۸ ص ۱۵۴)

ام المومنین جناب ماریہ کی شان بہت بلند ہے۔ اس کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ اس تحقیق اور ثبوت کے باوجود قرآن نے بھی جناب ماریہ قبطیہ کی عصمت پر گواہی پیش کی اِنَّ الَّذِیْنَ جَاؤْا بِالْاِثْمِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ لَا تَحْسَبُوْا شَرَّ اَلْکُمْۤ اَبَلُ هُوَ خَبِرَ لَّکُمْۤ لِكُلِّ اَمْرِیْ مِّنْهُمْۤ مَا اَکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ... (پ ۱۸ نور)، بے شک جن لوگوں نے جھوٹی تہمت لگائی وہ تمہیں میں سے ایک گروہ ہے، تم اپنے حق میں اس تہمت کو بُرا نہ سمجھو بلکہ یہ تمہارے حق میں بہتر ہے، ان میں سے جس شخص نے جتنا گناہ سمیٹا وہ اس کی سزا خود بھگتے گا۔

جناب ماریہ کے بارے میں طبقات ابن سعد میں جو واقعہ نقل کیا گیا ہے اس کو آیت افک کے ذیل میں لائیے تو آیت کا صحیح مصداق جناب ماریہ قبطیہ ہی قرار پاتی ہیں لیکن حکومت و سیاست کے زور پر جناب ماریہ قبطیہ کا نام بھی اس آیت کے ساتھ نہیں لیا جاتا صرف اس بنا پر کہ اس سے دیگر

سے محبت کرتا ہوں بلکہ ان کا کردار مجبور کرتا ہے کہ انھیں یاد کروں یہاں ام المومنین کے حسن و جمال کا ثبوت بھی فراہم ہو گیا۔

جناب عائشہ سے مروی جتنی روایات ہیں جن میں انھوں نے بیان کیا ہے کہ تمام ازواج نبیؐ میں آنحضرتؐ مجھ سے محبت فرماتے تھے ان میں اس محبت کے دو ہی اسباب بیان فرمائے ہیں: (۱) میرے علاوہ کوئی باکرہ نہ تھی۔ (۲) میں خوبصورت تھی۔ عقل کبھی اس بات کو باور نہیں کرتی کہ آنحضرتؐ اس عورت کے مقابلہ میں جس میں یہ دونوں صفات بھی ہوں اور ان کے علاوہ اس کی حسن خدمت، عقیدت اور اولاد بھی ہو، حضرت عائشہ کو اس پر ترجیح دیں گے۔ معلوم ہوا کہ آنحضرتؐ ماریہ قبطیہ کو جناب عائشہ اور حفصہ سے زیادہ چاہتے تھے اور ان سے محبت فرماتے تھے اور اس محبت رسولؐ کی بنا پر ہی یہ دونوں جناب ماریہ قبطیہ کی طرف سے آنحضرتؐ کو بددل کرنے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں تاریخ کا یہ واقعہ کافی ہے کہ جناب حفصہ نے اپنی باری کے دن جب کہ وہ اپنے میکے گئی ہوئی تھیں اپنے مکان میں واپسی پر آنحضرتؐ کے ساتھ جناب ماریہ کو دیکھا تو بہت ناراض ہوئیں۔ حضرتؐ نے فرمایا اچھا میں نے ماریہ کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ حضرت حفصہ نے خوش اعتقادی سے حضرت کے اس قول پر اعتماد نہ کیا اور فرمایا لا اقبل دون ان تحلف لی فقال واللہ لا امسها ابدا۔ جب تک آپ قسم نہ کھائیں میں قبول نہیں کرتی آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں ماریہ کو اب مس نہ کروں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی یَا اَيُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تَحْرِیْمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَکَ... اے رسولؐ! جو چیز خدا نے تمہارے لیے حلال کی ہے تم اپنی بیبیوں کی خوشنودی کے لیے کیوں حرام کرتے ہو۔ (سورہ تحریم، طبقات ج ۸ ص ۱۵۴)



اور جب مصلحت خداوندی نے "اے بسا آرزو کہ خاک شدہ" کا مژدہ سنا دیا تو حسد کی آگ میں جلنا یقینی تھا اور یہی دنیا و آخرت میں ان کا مقدر بن گیا۔ جناب ماریہ قبطیہ نے حضورؐ کے وصال کے بعد محرم ۱۱ھ میں وفات پائی۔ تمام اہل مدینہ نے جنازہ میں شرکت کی اور جنت البقیع میں انھیں دفن کیا گیا۔

## سُمیہ بنت خباب (اسلام کی پہلی شہیدہ خاتون)

جناب سُمیہ کے ابتدائی حالات کیا تھے، ان کا تعلق کس خاندان سے تھا، ان کا وطن کہاں تھا اور وہ کس طرح مکہ تشریف لائیں اس کی تفصیلات تاریخ میں نہیں ملتی البتہ اتنا ضرور ملتا ہے کہ وہ دور جاہلیت میں ابو حذیفہ مغیرہ مخزومی کی کنیز تھیں۔ اسی زمانے میں یمن سے قحطانی قبیلہ کا ایک شخص یاسر بن عامر اپنے اس بھائی کی تلاش میں مکہ آیا تھا جو غائب ہو چکا تھا اور مکہ کے حالات کو دیکھتے ہوئے قیام کر لیا۔ وہ ابو حذیفہ بن مغیرہ کا حلیف ہو گیا۔ کچھ عرصہ بعد ابو حذیفہ نے سُمیہ کی شادی یاسر سے کر دی۔ قدرت نے انھیں دو بیٹوں سے نوازا جن کے نام عبداللہ و عمار تھے۔ پیغمبر اسلامؐ نے جب اعلان رسالت فرمایا تو سُمیہ یاسر نے آنحضرتؐ کی بلند سیرت اور اعلیٰ کردار اور پیغام حقانیت کو دیکھتے ہوئے اپنے بچوں سمیت دعوت نبویؐ پر لبیک کہی۔

ابو حذیفہ کا انتقال ہو چکا تھا لیکن عرب کے دستور کے اعتبار سے سُمیہ ابو حذیفہ کے وارثوں کی کنیزی میں تھیں اور عربوں میں غلاموں اور کنیزوں کی حیثیت

چند ازواج پر آپؐ کی فضیلت کا اظہار ہوتا ہے۔

بہر حال آپؐ بڑی کامل الایمان اور مقرب بارگاہ نبویؐ خاتون ہیں۔ حرم آنحضرتؐ میں دو ہی وہ خوش نصیب بیبیاں ہیں جن کو مالک کائنات نے واقعی ماں بننے کا شرف عطا فرمایا۔ یوں تو ام المومنین تمام ازواج پیغمبر اسلامؐ ہیں لیکن خداوند عالم نے جن کی گود میں آنحضرتؐ کے صلب سے اولاد کی نعمت کو عطا کیا وہ جناب خدیجہ اور ماریہ قبطیہ ہیں۔ خلوص، پاکیزگی عمل اور جذبہ نصرت حق کی جزا خداوند کریم ضرور دیتا ہے۔ چنانچہ جناب خدیجہ کے خدمات دینی اور نصرت پیغمبر اسلامؐ کا ذکر قرآن مجید نے وَجَدَ لَكَ عَائِلًا فَاَعْنِي کے ذریعہ کر کے ہمیشہ کے لیے انھیں حیات دی اور جناب ماریہ قبطیہ کا تذکرہ بھی قرآن کی آیت میں اشارہ و کنایہ میں کیا گیا ہے۔ رسول اکرمؐ کو خالق عالم نے قاسم طیب و طاہر جیسے فرزند اور جناب فاطمہ زہراؑ جیسی بے مثل معصوم بیٹی عطا فرمائی۔ خدیجہ کے بطن سے عطا فرمایا اور جناب ابراہیم جیسا فرزند جناب ماریہ قبطیہ کے بطن سے دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ جناب عائشہ کو یا تو جناب خدیجہ مادر گرامی جناب معصومہ سے رشک تھا یا جناب ماریہ قبطیہ سے جب کہ ان دونوں ہی ازواج کے خصوصاً کا تذکرہ نبیؐ کی زبان پر آتا رہتا تھا۔ سچ ہے کہ ع

جو ظرف کے خالی ہے صدا دیتا ہے

قرآن مجید کی آیت میں ان کا تذکرہ دیکھ کر نعمت پر حسد کرنا جناب عائشہ کی فطرت اور حالات زندگی سے بعید نہیں تھا۔ رسول اکرمؐ سے عقد کی بہت سی تمناؤں میں ایک تمنا یہ بھی تھی کہ گود آباد ہو جائے تو رشتہ میں استحکام اور مستقل کے محلوں کے خواب کے شرمندہ تعبیر ہونے کے حسین ترین مواقع فراہم ہو جائیں گے



طرح سلسلہ برابر جاری رہتا تھا۔

اسی زمانہ میں ایک روز رسول اکرم محلہ بنی مخزوم سے گزر رہے تھے تو آپ نے دیکھا کہ کفار قریش ایک بوڑھی خاتون کو لوہے کی زرہ پہنا کر عرب کی چلچلاتی دھوپ میں تپتی ہوئی زمین پر لٹائے ہوئے ہیں اور قریب میں کھڑے ہو کر قہقہے لگاتے ہیں اور کہتے جاتے ہیں ”محمدؐ کا دین قبول کرنے کا مزہ چکھو“ یہ جناب سمیہ تھیں جنھیں دیکھتے ہی رحمۃ للعالمین پیغمبرؐ نے فرمایا صبر کرو، جنت تمھارے لیے مقدر ہے۔ نہ جانے پیغمبرؐ کی تلقین صبر اور مستقبل میں آخرت کی کامیابی کے مزہ میں کتنا اثر تھا کہ سمیہ کی زندگی میں مصائب سے عاجزی اور مظالم کے ناقابل عمل قرار دینے کا کوئی تصور ہی نظر نہیں آتا بلکہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا... کی طرح بے خوف و خطر زندگی گزارتی ہیں اور ہر زحمت کو آخرت کے لیے رحمت سمجھتی ہوئی برداشت کر لیتی ہیں۔ ایک روز ابو جہل نے جناب سمیہ کو گالیاں دینا شروع کیں اور رفتہ رفتہ شیطنیت کے جنون نے اس منزل تک پہنچا دیا کہ اس نے اپنا نیزہ سمیہ کو مارا جو ٹھیک سینے پر لگا، اسی وقت تڑپ کر گر گئیں اور خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں۔ اور ابھی جذبہ بربریت کو تسکین نہ ملی تھی کہ اتنے میں تیر چلا کہ ان کے فرزند جناب عبداللہ کو بھی شہید کر دیا۔ اب پورے خاندان میں صرف عمار یا سر بچ گئے تھے جو اپنے ماں باپ اور بھائی کا غم لیے ہوئے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ واقعہ سنایا، آنحضرتؐ نے انھیں تلقین صبر کیا اور دعا کی اللہ! آل یا سر کو دوزخ سے بچالے۔ اور جب جنگ بدر میں ابو جہل مارا گیا تو عمار یا سر کو ہلا کر فرمایا، اللہ نے تمھاری ماں کے قاتل سے بدلہ لے لیا۔

(مضمون مولانا ناظم علی خیر آبادی تنظیم المکاتب، اکتوبر ۱۹۹۵ء)

جانوروں سے بھی بدتر ہوتی تھی۔ اعلان رسالت کے ساتھ ہی مشرکین قریش نے اسلام کے ماننے والوں کے لیے نہ صرف حسن سلوک و حسن اخلاق کو بالائے طاق رکھ دیا تھا بلکہ لرزہ خیز جو روتشدد کو لازم و ضروری قرار دے دیا۔ یا سر اور ان کے بچے تو غریب الوطن تھے ہی سمیہ بھی کنیزی کی وجہ سے نہایت ذلت و بے قدری کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں اس لیے مظالم کا سیلاب اس پورے خاندان کو تباہ و برباد کرنے کے لیے ہمہ تن تیار تھا۔ عبداللہ و عمار کو لوہے کی زرہ پہنا کر مکہ کی جلتی ریت پر لٹا دیا جاتا تھا اور ان کی پشت کو آگ کے انگاروں سے داغ دیا جانا اور پانی میں مسلسل غوطہ دیا جانا قریش کا یہ معمول ہو چکا تھا۔ ایک بار رسول اکرم اسی مقام سے گزرے جہاں انھیں سزا دی جا رہی تھی نبیؐ کو نہایت شاق ہوا۔ دکھ بھرے لہجے میں فرمایا اے آل یا سر! صبر کرو، تمھارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔ اور ایک بار ہادی عالم نے پورے خاندان کو انسانیت سوز سزا کی کیفیت میں دیکھ کر فرمایا، صبر کرو، خدا یا آل یا سر کی مغفرت فرمادے اور تو نے ان کی مغفرت کر ہی دی ہے۔

آل یا سر ظلم کی چکیوں میں پستے رہے آخر ایک روز جناب یا سر اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ خیال تھا کہ شاید اب سزا کا سلسلہ رک جائے گا مگر حاشا و کلاً! سمیہ اور ان کے بیٹوں کو مصائب و آلام کی یورش میں زندگی گزارنا تھا تو گناہ لیکن ان کے ایمان و استحکام میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جناب سمیہ دن بھر تو چھلچھلی میں رہتی ہی تھیں رات میں بھی چین و سکون کی سانس لینا ممکن نہ تھا۔ ظلم کے سہنے والے اور سزا کے برداشت کرنے والے چند نفر اور ظلم کرنے والے بے شمار۔ جب ایک ظلم کرنے والا شیطانی شوق ظلم کو پورا کر لیتا تھا تو دوسرا آگے بڑھتا تھا اور وہ جب اپنے حوصلے نکال لیتا تھا تو تیسرا اور چوتھا۔ اس



بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت یوسفؑ اور حضرت موسیٰؑ جیسے بڑے پیغمبروں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ افریقہ ہی میں بسر کیا ہے۔ ہمارے نبیؐ کی جدہ عالیہ حضرت ہاجرہ افریقہ کے ملک مصر کی شہزادی تھیں۔

جب ہمارے نبی کریمؐ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں اسلام کی تبلیغ شروع کی تو کافروں نے آپ کو اور آپ کے ماننے والے مسلمانوں کو ستانا شروع کیا، آپ نے یہ دیکھ کر بعض مسلمانوں کو جناب جعفر طیار کے ساتھ حبش (افریقہ) بھیج دیا۔ وہاں کے بادشاہ نے ان مظلوم مسلمانوں کو پناہ دی اور دشمن کی ریشہ دوانیوں کو مسترد کیا جو مکہ سے جا کر شاہ حبش کو مسلمانوں سے بدظن کرنا چاہتے تھے۔ رسولؐ کی ایک زوجہ ماریہ قبطیہ افریقہ کی رہنے والی تھیں۔ آپ افریقہ کے مشہور قبیلہ نوبہ سے تھیں اور رسولؐ خدا کو گود میں کھلانے والی ام ایمن (برکہ) افریقہ ہی کی رہنے والی تھیں۔ ان کے ایک بیٹے امین جنگ خیبر میں شہید ہوئے۔ ان کے دوسرے بیٹے اسامہ بن زید تھے جن کو رسولؐ نے اپنی زندگی میں ایک ایسے لشکر کا سپہ سالار بنادیا تھا جس میں بڑے بڑے صحابی شامل تھے۔ اور آپ کے ایک خاص صحابی اور موزن حضرت بلال بھی افریقہ کے باشندے تھے۔ بلال اسلام کے پہلے موزن تھے۔ اور جون حبشی جن کو نواسہ رسولؐ حضرت امام حسینؑ کی معیت میں شہادت کا شرف حاصل ہوا، ان کا وطن بھی افریقہ ہی تھا۔ ان سب کا تذکرہ کتاب لہذا کے پچھلے صفحات میں مفصل ہو چکا ہے مولف

آج بھی افریقہ میں کروڑوں مسلمان آباد ہیں۔ شمالی افریقہ میں مصر، سوڈان، طرابلس، تیونس، الجزائر اور مراکش خاص اسلامی ملک ہیں۔ مغربی افریقہ میں گنی اور نائیجیریا میں مسلمانوں کی حکومت ہے۔ مشرقی افریقہ میں صومالیہ اور زنجبار

## جناب فضہ ضوان اللہ علیہا آپ کا نام و نسب

آپ کا نام میمونہ تھا۔ حضرت رسولؐ خدا نے ان کا نام فضہ رکھا۔ فضہ کے معنی چاندی کے ہیں گویا رسولؐ خدا نے ان کے سیاہ فام ہونے کے باوجود انھیں چاندی بنادیا اور روشن ضمیر کر دیا۔ علامہ شیخ جعفر بن محمد جعفر نزاری لکھتے ہیں: ہی کانت بنت ملک من ملوک الحبشة وہ حبشہ کے بادشاہوں میں ایک بادشاہ کی لڑکی تھیں۔ (انوار العلویہ ص ۶۰ طبع نجف اشرف)

علامہ رجب علی برسی نے کتاب مشارق الانوار میں انھیں ہندوستان کے ایک بادشاہ کی لڑکی لکھا ہے (رسالہ فضہ ص ۴۴ طبع لاہور) لیکن یہ میرے نزدیک درست نہیں ہے۔ (ماخوذ از چودہ ستارے بنجم احسن کراوی) بعض مورخین کا خیال ہے کہ آپ قبیلہ نوبہ سے تھیں اس لیے حبشی نوبہ مشہور ہیں۔ افسوس ہے کہ آپ کی ولادت کے حالات نہ مل سکے۔

## آپ کا وطن

جناب فضہ کے وطن کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ آپ کا وطن ہندوستان تھا مگر قول مشہور یہ ہے کہ آپ حبشہ جو براعظم افریقہ کا ایک ملک ہے کی رہنے والی تھیں۔ براعظم افریقہ کا انبیاء و ائمہ اور اسلام سے



میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہیں۔ مشرقی افریقہ کے ممالک ٹانزانیہ، کینیا اور یوگنڈا میں کافی شیعہ اثنا عشری آباد ہیں۔ شمالی افریقہ کا سب سے اہم ملک مصر ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے مصر کے بادشاہوں کو فرعون کہتے تھے۔ حضرت موسیٰ نے ایک فرعون ہی کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ مصر کی راجدھانی قاہرہ ہے۔ یہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا شہر ہے۔ یہاں کی سب سے پرانی یونیورسٹی الازہر موجود ہے جو ایک ہزار سال سے علم کا گہوارہ بنی ہوئی ہے۔ قاہرہ میں راس الحسین نام کی ایک عمارت ہے جہاں ہزاروں مصری جمع ہو کر امام حسینؑ سے اپنی محبت و عقیدت کا اظہار کرتے ہیں۔ مصر کے جنوب میں سوڈان ہے۔ یہ بھی ایک آزاد اسلامی ملک ہے۔ مصر اور سوڈان میں دریائے نیل بہتا ہے۔ یہ وہی دریا ہے جس پر حضرت موسیٰ نے عصا مارا تھا تو دریا کا پانی پھٹ گیا تھا اور حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل گئے تھے۔ اسلامی تاریخ میں اس کا ذکر بار بار آتا ہے۔

مصر کے مغرب میں لیبیا ہے جہاں سنوسی عربوں کی حکومت ہے۔ لیبیا کے مغرب سمت میں تیونس ہے۔ یہ بڑا زرخیز علاقہ ہے اور اب وہاں بھی ایک آزاد اسلامی حکومت قائم ہے۔ تیونس کے مغرب میں الجزائر ہے جو اپنی پیداوار اور معدنیات کے لیے مشہور ہے۔ الجزائر کے مغرب میں مراکش ہے جہاں ایک آزاد مسلمان سلطان کی حکومت ہے۔ مراکش سے ہی مسلمانوں نے پہلی بار یورپ پر حملہ کیا تھا اور اسپین پر قبضہ کر لیا تھا جہاں صدیوں تک مسلمان حکومت کرتے رہے۔ شمالی افریقہ کی طرح مغربی اور وسطی افریقہ کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔ مغربی افریقہ میں نائیجیریا اور گنی کی آزاد حکومتیں قائم ہیں۔ صحارا ملی اور کانگو کے علاقوں میں بھی مسلمانوں کی اکثریت ہے۔

## آپ کی شادی

جناب فاضلہ جب حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت میں آئی تھیں تو غیر شادی تھیں۔ انھوں نے شاہی ٹھاٹھ باٹ کو خیر باد کہہ کر حضرت فاطمہ زہراؑ کی خدمت کو اپنا فریضہ بنا لیا تھا۔ وہ پاکیزہ دل خاتون تھیں اور پاک گھرانے کی خدمت کو دنیا و آخرت کی عزت سمجھتی تھیں۔ حضرت فاطمہؑ جب تک زندہ رہیں انھوں نے اپنی شادی نہیں کی البتہ ان کی وفات کے بعد حضرت علی علیہ السلام کے



رسول خدا کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔

## خدمت جناب فاطمہ زہرا

اس کے بعد آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کو عطا فرمادیا مگر اس کے ساتھ ہی یہ تاکید کر دی کہ ایک دن فضہ سے کام لینا اور دوسرے دن خود کرنا اور دکھ درد میں اس سے پوری ہمدردی کا برتاؤ کرنا۔ دختر رسولؐ نے پوری زندگی اس نصیحت پر عمل کیا اور فضہ اور اپنے درمیان کام کرنے کے دن مقرر کر لیے۔ ایک دفعہ سرور کائنات خانہ سیدہ میں تشریف لے آئے، دیکھا سیدہ گود میں بچے کو لیے ہوئے چکی پیس رہی ہیں۔ فرمایا بیٹی ایک کام فضہ کے حوالے کر دو، عرض کی بابا جان آج فضہ کی باری کا دن نہیں ہے۔

دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا اپنے گھر کے تمام کام خود انجام دیتی تھیں۔ سینے پر پانی کی مشک اٹھاتے اٹھاتے گٹھل بن گیا تھا اور ہاتھوں میں چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے تھے۔ خود ہی جو لٹھے میں آگ روشن فرماتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے دھوئیں سے سیاہ ہو جاتے تھے خود ہی اپنے ہاتھ سے جھاڑو دیتی تھیں یہاں تک کہ آپ کے کپڑے گرد آلود ہو جاتے تھے۔ یہ دیکھ کر ان کے شوہر نامہ حضرت علیؑ السلام نے آپ سے فرمایا کیا اچھا ہوتا کہ آپ اپنے والد ماجد سے ایک خادمہ طلب فرالیتیں اس لیے کہ میں دیکھتا ہوں کہ آپ بڑی مشقت اٹھا رہی ہیں۔ آپ آنحضرتؐ کی خدمت میں تشریف لائیں، وہاں بہت مجمع تھا، حیا کے مارے بغیر کچھ کہے واپس چلی آئیں۔ ان کے واپس چلے آنے کے بعد آنحضرتؐ کو معلوم ہوا کہ فاطمہؑ کسی حاجت کے لیے میرے پاس آئی تھیں۔ حضرت علیؑ نے پورا واقعہ بیان کیا۔ آنحضرتؐ نے

اصرار پر رضامندی ظاہر کی۔ چنانچہ ان کی تزویج کر دی گئی۔ حضرت امام جعفر صادقؑ علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کانت لفاطمۃ الزہراء جاریۃ یقال لها فضہ فصارت بعدھا لعلیٰ فزوجھا من ابی ثعلبہ فتزوجھا من بعدہ ابو سلیم الغطفانی حضرت فاطمہ زہراؑ کی ایک کنیز تھیں جن کو فضہ کہتے تھے جب بی بی فاطمہؑ کا انتقال ہو گیا تو وہ حضرت علیؑ کی خدمت گزاری کرنے لگیں حضرت علیؑ نے ان کی شادی ابو ثعلبہ حبشی سے کر دی جس سے ایک لڑکا پیدا ہوا پھر ابو ثعلبہ کا انتقال ہو گیا اس کے بعد حضرت علیؑ علیہ السلام نے ان کا عقد ابو سلیم غطفانی سے کر دیا تھا۔ (انوار علویہ ص ۵۹)

## آپ کا خدمت پیغمبر میں آنا

افسوس ہے کہ آپ کے تفصیلی حالات دستیاب نہ ہو سکے اور آپ کے بارے میں صحیح طور پر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ آپ کب اور کیسے خدمت پیغمبر میں آئیں۔ مختلف روایات ہیں۔ بعض مورخین کہتے ہیں کہ شاہ حبش نے آنحضرتؐ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجا تھا اور بعض کہتے ہیں کہ زر خرید تھیں اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ قید ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچیں مگر یہ قول قابل قبول اس لیے نہیں ہے کہ آنحضرتؐ کے زمانے میں عرب کے باہر کوئی جنگ نہیں ہوئی جہاں سے اسیر لائے جاتے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ آپ یہودان عرب میں سے کسی کنیز ہوں اور وہاں سے اسیر ہو کر آنحضرتؐ کی خدمت میں لائی گئی ہوں۔ زیادہ قرین قیاس یہی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی جناب فاطمہ زہراؑ کے لیے خریدا ہو ورنہ کہیں نہ کہیں آنحضرتؐ کا فضہ کو اپنے حصہ میں لے کر فاطمہ زہراؑ کو دینے کا تذکرہ موجود ہوتا۔ بہر حال کوئی صورت بھی ہو جنگ خیبر کے بعد آپ



سکا تو آپ نے وہ دعا پڑھنی شروع کی جو خود آنحضرتؐ نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی یا واحد لیس کمثلہ احد قنیت کل احد و تقنی و انت علی عرشك واحد لا تاخذ سنة ولا نوم۔ تاثیر دعا سے ایک اعرابی ظاہر ہوا جو قبیلہ ازد کا معلوم ہوتا تھا وہ باب فاطمہؑ تک لکڑیاں پہنچا گیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷، معالی السطین ج ۲ ص ۱۳۶)

## آپ کا زہد و ورع

جناب فضہ بڑی کامل الایمان عورت تھیں۔ وہ خانوادہ رسالت میں بحیثیت ایک خادمہ کے آئی تھیں لیکن انھوں نے اپنی نیک نفسی، حسن کردار اور محبت و الفت کی بنا پر ہر شخص کے دل میں جگہ پیدا کر لی تھی۔ ہر چھوٹا بڑا ان سے خاندان کے ایک فرد کے مانند محبت کرتا تھا۔ ان کی عزت کسی طرح گھر کی بڑی بوڑھیوں سے کم نہ تھی۔ ہر شخص کی زبان پر فضہ ہی فضہ تھا۔

امیر المؤمنین علیہ السلام اور فاطمہ زہراؑ کے گھر میں آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے۔ کوئی اور کینیز ہوتی تو بھاگ کھڑی ہوتی مگر فضہ نے فاقوں میں اپنی زندگی اس خندہ پیشانی سے گزار دی کہ کیا کوئی عیش کی حالت میں گزارے گا۔ یہ انھیں کا کام تھا کہ دو دو دن کے فاقے میں چکیاں پیستی تھیں مگر تیوریوں پر بل نہ آتا تھا۔ اہل بیتؑ کی صحبت کی وجہ سے ان کا دل خدا سے لگ گیا تھا، دنیا کی زیب و زینت کی ان کی نظر میں کوئی قدر نہ تھی۔ جسمانی لذتوں سے منہ موڑ کر روحانی لذتوں کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔ آخرت کا خیال ہر وقت ان کے پیش نظر رہتا تھا، شب و روز ان کو یاد خدا سے کام تھا۔ دن میں روزہ رکھتی تھیں اور رات بھر عبادت خدا میں مشغول رہتی تھیں۔

فرمایا کہ میں تم دونوں کو ایسی چیز بتا دوں جو خادمہ سے بہت بہتر ہے۔ جب تم دونوں سونے لگو ۳۳ مرتبہ سبحان اللہ ۳۳ مرتبہ الحمد للہ اور ۳۳ مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ جناب فاطمہؑ نے تین بار فرمایا میں راضی ہوئی خدا اور اس کے رسولؐ سے حضرت علیؑ فرماتے ہیں ہم نے جب سے اس تسبیح کو پایا کبھی ترک نہیں کیا۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۵۹) یہ وہی تسبیح ہے جو آج تسبیح فاطمہ زہراؑ کے نام سے مشہور ہے۔

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ جب آنحضرتؐ جناب فاطمہؑ کے پاس سے تسبیح تعلیم فرما کر واپس آئے تو یہ آیت نازل ہوئی ولما تعرضن عنهم ابتغاء رحمة من ترجوها فقل لهن قولاً میسوراً (قرآن کریم) ترجمہ: جب تو ان سے منہ پھیر لے اس امید پر کہ تجھے خدا کی طرف سے رحمت نازل ہو تو ان سے آسانی سے بات کر۔ تو جناب رسولؐ خدا نے حضرت فاطمہؑ کو خدمت کے لیے ایک لونڈی عطا فرمائی اور اس کا نام فضہ رکھا۔ (مناقب ابن شہر آشوب حالات فاطمہ زہراؑ ص ۱۲۶)

ابن حجر عسقلانی نے اصابہ فی تمیز الصحابہ جلد ۸ میں لکھا ہے کہ کانت شاطرة الخدمۃ جناب فضہ جلد جلد کام کرتی تھیں۔ پھر بھی خاتون جنت نے تمام کام کا بار فضہ پر نہیں ڈالا تھا بلکہ باری مقرر کر دی تھی۔ ایک دن فضہ اور دوسرے دن خود مرسل اعظمؑ کی بیٹی کام کرتی تھیں۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ اگر دو کام ہوتے تھے تو اس میں فضہ کو اختیار ہوتا تھا۔ ایک دن آپ نے فرمایا فضہ یا تو تم آٹا خمیر کر لو میں روٹی پکالوں یا میں آٹا گوندھ لوں اور تم روٹی پکالو۔ فضہ نے عرض کی بی بی میں آٹا بھی گوندھ لوں گی اور چولہا بھی سلگا دوں گی آپ روٹی پکالیجیے۔ یہ کہہ کر فضہ ایندھن کا انتظام کرنے لگیں لیکن لکڑیوں کا بوجھ اٹھ نہ



وقت آیا تو پھر سائل آگیا۔ اس طرح متواتر اہل بیت رسالت نے بغیر کچھ کھائے ہوئے صرف پانی سے روزے رکھے اور اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اور تینوں دن جناب فضہ بھی اہل بیت کی اس عبادت و سخاوت میں شریک رہیں۔ اسی لیے اللہ نے جب حضرت علیؑ و فاطمہؑ اور ان دونوں فرزندوں کی شان میں اس عبادت و سخاوت پر سورہ ہل اتی نازل فرمایا تو اس میں کنیزی کا لحاظ اٹھا کر خدا نے جناب فضہ کو بھی برابر کی جزادی۔ (اصابہ ج ۸ ص ۱۶۷)

اسد الغابہ میں لکھا ہے کہ تینوں دن جناب فاطمہ زہراؑ نے آٹا پیسا اور روٹیاں پکائیں۔ آپ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ جس فضہ نے ان کے فرزندوں کی صحبت پر روزہ رکھا ہے ان سے اس حالت میں کام لیا جائے۔ (اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۳) امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں یعنی علیا و فاطمہ والحسن والحسین وجاریتہم فضة اس آیت یوفون بالندر میں جناب امیر، جناب فاطمہ، امام حسن، امام حسین اور ان کی کنیز فضہ مراد لیا ہے۔ (تفسیر برہان ج ۴ ص ۱۱۶۴)

## آپ کا علم و ہنر

مورخین کا بیان ہے کہ جناب فضہ فن کیمیاگری میں ماہر تھیں۔ علامہ رجب علی برسی کتاب مشارق الانوار میں لکھتے ہیں کہ آپ جناب فاطمہ زہراؑ صلوات اللہ علیہا کے خانہ اقدس میں آئیں اور ان کی ظاہری غربت اور افلاس کو دیکھا تو اکسیر کا ذخیرہ نکالا اور تانبے کے ٹکڑے پر اس اکسیر کو استعمال کیا جس سے تانبا بہترین سونا بن گیا اور جناب فضہ اس کو لے کر حضرت امیر المومنینؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ آپ نے اسے دیکھ کر فرمایا کہ اے

## سورہ ہل اتی میں آپ کی شمولیت

ایک مرتبہ فرزند ان رسولؐ حسنین علیہما السلام ایسے بیمار ہوئے کہ روز بروز ناتوانی بڑھنے لگی۔ آنحضرتؐ خانہ جناب سیدہ گم میں تشریف لائے اور تین روز رکھنے کے بارے میں ارشاد فرمایا۔ علیؑ و فاطمہؑ اور بچوں نے تین روز کے روزے مان لیے تو جناب فضہ جن کو شاہزادوں سے وہی محبت تھی جو ایک شفیق ماں کو ہوتی ہے، انھوں نے بھی اس نذر میں شرکت فرمائی۔ جب ایفائے نذر کا وقت آیا امیر المومنین علیؑ بن ابی طالب تین صاع جو ایک یہودی سے اجرت پر لے کر آئے اور کتائی کے لیے اون بھی۔ جناب سیدہ نے اون کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ اون کا کات لیا تب اس کی اجرت کے ایک تہائی جو چکی میں اپنے ہاتھ سے پیسے، آٹا گوندھا اور پانچ روٹیاں پکائیں اور افطار کا وقت آیا تو پانچوں حضرات اپنی اپنی روٹیاں کھانے کے لیے بیٹھے تھے کہ ایک سائل نے دروازے سے پکارا اے اہل بیت رسالت! میں بھوکا ہوں مجھے کھانا کھلاؤ، خدا تمہیں جنت کے خوان عطا فرمائے گا۔ یہ سن کر سب نے اپنے اپنے آگے سے روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ جناب فضہ نے بھی جو اہل بیت کی محبت کی برکت سے معرفت الہی کے بہترین مدارج پر فائز تھیں، اپنی روٹی سائل کو دینے کے لیے امیر المومنینؑ کے سپرد کر دی اور سب نے پانی سے روزہ افطار کیا۔ پھر دوسرے دن بغیر کچھ کھائے ہوئے روزہ رکھا گیا اور روٹیاں تیار کی گئیں اور جب کھانے کا وقت آیا تو سائل نے اگر دروازے سے آواز دی میں بھوکا ہوں اور پھر پانچوں افراد نے اپنی اپنی روٹیاں اٹھا کر سائل کو دے دیں۔ اسی طرح تیسرا روزہ بھی صرف پانی سے رکھا گیا اور جب افطار کا



فضہ! تم نے بہترین سونا بنایا ہے لیکن اگر تم تانبے کو بھی پگھلا دیتیں تو اس سے زیادہ بہتر سونا بن جاتا۔ فضہ نے از روئے تعجب کہا کہ مولا! آپ اس فن سے بھی واقف ہیں؟ آپ نے امام حسینؑ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ علم تو ہمارا یہ بچہ بھی جانتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اے فضہ! ہم تمام علوم سے واقف ہیں۔ اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور زمین کا ٹکڑا بہترین سونے اور جواہر میں تبدیل ہو گیا۔ پھر آپ نے ارشاد فرمایا یا فضہ! مالہذا خلقنا اے فضہ! ہم اس کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ (انوار علویہ و دمعہ سالکۃ ص ۱۳۰)

مطلب یہ تھا کہ ہم زور و جواہر اور مال و دولت کے لیے نہیں پیدا کیے گئے۔ ہماری غرض خلقت تبلیغ دین اور فروغ انسانیت ہے۔ علامہ شیخ جعفر نزاری تحریر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جناب فضہ کا حضرت عمر بن خطابؓ سے کسی مسئلہ فقہ میں اختلاف ہو گیا اور فضہ نے اپنی علمی قوت سے انھیں شکست دے دی تو انھوں نے از روئے تعجب کہا شعرة من ال ابی طالب افقہ من جمیع ال خطاب ال ابی طالب کا ایک معمولی بال بھی تمام آل خطاب سے فقہ جاننے والا ہے۔ (انوار علویہ ص ۵۸)

## آپ کا علم قرآن

چونکہ قرآن اہل بیتؑ کے ساتھ تھا اور اہل بیت قرآن کے ساتھ اس لیے اس گھر میں ہر وقت یہی چرچا اور تذکرہ رہتا تھا۔ فضہ ہر وقت خدمت میں رہتی تھیں۔ صحبت محمدؐ و آل محمدؐ کی برکت نے ان کو علم قرآن و حدیث کی بڑی عالمہ بنا دیا تھا بلکہ قرآن تو ان کے رگ و پے میں سرایت کر گیا تھا۔ انھوں نے اس خون سے کہ کوئی جھوٹی بات زبان سے نہ نکل جائے بولنا بہت کم کر دیا

تھا اور جو کچھ بولتی تھیں وہ قرآن کی آیات ہوتی تھیں۔ جو مطلب کسی پر ظاہر کرنا ہوتا تھا اسی مضمون یا اس سے ملتی جلتی کوئی آیت قرآن پڑھ دیتی تھیں اور لوگ آپ کا مطلب سمجھ لیتے تھے۔ بیس سال اسی طرح بولتی رہیں اس بنا پر ان کا نام متکلمہ بالقرآن ہو گیا تھا (یعنی قرآن سے کلام کرنے والی)۔

ابوالقاسم قشیری نے اپنی کتاب میں ایک شخص کی زبانی یہ واقعہ نقل کیا ہے اس کا بیان ہے کہ میں ایک مرتبہ صحرا میں اپنے قافلے سے بچھڑ گیا۔ وہاں میں نے ایک بہت ہی سن رسیدہ خاتون کو پایا تو میں نے ان سے دریافت کیا آپ کون ہیں؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی قُلْ سَلَامٌ عَلٰی سَامِعِیْنَ یَعْلَمُونَ ہ سلام کہہ پس انھیں معلوم ہو جائے گا۔ (سورہ الزخرف آیت ۸۹) میں اپنی اس بے ادبی اور کوتاہی پر نادم ہوا اور فوراً سلام کیا اور دریافت کیا آپ یہاں کیسے آ گئیں؟ انھوں نے جواب میں پھر قرآن کی آیت پڑھی مَن یَهْدِی اللہُ فَمَا لَہُ مِن مُّضِلٍّ (سورہ زمر آیت ۲۴) جس کی ہدایت اللہ کرے اس کو گمراہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔

میں سمجھ گیا کہ راستہ بھول گئی ہیں۔ میں نے عرض کیا آپ جنوں میں سے ہیں یا انسانوں میں سے؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زَیْنَتَکُمْ اٰیۃً مِّنْ اٰیٰتِیْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ (سورہ الاعراف ۳۱)

میں سمجھ گیا کہ انسان ہیں جن نہیں ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کہاں سے تشریف لارہی ہیں؟ انھوں نے یہ آیت پڑھی یٰۤاٰدَمُ اَنْۢذِرْ ذُرِّیَّتَکَ لَا یَخْلُفُکَ فِیۡہَا شَیْءٌ مِّنْہَا وَیَاۤاٰدَمُ اَنْۢذِرْکَ وَبَنٰیۤکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا عٰبِدِیْنَ لَیَّسَ لَکُمْ فِیۡہَا سَیۡرٌ وَّیَاۤاٰدَمُ اَنْۢذِرْکَ وَبَنٰیۤکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا عٰبِدِیْنَ لَیَّسَ لَکُمْ فِیۡہَا سَیۡرٌ وَیَاۤاٰدَمُ اَنْۢذِرْکَ وَبَنٰیۤکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا عٰبِدِیْنَ لَیَّسَ لَکُمْ فِیۡہَا سَیۡرٌ وہ دور دراز مقام سے بکارے جاتے ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ دور دراز مقام سے آرہی ہیں۔ میں نے عرض کیا معظمہ! کہاں کا ارادہ ہے؟ انھوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی وَ لِلّٰہِ عَلٰی النَّاسِ حِجُّ الْکَبِیْرِ (سورہ آل عمران آیت ۹۷) میں سمجھ گیا کہ آپ حج کے لیے تشریف لے جا رہی ہیں۔ میں نے پوچھا آپ کتنے دن سے



آل عمران آیت ۱۳۸، سورہ مریم آیت ۱۳، سورہ طہ آیت ۱۱-۱۲

راوی کا بیان ہے، میں نے قافلے میں پہنچ کر آواز دی اے داؤد، اے محمد اے یحییٰ، اے موسیٰ! میری آواز سن کر چار نوجوان سامنے آگئے۔ میں نے ان معظہ سے پوچھا یہ چاروں جوان آپ کے کون ہیں؟ انہوں نے یہ آیت پڑھی  
 الْمَالُ وَالْبَنُونَ زِينَةُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا (سورہ کہف آیت ۶۴) مال و اولاد دنیاوی زندگی کی زینت ہیں۔ میں سمجھ گیا کہ یہ سب ان کے لڑکے ہیں۔ اس کے بعد ان معظہ نے یہ آیت پڑھی يَا أَبَتِ اسْتَجِرْهُ إِنَّ خَيْرَ مَنِ اسْتَجَارْتَ الْقَوِيُّ الْأَمِينُ (سورہ القصص آیت ۲۶) اے بابا ان کو اجرت پر رکھ لیجیے اس لیے کہ آپ جس کو اجرت پر رکھیں گے وہ طاقت و امانت میں بہتر ہوگا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ میری سواری کا کرایہ اور اجرت دلانا چاہتی ہیں۔ یہ سن کر ان لڑکوں نے مجھے کچھ مال دیا۔ اس کے بعد انہوں نے یہ آیت پڑھی وَاللَّهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ اللَّهُ جَسَسَ كَيْ لِيُجَازِيَكَ (البقرہ آیت ۲۶۱)

یہ سن کر ان لڑکوں نے مجھے کچھ اور مال دیا میں نے ان جوان لڑکوں سے پوچھا یہ معظہ آپ کی کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا یہ ہماری والدہ فتنہ ہیں۔ جو جناب فاطمہ زہرا کی کنیز ہیں۔ انہوں نے بیس سال سے سوائے آیات قرآنی کے ایک لفظ اپنے منہ سے ادا نہیں کیا۔ (مناقب ابن شہر آشوب ترجمہ بجار الانوار جلد ۲ ص ۱۱۳)

## آپ کے کرامات

جناب فتنہ بظاہر کنیز تھیں لیکن وہ محمد و آل محمد کی نگاہ میں بڑی ممتاز خاتون تھیں اور ان کی نگاہ کرم کی وجہ سے اللہ کے نزدیک ان کا بڑا مقام تھا۔

سفر میں ہیں؟ انہوں نے یہ آیت پڑھی وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ (سورہ ق آیت ۳۸) اور بہ تحقیق ہم نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان دونوں کے مابین ہے اس کو چھ دن میں پیدا کیا۔ میں سمجھ گیا کہ آپ چھ دن سے سفر میں ہیں۔ میں نے پھر پوچھا کیا آپ کچھ کھائیں گی؟ انہوں نے فوراً ہی یہ آیت پڑھی وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا إِلَّا يَكُلُونَ الطَّعَامَ (سورہ الانبیاء آیت ۸) اور ہم نے ان کے اجسام ایسے نہیں بنائے کہ وہ کھانا نہ کھا سکیں۔ میں نے انہیں کھانا کھلایا پھر اونٹ پر بیٹھ کر چلنے لگا، وہ پیادہ تھیں، میں نے کہا اب آپ ذرا تیز قدموں سے چلیں۔ انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی لَا يَكْفِيكَ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وَسْعَهَا (البقرہ آیت ۲۸۶) اللہ نے ہر نفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے۔ میں سمجھ گیا کہ تیز نہیں چل سکتیں۔ میں نے عرض کیا کیا آپ میرے ساتھ اونٹ پر بیٹھ کر سفر کریں گی؟ انہوں نے جواب میں یہ آیت پڑھی لَوْ كَانَتْ فِيهِمَا إِلَهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا (سورہ الانبیاء) اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں دو خدا ہوتے تو یہ دونوں فاسد ہو جاتے۔ میں سمجھ گیا کہ آپ کو میرے ساتھ بیٹھنے میں عذر ہے لہذا میں سواری سے اتر گیا اور انہیں سواری پر بٹھا دیا۔ جب وہ سواری پر بیٹھ گئیں تو یہ آیت پڑھی سُجَّانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا (سورہ زخرف آیت ۱۲) پاک ہے وہ ذات جس نے یہ سواری ہمارے لیے مسخر کی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اب وہ مطمئن ہیں۔ جب ہم قافلے کے قریب پہنچے تو میں نے پوچھا کیا اس قافلے میں آپ کا کوئی واقف کار ہے؟ جواب میں انہوں نے یہ آیت پڑھی يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ - وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ - يَا يَحْيَى خُذِ الْكِتَابَ - يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ - (سورہ ص آیت ۲۵، سورہ



وہ مستجاب الدعوات تھیں اور صاحب کرامات۔

(۱) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ماہ رمضان کی ایک شب جناب امیر المومنینؑ نے رسول خدا کو مدعو کیا۔ آنحضرتؐ نے دعوت قبول کر لی اور خانہ امیر المومنینؑ میں روزہ افطار کیا۔ اگلے دن حضرت فاطمہ زہراؑ نے دعوت دی اور آپ نے قبول فرما کر روزہ افطار فرمایا۔ پھر امام حسنؑ نے دعوت دی اس کے بعد امام حسینؑ نے درخواست کی آپ نے ان شہزادوں کی دعوت قبول فرما کر روزہ ان کے گھر افطار کیا۔ یہ دیکھ کر جناب فضہ نے بھی آنحضرتؐ کو اگلے روز روزہ افطار کرنے کی دعوت دے دی۔ جب نماز مغربین کے بعد آنحضرتؐ اپنے گھر ہو کر جناب فضہ کے یہاں جانے کا ارادہ کیا تو جبریلؑ نے آکر کہا یا رسول اللہ! آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لے جائیں، یہ رب جلیل کا حکم ہے کیونکہ فضہ دروازہ سیدہ پر آپ کی منتظر ہے۔ چنانچہ آپ سیدھے جناب فضہ کے مکان پر تشریف لائے۔ اہل بیت طاہرینؑ نے تعظیم کی اور آداب سلام بجالائے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں آج فضہ کا مہمان ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنینؑ نے فضہ سے فرمایا کہ تم نے ہمیں کیوں نہیں بتایا کہ حضور کو دعوت دی ہے۔ ہمیں بتادیا ہوتا تو ہم کھانے کا انتظام کرتے اور تمہاری مدد کرتے۔ فضہ نے عرض کی مولا! میں آپ کی کنیز ہوں، آپ اطمینان رکھیں، سب انتظام ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ اندر گئیں مصلیٰ بچھا کر دو رکعت نماز ادا کی اور بارگاہ خداوندی میں دعا کی، مالک! اپنے حبیب کی دعوت کا انتظام فرما۔ دعا قبول ہوئی اور ماندہ آسمانی نازل ہوا۔ وہ اسے لے کر باہر آئیں اور سب نے طعام جنت تناول فرمایا۔ حضرت نے کھانے کے بعد ارشاد فرمایا الحمد للہ! کہ خدا نے مریم بنت عمران کی طرح میری بیٹی کی کنیز کو بھی جنت سے طعام منگائے کا شرف

بخشا ہے۔ (مصباح القلوب وریاض القدس ج ۳ ص ۲۶۱ طبع ایران)

(۲) ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جناب فضہ اپنی باری کے دن کاروبار کے سلسلہ میں کچھ لکڑیاں اٹھا کر لانا چاہتی تھیں۔ زیادہ وزنی ہونے کے باعث آپ سے اٹھ نہیں رہی تھیں۔ انھوں نے فوراً وہ دعا پڑھی جو رسول خدا نے آپ کو تعلیم فرمائی تھی جس کی ابتدا یہ ہے یا احد لیس کمثلہ شیئ الخ اس دعا کا پڑھنا تھا کہ ایک اعرابی ظاہر ہوا اور اس نے ایندھن اٹھا کر سیدہ کے دروازے پر لا کر رکھا۔ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ملک تھا۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۱۳۶)

(۳) کتب مقاتل میں ہے کہ شہادت امام حسینؑ کے بعد جب ان کی لاش اقدس پر گھوڑے دوڑاتے جانے کا بندوبست کیا گیا تو حکم جناب زینبؑ کے مطابق فضہ نے (ابو الحارث) نامی شیر کو آواز دی تھی اور اس نے برآمد ہو کر نعش مبارک کی حفاظت کی تھی۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

(۴) ریاض القدس میں ہے کہ جب شام غریباں آئی تو جناب فضہ نے بچوں کو پیاس سے تڑپتا دیکھا تو خیال ہوا کہ کہیں اولاد رسولؐ پیاس سے ہلاک نہ ہو جائے، آپ ایک مقام پر گئیں خدمت رسولؐ کا واسطہ دے کر بارگاہ اقدس میں مناجات کی۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور ایک پانی کا ڈول آسمان سے نازل ہوا۔ آپ اسے لے کر بیمار امام کی خدمت میں آئیں۔ پانی دیکھ کر سید سجاد کو غش آگیا پھر جناب زینبؑ کی خدمت میں وہ پانی لے کر آئیں اور بچوں کو پلانے کی درخواست کی۔

## مصائب جناب سیدہ پر آپ کا کردار

تاریخ شاہد ہے کہ حضرت عمرؓ نے فاطمہ کے گھر میں بعد پیغمبرؐ آگ لگانے کی دھمکی دی اور دروازہ گر ادیا جس سے ان کے بطن مبارک میں جناب محسن



آؤ اور اپنی ماں کا آخری دیدار کر لو۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۶۵)

## وفات جناب سیدہ کے بعد آپ کی زندگی

شہادت جناب فاطمہ زہرا کے بعد فضہ اسی گھر میں رہیں اور ان کے بعد حضرت زینب و ام کلثوم کی خدمت کو اپنا فریضہ قرار دے لیا تھا۔ علامہ مہدی مائری لکھتے ہیں لما ماتت فاطمة انضمت الی زینب و کانت تحتها فی بیتها وتارة فی بیت الحسن وتارة فی بیت الحسين فلما خرجت عقيلة القریش مع اخيها الحسين من المدينة الى العراق خرجت فضة معها حتی انت کربلا حضرت فاطمہ زہرا کی وفات کے بعد جناب فضہ حضرت زینب کی کنیزی میں آگئیں اور ان کے خانہ اقدس میں خدمت کے فرائض انجام دینے لگیں اور بعض اوقات امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے گھر میں بھی خدمت کے فرائض انجام دیتی تھیں۔ پھر عقیلۃ القریش حضرت زینبؑ اپنے بھائی امام حسینؑ کے ساتھ مدینہ سے عراق کی طرف روانہ ہوئیں تو جناب فضہ ان کے ہمراہ چلیں اور کربلا کے میدان میں آئیں۔ (چودہ ستارے)

وفات جناب سیدہ کے بعد ورقہ بن عبد اللہ اذدی نے حج کے موقع پر محمدؐ کو آل محمدؐ کی مدح سرائی کرتے سنا، لوگوں سے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ یہ فضہ ہیں تو بعد آنحضرتؐ معصومۃ عالمیان کے رنج و غم کا حال ان سے دریافت کیا۔ اس سوال پر فضہ تڑپ گئیں، آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور فرمایا اے ورقہ! تو نے میرے دل کی دبی ہوئی آگ کو پھر روشن کر دیا۔ پھر اس طرح بیان کرنے لگیں اے ورقہ! وفات پیغمبر قیامت کا نمونہ تھی۔ صبر قلیل رہ گیا تھا مصائب کثیر تھے، آنکھ رو رہی تھی، ہر دل سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ زن و مرد صغیر و کبیر جزع و

شہید ہو گئے تھے۔ علامہ مجلسی لکھتے ہیں کہ جب نبیؐ سیدہ کے پہلو پر دروازہ گرا اور بنت رسولؐ زخمی ہو کر زمین پر گر گئیں تو بے اختیار زبان سے یہ جملے نکلے تھے یا رسول اللہ ہلکذا یفعل بحدثک وابنتک، یا فضة فخذینی و علی ظہرک مسندینی فقل واللہ قتل ما فی احشائی اے رسولؐ خدا! آپ کی پیاری بیٹی سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے، اے فضہ! ذرا مجھ کو سنبھالو اور میری پشت کی طرف سے مجھے سہارا دو، خدا کی قسم میرے بطن میں میرا بچہ (محسن) شہید ہو گیا ہے۔ (بخاری الانوار ج ۸ طبع ایران)

حضرت علیؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب عمر بن خطابؓ کی ضرب سے زخمی ہو کر فاطمہ بنت رسولؐ علیل ہو گئیں اور انھوں نے سمجھ لیا کہ میں اب بچوں گی تو مجھے چند وصیتیں کیں ان میں سے ایک وصیت یہ تھی کہ میرے غسل و کفن میں تمھارے اور حسنؑ و حسینؑ اور زینب و ام کلثوم اور فضہ و اسماء بنت عجمؓ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ (معالی السبطين ج ۲ ص ۱۱۱) ایک روایت میں یہ واقعہ اس طرح مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جناب سیدہ نے جہاں مجھ سے اور بہت سے عہد لیے ان میں سے ایک یہ تھا کہ میری وفات کے بعد مردوں میں عبد اللہ بن عباسؓ، سلمان فارسیؓ، عمار یاسرؓ، مقداد بن اسودؓ، ابوذر غفاریؓ، حذیفہ یمانیؓ اور عورتوں میں ام سلمہؓ، ام ایمنؓ اور فضہ کے علاوہ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔ ایک روایت میں فضلؓ اور ابن مسعودؓ کا بھی ذکر ہے۔ چنانچہ حضرت علیؑ نے ایسا ہی کیا۔ (سفینۃ البحار ج ۲ ص ۱۱۱) حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ جب فاطمہ بنت رسولؐ کا انتقال ہو گیا اور انھیں کفن پہنایا جا چکا تو میں نے چہرہ سید کو بند کرتے ہوئے جہاں زینب و ام کلثوم اور حسنؑ و حسینؑ کو آواز دی تھی وہاں فضہ کو بھی پکارا تھا کہ ہلموا تزوروا امکم



## واقعہ کر بلا میں آپ کی شرکت

جناب فاضلہ وہ مقدس خاتون ہیں جنہوں نے محمد و آل محمد کی کنیزی کو اپنی دنیا و آخرت کی کامیابی سمجھ لیا تھا۔ انہوں نے اس کنیزی میں وہ رنگ بھرا کہ قیامت تک ان کا نام محمد و آل محمد کے تذکروں میں مہتاب کی طرح چمکتا رہے گا۔ جب وفات پیغمبر کا وقت قریب آیا تو آپ نے فرمایا اے فاضلہ! میں تم سے بہت خوش جا رہا ہوں، اگر کوئی تمنا ہو تو مجھ سے بیان کرو۔ جناب فاضلہ نے عرض کی یا رسول اللہ! میں کنیزی بتول سے بہتر کوئی چیز نہیں سمجھتی، اب کس نعمت کا سوال کروں۔ حضور پر نور نے فرمایا فاضلہ! تیری تین دعائیں قبول ہیں جو دل چاہے مانگ لے، اللہ تیری تین دعائیں قبول فرمائے گا۔ فاضلہ نے دست بستہ عرض کی یا رسول اللہ! اگر میری تین دعائیں قبول ہیں تو ایک دعا تو میں یہ مانگتی ہوں کہ میں امام حسینؑ اور بی بی زینب کو اکثر دیکھتی ہوں کہ دونوں بھائی بہن بیٹھ کر مشورہ کرتے ہیں کہ ہم کر بلا جائیں گے اور بچوں کا خون دے کر اسلام کی نصرت کریں گے۔ زینب تم چادر دینا اور میں سر دوں گا۔ یا رسول اللہ! جب یہ دونوں بھائی بہن کر بلا جائیں تو میں بھی اس وقت تک زندہ رہوں۔ دوسری دعا یہ ہے کہ امام حسینؑ مجھے ساتھ بھی لے جائیں۔ تیسری دعا یہ ہے کہ اس وقت تک خدا میرے جسم میں اتنی طاقت و قوت باقی رکھے کہ میں امام حسینؑ اور جناب زینبؑ کی خدمت کر سکوں۔ پیغمبر اسلام یہ سب اکراہیدہ ہوئے اور فرمایا فاضلہ! تیری یہ تینوں دعائیں باگاہ خداوندی میں قبول ہیں۔

کسی شخص نے جناب فاضلہ پر اعتراض کیا کہ اے فاضلہ! تجھے مانگنے کا

فرع کر رہے تھے مگر ان سب سے زیادہ بے تاب میری بی بی فاطمہ تھیں۔ ہر لمحہ رنج و غم بڑھ رہا تھا اور ہر لمحہ حالتِ غمیر تھی۔ سات روز جب اسی طرح بسر ہوئے تو آٹھویں دن آپ باپ کی قبر پر آئیں۔ مرد راستہ چھوڑ کر الگ جا کھڑے ہوئے۔ عورتوں اور بچوں نے آپ کو حلقہ میں لے لیا۔ قلب مدینہ سے ایک دردناک آواز پیدا ہوئی جو آسمان تک گئی۔ چراغ دانوں پر چراغ گل ہو گئے۔ آپ اس شان سے چلیں کہ دیکھنے والی عورتوں کو گمان ہوا کہ آنحضرتؐ قبر سے باہر آگئے۔ ایک دہشت عظیم پھیل گئی۔ آپ نے فریاد کی وابتاہ و اسفاہ و الحمد لہ و ابوالقاسما یا ربیع الارامل والیتامی امن القبلة والمصلی ومن لا بنتک والوالہۃ الشکلی۔ آپ کے پائے مبارک لغزش میں تھے اور قبر جس قدر قریب ہوتی جاتی تھی رفتار میں سستی آتی جاتی تھی۔ قبر مطہر پر پہنچ کر آپ ایسا بے قراری سے روئیں کہ غش کھا کر گر پڑیں۔ بانی چھٹک کر ہوش میں لایا گیا آپ نے فرمایا دفعت قوتی و خانتی جلدی و شمت بی عدوی والکبد۔ میری طاقت سلب ہو گئی اور صبر نے ساتھ چھوڑ دیا، میرا دشمن خوش ہوا اور شمتا کرتا کرنے لگا۔ بابا! آپ کے بعد میرا کوئی مونس نہ رہا جس سے دل بہلے یا کوئی میرے آنسو پونچھے۔ آپ کے اٹھ جانے سے سلسلہ وحی منقطع اور ملائکہ کی آمد و رفت مسدود ہو گئی۔ دنیا کا رنگ بدل گیا، کھلے ہوئے دروازے بند ہو گئے۔ اب میں دنیا سے بیزار ہوں آپ پر رونے کے لیے تیار ہوں۔ آپ سے ملنے کا شوق زیادہ اور رنج و غم افزوں ہے۔ پھر فاطمہؑ نے ایک آہ کی۔ قریب تھا کہ روح جسم سے مفارقت کر جائے۔ اے ورقہ! سیدہ عالم کی ان کے باپ کے غم میں یہ حالت تھی۔

(ناسخ التواریخ جلد ۴ ص ۱۴۰)



سے پوچھا کہ یہ عورت کون ہے؟ انھوں نے بتایا کہ یہ فضہ ہیں جو فاطمہ زہرا کی کنیز ہیں۔ (معالی السبطین ج ۲ ص ۵۲ ماخوذ از چودہ سارے)

کربلا کے بعد بھی وہ تمام مرحلوں میں جناب زینب و ام کلثوم کے ساتھ تھیں۔ جب یزید نے اہل حرم کو اپنے دربار میں بلایا تو مخدرات عصمت اس طرح بھرے دربار میں داخل ہوئیں کہ ان کے بازوؤں میں رسی بندھی ہوئی تھی اور سب برہنہ سر تھیں۔ جناب زینب کے سامنے جناب فضہ کھڑی تھیں۔ یزید نے چاہا کہ ان کو ہٹا کر آپ سے باتیں کرے۔ جناب فضہ کسی صورت سے ہٹنے کے لیے تیار نہ ہوئیں۔ یزید نے حکم دیا کہ اس حبشی کنیز کو تازیانے مار کر ہٹا دو۔ اس وقت یزید کی پشت پر کچھ حبشی نگلی تلواریں لیے کھڑے تھے۔ یہ سن کر جناب فضہ نے ان سے فرمایا کہ تمہاری غیرت کو کیا ہو گیا ہے کہ یزید تمہارے قوم و قبیلہ کی عورت پر ظلم کر رہا ہے اور تم کھڑے دیکھ رہے ہو۔ یہ سنتے ہی وہ غلام یزید کے سامنے آگئے اور کہنے لگے اے یزید! یہ عورت ہمارے قوم و قبیلہ کی ہے، اگر اس کے ساتھ کوئی زیادتی ہوئی تو ہم سے برداشت نہ ہوگا اور یہیں خون کے دریا بہہ جائیں گے۔ جب حبشیوں کی یہ باتیں جناب فضہ نے سنیں تو رو کر کہنے لگیں اے بد بختو! میں تمہاری حمایت سے ذرا خوش نہیں، تم ایک کنیز کا تو اتنا خیال کر رہے ہو اور میری شہزادی جناب زینب کی بے پردگی کا ذرا خیال نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے کہ یہ کون زینب ہیں؟ ارے یہ تمہارے نبی کی نواسی ہیں۔

زندان شام میں وہ اہل حرم کے ساتھ تھیں۔ جتنی مصیبتیں خاندان رسولؐ پر نازل ہوئیں فضہ پہلو سے پہلو ملاتے رہیں۔ واقعہ کربلا کے بعد وہ پوری زندگی سایہ کی طرح جناب زینب کے ساتھ رہیں اور اپنے مولا امام حسینؑ

طریقہ نہیں آتا۔ اگر حضورؐ مجھ سے فرماتے کہ تین دعائیں مانگ لو تو میں وہ سب کچھ مانگتا کہ دنیا قیامت تک میری تعریف کرتی۔ فضہ نے پوچھا آپ کیا مانگتے جواب دیا کہ میں ایک تو قیامت تک کی زندگی مانگتا، دوسرے قیامت تک بادشاہی مانگتا اور تیسرے مرنے کے بعد جنت مانگتا۔ گویا دنیا بھی اور آخرت بھی۔ فضہ نے جو جواب دیا اس کو کسی شاعر نے ان الفاظ میں کیا خوب بیان کیا ہے۔

بلبل کو گل پسند گلوں کو ہوا پسند ہم بو ترابیوں کو ہے خاک شفا پسند  
یہ اپنی اپنی طبع ہے اے ساکنانِ خلد تم کو ارم پسند ہمیں کربلا پسند

جناب فضہ نے محبت اہل بیتؑ میں بڑی مصیبتیں اٹھائیں لیکن زندگی کے آخری لمحات تک ان کا دامن نہ چھوڑا۔ کربلا میں امام حسینؑ کے ساتھ تھیں۔ مدینہ سے کربلا تک سفر کی صعوبتوں اور کربلا کے مصائب و آلام میں شریک رہیں اور خاندان نبوت کی خدمت کرتی رہیں۔ جناب زینبؑ کو ہر حیثیت سے اپنی شاہزادی کا قائم مقام سمجھتی تھیں اور ان کا اسی طرح احترام کرتی تھیں۔ امام حسینؑ اور جناب زینبؑ بھی آپ کا احترام کرتے تھے۔ چنانچہ جب امام مظلومؑ روز عاشور آخری رخصت کے لیے درخیمہ پر آئے ہیں تو اپنی بہن زینب و ام کلثوم اور صاحبزادی فاطمہ اور سکینہ کے ساتھ جناب فضہ کو بھی سلام کیا ہے۔

۱۱۔ محرم الحرام کو جب اہل بیتؑ کی روانگی کا وقت آیا تو جناب زینبؑ نے تمام عورتوں اور بچوں کو سوار کرا دیا لیکن جناب زینبؑ کو سوار کرانے والا کوئی نہیں تھا، راوی کہتا ہے کہ اس وقت میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ رنگ کی سن رسیدہ کنیز آگے بڑھی اور اس نے سوار کرایا۔ میں نے لوگوں



## اولاد

ابوالقاسم قشیری والے واقعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ آپ کے چار فرزند تھے جن کے نام داؤد، محمد، یحییٰ اور موسیٰ تھے۔

علامہ نجم الحسن کراروی مرحوم نے آپ کی اولاد کے سلسلہ میں ایک لڑکی بھی لکھی ہے جس کا نام مسکہ تھا۔ اس لڑکی کی ایک لڑکی تھی جس کا نام شہرت تھا۔ شہرت ایک دن حج کو جا رہی تھی، راستہ میں اس کی سواری تھک کر بیٹھ گئی۔ اس نے آسمان کی طرف منہ کر کے کہا خدایا تو نے مجھے کہیں کا نہ رکھا اب نہ گھر جاسکتی ہوں نہ مکہ پہنچ سکتی ہوں۔ راوی مالک بن دینار کہتا ہے کہ اس کہنے کے فوراً بعد جنگل کے درختوں سے ایک شخص اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے برآمد ہوا اور اسے بٹھا کر مکہ لے گیا۔ (بحار الانوار، سفینۃ البحار ج ۲ ص ۳۲۵ مناقب ج ۲ ص ۳۰، چودہ ستارے)

کی وصیت پر عمل فرماتی رہیں جو رخصت آخر کے وقت آپ نے فضلہ سے فرمائی تھی کہ اے فضلہ! میری بہن زینب کا خیال رکھنا وہ ہر محل پر اس ارشاد امام کی طرف متوجہ رہیں۔ جب آپ قید یزید سے چھوٹ کر مدینہ واپس آئیں تو گوشہ نشین ہو گئیں اور ملنا جلنا چھوڑ دیا کیا کہنا آپ کی محبت اہل بیت سے محبت کا اور کیا کہنا آپ کے ایمانی مراتب کا۔

## وفات

بروایت خلاصۃ المصائب مدینہ سے دوبارہ شام کی جانب جناب زینب کو سفر کرنا پڑا تب بھی آپ شہزادی زینب کے ساتھ تھیں اور جب قریب دمشق جناب زینب کی شہادت واقع ہوئی تو آخری خدمات کا شرف حاصل کر کے قبر کی مجاوری اختیار کی اور اپنی شہزادی کے قدموں میں جانچے دی۔ آپ کی قبر بھی آج زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی صحیح تاریخ و قات معلوم نہ ہو سکی۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی قبر بائیں پائے حضرت زینب اسی روضہ میں ہے جس کو آج زینب بنت فاطمہ زہرا کا روضہ کہا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود جناب زینب کا دوبارہ شام کی طرف جانا ہی ثابت نہیں ہے۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ یہ روضہ بنات طاہرات جناب امیر المومنین میں سے کسی اور صاحبزادی کا ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

خدا ہر ایک اس مرد و عورت کو جو غلامی اہل بیت کا دم بھرتا ہے اس کنیز فاطمہ زہرا کے مزار کی زیارت کا شرف بخشے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

عمر: آپ کی عمر ایک سو بیس سال بتائی جاتی ہے۔



شہر یارب بن شیرویہ بن پرویز بن ہرمز بن نوشیرواں عادل "کسری" کی بیٹی تھیں۔ (ارشاد ص ۳۹۱) آپ معروفۃ النسب اور بہترین عورتوں میں سے تھیں۔ نوشیرواں عادل وہ بادشاہ ہے جس کے عہد میں پیدا ہونے پر سرور کائنات نے اظہار مسرت فرمایا ہے۔ شیخ سلیمان قندوری اور دیگر علمائے اسلام لکھتے ہیں کہ نوشیرواں کے عدل کی برکت تو دیکھو کہ اسی کی نسل کو آل محمد کے نور کی حامل قرار دیا اور ائمہ طاہرین کی ایک عظیم فرد کو اس کی لڑکی سے پیدا کیا جو نوشیرواں کی طرف منسوب ہے۔ پھر تحریر فرماتے ہیں کہ امام حسینؑ کی تمام بیویوں میں یہ شرف صرف جناب شہربانو کو نصیب ہوا جو حضرت امام زین العابدینؑ کی والدہ ماجدہ ہیں۔ (ینایح المودة ص ۳۱۵)

زمخشری نے اپنی کتاب ریح الابرار میں نبی کریمؐ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے صرف دو قبیلوں کو منتخب فرمایا، عرب میں سے قبیلہ قریش کو اور عجم میں سے ابن فارس کو۔ اور امام زین العابدینؑ فرمایا کرتے تھے کہ انا بن الخیرتین یعنی میں دو منتخب شدہ خاندانوں کا فرزند ہوں۔ یہ اس لیے کہ آپ کے جدناہ حضرت رسول خدا قریش کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور آپ کی والدہ گرامی بادشاہ یزدجرد (شاہ فارس عجم) کی دختر نیک اختر تھیں۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ جناب شہربانو کو "سیدۃ النساء" کہا جاتا ہے۔ (مناقب ج ۴ ص ۱۳۱)

## آپ کا نام

آپ کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ کشف الغمہ میں مرقوم ہے کہ آپ ام ولد تھیں اور آپ کا نام غزالہ تھا بلکہ ایک قول کے مطابق آپ کا نام

## جناب شہربانو

اسلام سے قبل دنیا کی ہر قوم میں یہ رواج عام تھا کہ حملہ آور قوم اپنی مفتوح قوم کے بقیۃ السیف کے لیے آزادی کی راہیں بند کر کے انھیں غلام بنالیتے تھے اور پھر ان کی اولاد موروثی غلام قرار دے لی جاتی تھیں، ان میں زیادہ تر عورتیں ہوتیں جو کنیز بنالی جاتی تھیں۔ ان کنیزوں میں شاہی خاندان کی عورتیں بھی ہوا کرتی تھیں لیکن اسلام نے شاہی خاندانوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کا ہمیشہ احترام کیا اور فرمایا "بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت نہ کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں" رسول خدا کا ارشاد ہے "تمہارے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو اگرچہ وہ تمہارا مخالف ہی کیوں نہ ہو" چنانچہ جب معزز خاندانوں کی عورتیں اسیر ہو کر آتی تھیں تو انھیں کنیز نہیں بنایا جاتا تھا بلکہ انھیں شوہر کے انتخاب کرنے کا اختیار دیا جاتا تھا اور ان کا مہر بیت المال سے ادا کیا جاتا تھا۔ انھیں معزز و محترم خواتین میں جناب شہربانو بھی ہیں جن کے اعزاز کو باقی رکھا گیا اور امام حسینؑ سے منسوب کیا گیا اور ان کے بطن سے جناب علی بن الحسینؑ امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے۔

## آپ کا خاندان

شیخ مفید تحریر فرماتے ہیں کہ جناب شہربانو بادشاہ ایران یزدجرد بن



شاہ زنان دخترینہ دجرد تھا اور اس کے علاوہ دوسرا نام بھی بتایا گیا ہے۔ (کشف الغمہ ج ۲ ص ۲۶۰، ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۱۳)

حافظ عبدالعزیز کا قول ہے کہ آپ کو سلفہ کہتے تھے اور ابراہیم بن اسحاق کا بیان ہے کہ آپ کا اسم گرامی غزالہ تھا اور آپ ام ولد تھیں۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۱۲) ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ کا نام خولہ تھا۔

## آپ کے حالات

انخراج و انجراخ میں بیان کیا گیا ہے کہ جناب جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ جب یزدجرد بن شہر بار کی بیٹی جو شاہان فارس میں آخری بادشاہ تھا اور حضرت عمر کے زمانہ میں جس کی حکومت کا خاتمہ ہوا، مدینہ میں داخل ہوئیں تو مدینہ کی لڑکیوں نے انھیں غور سے دیکھا اور ان کے چہرے کی روشنی سے پوری مجلس جگمگا اٹھی۔ جب حضرت عمر پر ان کی نظر پڑی تو کہنے لگیں ”آہ بیروز باد ہر مز“ یہ سن کر حضرت کو غصہ آیا اور کہنے لگے کہ اس عجیبی کافرہ نے مجھے گالی دی ہے اور انھوں نے اس کو سزا دینی چاہی لیکن امیر المومنین علی بن ابی طالب نے فرمایا کہ جو چیز آپ کو معلوم نہ ہو اس سے آپ کو انکار کا حق نہیں۔ پھر حضرت عمر نے ان کو فروخت کے لیے اعلان کر دیا۔ آپ نے فرمایا کہ بادشاہوں کی بیٹیوں کو فروخت کرنا جائز نہیں خواہ وہ کافرہ ہی کیوں نہ ہو۔ آپ انھیں حکم دیں کہ وہ مسلمانوں میں سے کسی کو منتخب کر لیں تاکہ اس سے شادی ہو جائے اور اس شخص کو بیت المال سے جو ملے اس میں اس کا مہر اور اس مہر کو اس کی قیمت میں محسوب کر لیں۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں یہی کرتا ہوں۔

چنانچہ دخترینہ دجرد کو یہ تجویز پیش کی گئی کہ وہ کسی کا انتخاب کر لیں۔ یہ سن کر وہ چلیں اور انھوں نے امام حسینؑ کے کاندھے پر اپنا ہاتھ رکھا حضرت امیر المومنینؑ نے دخترینہ دجرد سے دریافت فرمایا کہ اے کنیز! چہ نام داری (اے کنیز! تیرا کیا نام ہے؟) انھوں نے عرض کیا کہ میرا نام جہاں شاہ ہے۔ آپ نے فرمایا بلکہ تمہارا نام شہر بانو ہے جس پر وہ کہنے لگیں کہ یہ تو میری بہن کا نام ہے۔ آپ نے فرمایا بے شک تم ٹھیک کہتی ہو۔ پھر آپ امام حسینؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اس کا بہت خیال رکھنا اور اس کے ساتھ نسکی سے پیش آنا۔ اس کے بطن سے وہ بچہ پیدا ہوگا جو تمہارے بعد اپنے وقت کا اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا اور یہ ذریت طیبہ کے اوصیاء کی ماں ہوگی۔ چنانچہ انھیں کے بطن سے امام علی بن الحسینؑ پیدا ہوئے۔ (الکافی ج ۱ ص ۶۶۴، نہر انجراخ و رمز البصائر باب ج ۷ الذریعہ ج ۷ ص ۱۳۶)

مروی ہے کہ جناب شہر بانو نے امام حسین علیہ السلام کو اس وجہ سے منتخب کیا تھا کہ انھوں نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا تھا اور اپنی گرفتاری سے قبل ہی آپ اسلام لاکچلی تھیں۔

اصل واقعہ یہ ہے جسے آپ نے خود بیان کیا کہ مسلمانوں کے لشکر کی آمد سے قبل میں نے خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر میں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ امام حسینؑ بھی ہیں اور آپ نے ان سے میرا نکاح پڑھا۔ جب صبح ہوئی تو میرے دل میں سوائے اس خواب کے اور کوئی بات نہ تھی۔ جب دوسری شب آئی تو میں نے دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو خواب میں دیکھا کہ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور مجھے اسلام لانے کی دعوت دی۔ چنانچہ میں اسلام لے آئی پھر مجھ سے



اور اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں اور بالخصوص یہ کہ انھیں میں سے میری اولاد اور ذریت پیدا ہوگی، میں تمھیں اور خدائے تعالیٰ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان لوگوں میں سے ملنے والے اپنے حصہ مال غنیمت سے رضائے خداوندی کی خاطر ہاتھ اٹھالیا۔ یہ سن کر تمام بنی ہاشم کہنے لگے ہم نے بھی اپنا حق آپ کو بخش دیا۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ پالنے والے تو گواہ رہنا کہ ان لوگوں نے جو اپنے حصے مجھے بخشے ہیں میں نے بھی تیری خوشنودی کے لیے انھیں چھوڑ دیا۔ اس کے بعد مہاجرین و انصار کے گروہ نے کہا کہ اے رسولؐ کے برادر! ہم بھی اپنا حق آپ کو بخشتے ہیں۔

جناب امیر المومنین علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ پروردگار! تو گواہ رہنا کہ ان لوگوں نے بھی اپنا حق مجھے بخش دیا اور میں نے اسے قبول کیا نیز گواہ رہنا کہ میں نے انھیں تیری راہ میں آزاد کیا۔ حضرت عمر کہنے لگے کہ ان عجمیوں کے بارے میں کس لیے آپ نے میری مخالفت کی اور ان لوگوں کے بارے میں میری جو رائے تھی آپ اس سے کیوں کنارہ کش ہو گئے۔ جناب امیر المومنینؑ نے شرفائے قوم کے احترام کے بارے میں ارشاد نبویؐ کو دہرایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ اے ابوالحسن! میں نے بھی اس حصہ کو جو میرے لیے مخصوص ہے اور وہ باقی حصے جو آپ کو ہبہ نہیں کیے گئے خدا کو اور آپ کو بخش دیے۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے بارگاہ الہی میں عرض کیا کہ بار الہا! تو گواہ رہنا اس پر جو انھوں نے کہا اور میرے ان کے آزاد کرنے پر بھی گواہ رہنا۔

اس کے بعد قریش کے ایک گروہ نے ان عورتوں سے نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ یہ عورتیں اس سے انکار

فرمایا کہ مسلمان فتح پائیں گے اور تم عنقریب میرے فرزند حسینؑ کے پاس صحیح و سالم اس طرح پہنچو گی کہ تمھیں کسی برائی نے نہ چھوا ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ میں مدینہ میں اس حالت میں آئی کہ کسی نے مجھے چھوا تک نہیں۔

ارشاد مفید میں منقول ہے کہ جب شاہ زباں بنت کسریٰ اسیر ہو کر آئیں تو حضرت امیر المومنینؑ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم نے واقعہ فیل کے سلسلہ میں اپنے باپ سے کیا سنا ہے تو عرض کرنے لگیں کہ مجھے یاد ہے کہ وہ کہا کرتے تھے کہ جب خداوند عالم کسی کو اپنی گرفت میں لیتا ہے تو اس کے سامنے بڑی بڑی خواہشیں ملیا میٹ ہو جاتی ہیں اور جب مدت پوری ہو جاتی ہے تو پھر موت کا کوئی بہانہ ہو جاتا ہے۔ یہ سن کر جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ تمھارے باپ نے کیا عمدہ بات کہی ہے کہ تقدیر کے سامنے تمام امور عاجز ہو جاتے ہیں اور انسان کی موت خود اسی کی تدبیر سے آجاتی ہے (ارشاد المفید ص ۱۶۰)

کتاب دلائل الامتہ میں ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم طبری بیان کرتے ہیں کہ جب فارس کے قیدی مدینہ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے چاہا کہ قیدی عورتوں کو فروخت کر دیا جائے اور مردوں کو غلام بنالیا جائے۔ امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر قوم کے معزز لوگوں کا احترام کرنا چاہیے۔

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں نے بھی آنحضرتؐ کو یہی فرماتے ہوئے سنا ہے کہ تمھارے پاس جب کسی قوم کا معزز آدمی آئے تو تم اس کا احترام کرو اگرچہ وہ تمھارا مخالف ہی کیوں نہ ہو۔ جناب امیر المومنین علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ یہ تو وہ لوگ ہیں جنھوں نے تم سے دوستی کی خواہش کی ہے



ارشاد مفید میں منقول ہے کہ امام حسین علیہ السلام کے بعد ان کے فرزند ابو محمد علی زین العابدین علیہ السلام منصب امامت پر فائز ہوئے جن کی کنیت ابو احسن ہے اور مادر گرامی شاہ زنان دختر یزدجرد بن شہر یار کسری ہیں۔ کہا گیا ہے کہ ان کا نام شہر بانو تھا اور جناب امیر المومنینؑ نے حریث بن جابر کو مشرقی حصے پر عامل مقرر فرمایا تو یزدجرد بن شہر یار کی دونوں بیٹیوں کو ان کے پاس روانہ کیا۔ آپ نے ان میں سے شاہ زنان کو امام حسین علیہ السلام کو عطا فرمایا جن سے امام زین العابدینؑ پیدا ہوئے اور دوسری بیٹی کو محمد بن ابی بکر کو بخش دیا جن سے قاسم بن محمد بن ابی بکر کی ولادت ہوئی۔ (ارشاد شیخ مفید ص ۲۶۹، ترجمہ بحار الانوار ج ۶ ص ۱۸)

اس طرح امام زین العابدینؑ اور جناب قاسم بن محمد بن ابی بکر دونوں خاندان بھائی ہیں۔

ہمارے نزدیک جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ کا قول زیادہ مستند اور قرین قیاس ہے۔

## وفات

امام زین العابدین علیہ السلام کی ولادت ۵ جمادی الاولیٰ یا بقول ۵ شعبان ۳۸ھ میں بمقام مدینہ منورہ ہوئی لیکن افسوس آپ اپنی ماں کی آغوش میں پرورش پانے کا لطف اٹھانہ سکے۔ آپ کی ولادت کے فوراً ہی بعد آپ کی مادر گرامی جناب شہر بانو کی وفات ہو گئی۔ (جلال العیون)

امام حسین علیہ السلام کی ایک کنیز نے امام زین العابدین علیہ السلام کو پرورش کیا۔ آپ اس کنیز کو ماں کہتے تھے۔ جب امام حسین علیہ السلام کی

تو نہیں کریں گی لیکن انھیں اپنے لیے انتخاب کا اختیار ہے۔ چنانچہ لوگوں کی ایک جماعت نے جناب شہر بانو دختر کسری کی طرف اشارہ کیا اور انھیں اس انتخاب کا اختیار دیا گیا اور پردے کے پیچھے سے ان سے اس بارے میں کہا گیا کہ آپ ان میں سے کس شخص کا اپنے لیے انتخاب کرتی ہیں؟ یہ سن کر محترمہ خاموش رہیں اور جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ ان کی اس خاموشی سے پتہ چلتا ہے کہ راضی ہیں لیکن ابھی انتخاب کا مرحلہ باقی رہ گیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے کہا کہ ان کی رضا بر غبت کا کیسے علم ہو گیا کہ وہ شادی کرنے کے لیے تیار ہیں؟ جناب امیر المومنینؑ نے فرمایا کہ آنحضرتؐ کے پاس جب کسی قوم کی شریف زادیاں حاضر کی جاتی تھیں جن کا کوئی ولی نہ ہوتا اور وہ کسی شخص سے منسوب کی جاتی تھیں تو آپ ان سے فرماتے کہ کیا تم برضا و رغبت شادی کے لیے راضی ہو؟ اگر وہ شرم و حیا کی وجہ سے خاموش رہتیں تو ان کی خاموشی کو ان کی اجازت سمجھ لیا جاتا تھا اور آنحضرتؐ ان کے نکاح کے احکام جاری فرمادیتے بصورت دیگر جب وہ انکار کر دیتیں تو ایسی عورتوں کو شوہروں کے انتخاب کرنے پر مجبور نہ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ جناب شہر بانو سے بھی کہا گیا تو انھوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا اور حضرت امام حسینؑ کو منتخب کر لیا۔ ان سے اس انتخاب کے بارے میں دوبارہ کہا گیا پھر بھی انھوں نے اپنے ہاتھ سے امام حسین علیہ السلام کی طرف اشارہ کیا اور کہا کہ ”هٰذا“ (وہ یہ ہیں) اور اپنا ولی امیر المومنینؑ کو بنایا اور جناب حدیفہ نے خطبہ نکاح پڑھا۔ جب امیر المومنین علیہ السلام نے ان کا نام پوچھا تو انھوں نے شاہ زنان دختر کسری بتایا جس پر آپ نے فرمایا کہ تم شہر بانو ہو اور تمھاری بہن مروارید دختر کسری ہے۔ انھوں نے اس کا اقرار کیا۔ (دلائل الامامہ ص ۸۱ مطبوعہ)



# جناب حمیدہ خاتون

## نام و نسب

آپ کا نام حمیدہ تھا ملک بربر کی رہنے والی تھیں۔ بعضوں نے آپ کو اندیسی کہا ہے۔ علامہ ابن شہر آشوب لکھتے ہیں کہ آپ کے والد ماجد صاعد بربری تھے اور آپ کی کنیت لولؤ (موتی) تھی۔ (مناقب ج ۷ ص ۷۶)

آپ صاحب جمال و کمال اور نہایت دیانت دار تھیں۔ علامہ مجلسی کا کہنا ہے کہ وہ ہر نسوانی آلائش سے پاک تھیں۔

## خدمت امام جعفر صادق علیہ السلام میں آپ کی آمد

قطب راوندی اور دیگر حضرات نے ابن عکاشہ اسدی سے روایت کی ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو جعفر امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضری دی اس وقت وہاں آپ کے صاحبزادے امام جعفر صادق بھی موجود تھے۔ آپ نے انکو طلب فرمائے۔ درمیان گفتگو ابن عکاشہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنے ان صاحبزادے کی شادی کیوں نہیں کرتے، اشارہ اللہ اب تو یہ شادی کے قابل بھی ہو گئے ہیں۔ اس وقت آپ کے سامنے سر بہرہ (رقم کی) تھیلی رکھی ہوئی تھی۔ آپ نے فرمایا ہاں عنقریب ایک بردہ فروش اہل بربر سے آنے والا ہے اور وہ خانہ میمونہ میں قیام کرے گا

شہادت ہو گئی تو امام زین العابدینؑ نے اس کنیز کی اپنے شیعوں میں سے ایک کے ساتھ اس کی شادی کر دی۔ اس سبب سے یہ شہرت ہو گئی کہ امام زین العابدینؑ نے اپنی ماں کی ایک شیعہ سے شادی کر دی تھی۔ (جلال العیون ص ۹۹)

خدا نے نوشیروان عادل کو اس کے عدل کا یہ صلہ دیا کہ اس کی پوتی جنا شہر بانو نے نواسہ رسولؐ حضرت امام حسین علیہ السلام کی زوجیت اور امام چہارم حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی ماں بن کر ام الائمہ ہونے کا شرف حاصل فرمایا۔



تو میں اس کے لیے اس رقم کی تھیلی سے ایک کنیز خریدوں گا۔

راوی کا بیان ہے کہ اس بات کو چند دن گزرے کہ میں ایک دن پھر امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا وہ بردہ فروش جس کا ذکر میں نے کیا تھا وہ آگیا ہے۔ تم جاؤ اور اس سے ایک کنیز خرید لاؤ۔ یہ کہہ کر رقم کی تھیلی آپ نے مجھے دے دی۔ الغرض ہم اس تھیلی کو لیے ہوئے بردہ فروش کے پاس پہنچے۔ اس نے بتایا کہ ہم ساری کنیزیں فروخت کر چکے ہیں علاوہ دو

کنیزوں کے جو بیمار ہیں، وہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ہم نے دونوں کو دیکھنے کی فرمائش کی۔ چنانچہ وہ انھیں لایا ہم نے ایک کنیز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کی کیا قیمت لو گے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا ستر سے ایک دینار بھی کم نہ لوں گا۔ اس پر ہم نے کہا کہ اچھا اس تھیلی میں جس قدر رقم ہے اس پوری رقم کے عوض اسے خریدنے کے لیے تیار ہیں، ہمیں معلوم نہیں کہ اس میں کتنی رقم ہے؟ بولو کیا تھیں یہ سودا منظور ہے؟

اس وقت اس بردہ فروش کے پاس ایک بوڑھا شخص جس کی داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے، بولا: ”تھیلی کھول کر دیکھو تو کتنی رقم ہے؟“ بردہ فروش نے کہا نہیں، تھیلی مت کھولو۔ اگر اس میں ستر سے ایک بھی کم ہوا تو میں اسے فروخت نہ کروں گا۔ اس بزرگ نے کہا ذرا کھولنے تو دو اس کے کہنے پر ہم نے وہ تھیلی کھولی اور رقم شمار کی تو پورے ستر ہی دینار تھے۔

چنانچہ ہم اس کنیز کو لے کر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت امام جعفر صادق علیہ السلام آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے۔ ہم لوگوں نے اس کی خریداری کا سارا واقعہ بیان کیا تو آپ نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اس کنیز سے اس کا نام دریافت فرمایا۔ اس نے کہا حمیدہ۔

آپ نے فرمایا تو دنیا میں حمیدہ ہے اور آخرت میں محمودہ ہے۔ آپ نے مزید دریافت فرمایا کہ آیا وہ شادی شدہ ہے؟ اس نے جواب دیا غیر شادی شدہ۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے؟ بردہ فروشوں کے ہاتھ تو جو چیز لگتی ہے وہ اس کو خراب ہی کر دیتے ہیں۔ حمیدہ نے کہا ہاں، یہ بردہ فروش ہمارے پاس بری نیت سے جب بھی آتا تو ایک مرد پیر سال جس کی داڑھی اور سر کے بال دونوں سفید تھے، اس کو طابخے مار مار کر نکال دیا کرتے اور وہ بردہ فروش ہمارے پاس بھی نہ آ سکتا تھا اور ایسا کتنی بار ہوا اور خصوصاً میں تو اس سے بالکل ہی محفوظ رہی۔

اس کے بعد آپ نے اپنے صاحبزادے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے فرمایا، یہ کنیز تم لے لو کیونکہ اس کے بطن سے موسیٰ بن جعفر پیدا ہوں گے جو روئے زمین پر سب سے بہتر ہوں گے۔ (جلال العیون ص ۵۲۵-۵۲۴)

## جناب حمیدہ کی عفت پر نص امام

موسیٰ بن خنیس سے روایت ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حمیدہ تمام گندگیوں سے پاک ہے جس طرح کھرا سونا۔ فرشتے اس کی ہمیشہ حفاظت کرتے رہے یہاں تک کہ وہ ہم تک پہنچی۔ یہ اللہ کا کرم ہے مجھ پر اور میرے بعد کے حجت خدا پر۔

## امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی ولادت

ابو بصیر سے روایت ہے کہ جس سال حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے فرزند حضرت امام موسیٰ کاظم کی ولادت ہوئی میں آپ کے ساتھ سفر میں تھا



نرم، شہد سے زیادہ شیریں اور برف سے زیادہ ٹھنڈا تھا وہ اس نے آپ کو پلایا اور کہا کہ اب آپ اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے جائیں۔ آپ خوش و خرم اٹھے اور آپ نے اپنی زوجہ سے مقاربت فرمائی اس طرح میرے جد کا استقرار حمل ہوا اور جس شب کو میرے والد کا استقرار حمل ہوا تو اس شب کو بھی میرے جد کے پاس ایک غیبی ہستی آئی اور اس نے میرے جد کو بھی ویسا ہی کا سہ آب پلایا جیسا میرے جد کے والد کو پلایا تھا اور کہا جائے۔ آپ بھی خوش خوش کھڑے ہوئے اور اپنی زوجہ سے مقاربت فرمائی۔ اسی شب میرے والد کا استقرار حمل ہوا اور آپ کو بھی ویسا ہی کا سہ آب پیش کیا اور ان سے بھی وہی کہا۔ چنانچہ وہ بھی خوش و خرم اٹھے اور اپنی زوجہ کے پاس تشریف لے گئے۔ اس طرح میرا استقرار حمل ہوا اور جس شب کو میرے اس فرزند کا استقرار حمل ہوا اس شب کو میرے پاس بھی وہی غیبی ہستی آئی۔ اس نے مجھے بھی ویسا ہی کا سہ آب پلایا اور مجھ سے بھی زوجہ سے مقاربت کے لیے کہا۔ چنانچہ میں بھی خوش و خرم اٹھا اور یہ جانتے ہوئے کہ اللہ ہمیں کیا عطا کرنے والا ہے میں نے اپنی زوجہ سے صحبت کی اور اس مولود کا استقرار حمل ہوا۔ اب یہ میرے بعد تمہارا امام ہو گا۔

اس کے بعد آپ نے فرمایا دیکھو، امام کا نطفہ یوں قرار پاتا ہے اور جب یہ نطفہ رحم مادر میں چار ماہ تک رہ لیتا ہے تو اس میں روح پیدا کی جاتی ہے۔ پھر اللہ اس کے پاس ایک فرشتہ بھیجتا ہے جس کا نام حیوان ہے اور وہ اس کے داہنے بازو پر یہ لکھ دیتا ہے وَتَمَّتْ کَلِمَةُ رَبِّکَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (سورہ انعام ۱۱۵) اور جب اس کا بطن مادر سے وضع حمل ہوتا ہے تو وہ اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھتا اور سر آسمان کی طرف بلند کرتا ہے

جب ہم لوگ مقام ابوار پر ٹھہرے تو حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے لیے قسم قسم کے لذیذ کھانوں کا دسترخوان بچھایا۔ ابھی ہم کھانے میں مشغول ہی تھے کہ جناب حمیدہ نے کسی کی معرفت پیغام بھیجا کہ مجھے درد زہ سے سخت تکلیف ہے اور آپ کا حکم ہے کہ اس بچے کی ولادت کے سلسلہ میں بغیر آپ کے پوچھے کوئی تدبیر نہ کروں، آپ کا کیا حکم ہے۔ یہ سن کر حضرت امام جعفر صادق خوش و خرم اٹھے اور تھوڑی دیر کے بعد مسکراتے ہوئے تشریف لائے۔ ہم نے عرض کیا اللہ ہمیشہ آپ کی آنکھوں کو خنک اور دندان مبارک کو متبسم رکھے، جناب حمیدہ خاتون نے کس ہستی کو جنم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا، اللہ نے مجھے ایک ایسا فرزند عطا کیا ہے جو اللہ کی مخلوقات میں سب سے بہتر ہے اور بچے کی والدہ نے مجھے اس بچے کے متعلق وہ باتیں بتائیں جو میں اس کے متعلق اس سے زیادہ جانتا تھا۔ میں نے عرض کیا میں آپ پر قربان، انھوں نے اس بچے کے متعلق آپ سے کیا بیان کیا؟ آپ نے فرمایا کہ انھوں نے یہ بیان کیا کہ اس بچے نے پیدا ہوتے ہی اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے اور سر آسمان کی طرف بلند کیا۔ میں نے حمیدہ سے کہا کہ رسول کی ولادت کے وقت آنحضرت کی رسالت کی پہچان بھی یہی تھی اور آپ کے بعد یہی عمل ہر امام کی امامت کی بھی پہچان ہے۔ میں نے کہا میں آپ پر قربان، امام کی علامات اور پہچان کیا ہیں؟

آپ نے ارشاد فرمایا سنو! جس شب کو میرے جد (امام زین العابدین) کا استقرار حمل ہوا اس شب کو میرے والد کے جد (امام حسین) آرام فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس ایک غیبی ہستی ایک کا سہ لے کر آئی جس میں ایک قسم کا شربت تھا جو پانی سے زیادہ رقیق، دودھ سے زیادہ سفید، مکھن سے زیادہ



## اہل مدینہ کی تین دن تک دعوت

منہال قصاب کا بیان ہے کہ میں مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ جا رہا تھا تو مقام ابواء سے گزرا اس وقت حضرت امام جعفر صادق کے یہ (امام موسیٰ کاظم) تولد ہو چکے تھے۔ میں آپ سے پہلے مدینہ پہنچ گیا اور امام علیہ السلام ایک دن بعد پہنچے تو آپ نے تین دن تک لوگوں کی دعوت عام کی اور میں بھی دعوت کے کھانے والوں میں سے تھا اور پہلے دن اتنا کھانا کھا لیا کہ دوسرے دن تک پھر کھانے کی حاجت نہ ہوئی اور پھر جب دوسرے دن کھایا تو اتنا کہ تیسرے دن تک کھانے کی خواہش نہ ہوئی اور اس طرح میں تین دن تک اس دعوت میں شریک رہا اور خوب سیر ہو کر کھایا۔ (ترجمہ بحار الانوار ص ۱۲۰-۱۲۱ ج ۱۲)

جلال العیون ص ۵۲۶-۵۲۵

## دوسری روایت جناب حمیدہ کا خدمت امام میں پہنچنا

ہشام بن احمر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک مرتبہ سخت گرمی کے ایک دن میرے پاس ایک آدمی کو بھیج کر مجھے بلایا اور مجھ سے فرمایا کہ فلاں افریقی کے پاس چلے جاؤ اس کے پاس ایک کنیز ہے جس کے اوصاف یہ ہیں اور اس حلیہ کی وہ کنیز ہے۔ حسب احکم میں اس افریقی کے پاس گیا اور اس کے پاس جتنی کنیزیں تھیں سب کو دیکھا مگر جن اوصاف اور حلیہ کی کنیز آپ نے بتائی تھی وہ نظر نہیں آئی۔ میں نے واپس آکر عرض کیا کہ ان اوصاف کی کوئی کنیز اس کے پاس نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا دوبارہ جاؤ، اس کے پاس ان اوصاف کی ایک کنیز ہے۔

اور جب وہ مولود ایسا کرتا ہے تو منجانب رب العزت افق اعلیٰ سے ایک منادی درمیان عرش اس کا اور اس کے باپ کا نام پکار کر کہتا ہے کہ اے فلاں بن فلاں میں نے تیرے عظیم وجود کے لیے تین باتیں طے کر دیں۔ ایک یہ کہ تو میری مخلوقات میں میرا منتخب بندہ ہے، میرے اسرار علمی کا خزینہ، میری وحی کا امین اور میری زمین پر میرا خلیفہ ہے۔

دوسرے یہ کہ تیرے اور تیرے ماننے والوں کے لیے میری رحمت لازمی ہے۔ میں نے تجھے اور تیرے ماننے والوں کو اپنی جنت بخش دی اور اپنے قرب و جوار میں جگہ دی۔ تیسرے یہ کہ تیرے دشمنوں کو شدید عذاب میں مبتلا کروں گا خواہ میں نے دنیا میں انھیں کتنی ہی وسعت رزق کیوں نہ دی ہو۔ آپ نے فرمایا کہ جب منادی کی یہ آواز ختم ہوتی ہے تو یہ مولود اپنے دونوں ہاتھ زمین پر رکھے ہوئے اور سر آسمان کی طرف بلند کیے ہوئے یہ کہتا ہے

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْمَلَأَ مَكَّةَ وَأَوَّلُوا الْعِلْمَ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ آل عمران آیت ۱۸)

جب وہ مولود یہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو علم اولین و آخرین عطا فرماتا ہے اور وہ اس امر کا مستحق ہوتا ہے کہ شب قدر میں اس پر روح کی زیادتی ہو۔ راوی کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا کیا روح سے مراد جبرئیل نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ روح ایک مخلوق ہے جو جبرئیل سے بھی بڑی ہے۔ جبرئیل ملائکہ میں سے ہے اور روح ملائکہ سے بڑی مخلوق ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تَنْزِلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ

(سورہ القدر آیت ۴)



## جناب حمیدہ خاتون کے ذریعہ شیعوں کو امام کی جانب سے نماز کے لیے تاکید

ابو بصیر سے روایت ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات پر تعزیت کے لیے جناب حمیدہ خاتون کے پاس گیا۔ وہ رونے لگیں اور ان کے رونے پر مجھے بھی رونا آگیا۔ پھر بولیں اے ابو محمد! اگر تم حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق کو وقت احتضار دیکھتے تو تمہیں تعجب ہوتا۔ انہوں نے اسی عالم احتضار میں آنکھیں کھولیں اور فرمایا ہر اس شخص کو جس کے اور میرے درمیان قربت ہے میرے پاس بلاؤ۔ ہم نے ایک ایک کر کے سب ہی کو جمع کیا اور ان کے پاس پہنچے۔ آپ نے ایک سرسری نظر سب پر ڈالی پھر فرمایا: سنو! ہماری شفاعت اس کو نصیب نہ ہوگی جو نماز کا استخفاف کرے گا۔ یعنی نماز کو خفیف اور سبک جان کر پڑھے گا اس کو ائمہ کی شفاعت نصیب نہ ہو سکے گی۔ (قواب الاعمال ص ۲۰۵، ترجمہ بحار الانوار ج ۸ ص ۹۴)

## امام نے آپ کو اپنا وصی بنایا

ابو ایوب خوزی کا بیان ہے کہ مجھے ابو جعفر منصور نے نصف شب میں طلب کیا۔ جب میں پہنچا تو دیکھا کہ وہ کرسی پر بیٹھا ہے سامنے شمع اور ہاتھ میں ایک خط ہے۔ میں نے سلام کیا تو اس نے وہ خط میری طرف پھینک دیا اور بولا لو دیکھو، یہ محمد بن سلیمان کا خط ہے جس میں یہ تحریر ہے کہ جعفر بن محمد نے وفات پائی۔ یہ کہہ کر وہ رونے لگا اور بولا انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ اس نے تین بار کہا، پھر بولا افسوس اب جعفر بن محمد کا مثل کہاں ہے۔

الغرض میں پھر اس افریقی کے پاس گیا۔ اس نے قسم کھائی کہ میرے پاس جتنی کنیزیں تھیں سب دکھا دیں بس صرف ایک کنیز ہے جو بیمار ہے، اس کے سر کے بال تک کٹے ہوئے ہیں، وہ اس قابل نہیں کہ دکھائی جاسکے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے دکھاؤ تو سہی۔ اس نے میری بات مان لی اور پھر وہ بیمار کنیز دو کنیزوں کا سہارا لیے ہوئے آئی۔ میں نے وہ اوصاف و علامات اس میں دیکھیں، پوچھا اس کی کیا قیمت ہے؟ اس نے کہا تم اس کنیز کو ان کے پاس پہنچا دو، وہی فیصلہ کریں گے کہ اس کی کیا قیمت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد اس نے بتایا کہ جب سے میں نے اس کو خریدا ہے ہر چند کوشش کی مگر اس پر قدرت نہ پاسکا اور جس سے میں نے اس کو خریدا وہ بھی اس پر قدرت نہ پاسکا تھا اور اس کنیز کا حلفیہ بیان ہے کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میری گود میں ایک چاند ہے۔

الغرض میں نے یہ ساری باتیں امام جعفر صادق علیہ السلام کو جا کر بتائیں تو آپ نے دو سو دینار مجھے دیے۔ میں وہ لے کر پھر اس مرد افریقی کے پاس آیا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اس کی کوئی قیمت بھی نہ بھیجتے تو بھی میں اس کو راہ خدا میں آزاد کر دیتا۔ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے جا کر اس کی یہ بات پھر کہی۔ آپ نے ارشاد فرمایا اے ابن احمد! اس کنیز کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے ادرا اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ شیخ مفید نے اپنی کتاب الارشاد میں ہشام بن احمد سے اسی کے مثل روایت تحریر کی ہے مگر اس میں یہ ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر نے اس کنیز کو خریدنے کا حکم دیا تھا اور وہی حضرت امام رضا علیہ السلام کی والدہ گرامی تھیں۔ (کتاب الارشاد ص ۳۲۸)



وہ فاطمہ بنت الحسین الاثرم بن حسین بن علی بن ابی طالب تھیں۔ اثرم اس کو کہتے ہیں کہ جس کے آگے کے دانت گر گئے ہوں۔ یہ بہت تند مزاج تھیں اور رشک نسوانی کا مادہ بہت زیادہ تھا۔ یہ گوارا نہ تھا کہ ان کے شوہر کسی اور کنیز سے بھی مقاربت کریں۔ غالباً اسی وجہ سے کوئی اور زوجہ امام جعفر صادق کی نہ تھیں اور کنیزیں بھی کم ہی تھیں۔ آپ کی دس اولادیں تھیں سات لڑکے اور تین لڑکیاں جن کے نام یہ ہیں: (۱) اسماعیل (۲) عبداللہ (۳) ام فروہ۔ یہ تینوں فاطمہ بنت الحسین اثرم سے ہیں۔ (۴) موسیٰ کاظم (۵) اسحاق (۶) محمد۔ ان تینوں کی والدہ حمیدہ خاتون ہیں۔ (۷) عباس (۸) علی (۹) اسمار (۱۰) فاطمہ صغریٰ۔ یہ سب مختلف ماؤں سے تھے جو بقول ابن شہر آشوب سب ام ولد یعنی کنیز تھیں۔ (نورالمشرقیین من حیاة الصادقین حصہ دوم ص ۲۴۲-۲۴۳) اگرچہ امام جعفر صادق علیہ السلام کی ایک زوجہ خاندان بنی ہاشم سے تھیں مگر خدا نے حجت خدا کی ماں ہونے کا شرف ان کی موجودگی میں جناب حمیدہ بصفاء کو عطا کیا گیا اس کو کہتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست تانہ بخشد خدائے بخشندہ

## آپ کے بیٹوں کے مختصر حالات

### اسحاق بن جعفر

یہ نہایت متقی، پرہیزگار، صاحب فضل و اجتہاد تھے۔ اپنے بھائی حضرت موسیٰ کاظمؑ کی امامت کے قائل تھے۔ شکل و صورت میں جناب رسول خدا سے مشابہ تھے۔ ان سے لوگوں نے بہت سی احادیث و اخبار کی روایت کی ہیں۔

پھر مجھ سے مخاطب ہوا کہ اس کا جواب لکھو۔ میں نے خط کا سرنامہ لکھا تو وہ بولا لکھو! اگر جعفر بن محمد نے کسی کو اپنا وصی بنایا ہو تو اسے بلاؤ اور اس کی گردن مار دو۔

اس کا جواب وہاں سے یہ لکھ کر آیا کہ جعفر بن محمد نے پانچ اشخاص کو اپنا وصی بنایا ہے ان میں ایک تو خود ابو جعفر منصور ہیں، دوسرے محمد بن سلیمان، پھر عبداللہ بن جعفر اور موسیٰ بن جعفر اور حمیدہ۔ منصور نے یہ جواب پا کر کہا، پھر ان لوگوں کو تو قتل نہیں کیا جاسکتا۔ (غیب طوسی ص ۱۲۹، الکافی ج ۱ ص ۳۱۰)

## جناب حمیدہ خاتون کی اولاد

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ کا اسم گرامی حمیدہ تھا اور آپ ام ولد تھیں۔ امام موسیٰ کاظمؑ کے علاوہ (۲) اسحاق (۳) محمد اور (۴) فاطمہ بھی آپ ہی کے بطن سے تھے۔ فاطمہ جن کی شادی محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبداللہ بن عباس سے ہوئی اور ان ہی کے پاس ان کا انتقال ہو گیا۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۸ ص ۲۷۲)

مناقب ابن شہر آشوب میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد کی تعداد دس مرقوم ہے اور حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام، محمد دیباج اور اسحاق تینوں کو حمیدہ خاتون کے بطن سے بتایا ہے جو ام ولد تھیں۔ جناب امام جعفر صادق علیہ السلام کی صرف ایک بیوی تھیں جن کا نام فاطمہ تھا۔ جناب شیخ مفید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ وہ فاطمہ بنت حسین بن علی بن الحسین بن علی علیہ السلام تھیں اور یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ حافظ عبدالعزیز ابن الاخضر انجبا بذی کہتے ہیں کہ



سب سے زیادہ عالی قدر، مرتبہ میں بلند ترین اور عوام الناس میں بہت مشہور تھے۔ آپ کے دور میں نہ آپ جیسا سخی نظر آتا تھا اور نہ آپ سے بڑھ کر کریم النفس، آپ سب سے زیادہ عبادت گزار، زاہد و متقی اور سب سے زیادہ جلیل القدر اور فقیہ زمانہ تھے۔ آپ کے پدر بزرگوار کے سارے ماننے والے آپ کی امامت کے قائل ہیں اور آپ کے حکم کو تسلیم کرتے ہیں اور آپ کی امامت کے متعلق آپ کے پدر بزرگوار کی نص اور جانشینی کے متعلق ارشادات کی روایت کرتے ہیں۔ آپ سے علوم دین حاصل کرتے ہیں اور آپ کے متعلق ایسے معجزات و علامات بیان کرتے ہیں جن سے آپ کی امامت اور اللہ کی حجت ثابت ہوتی ہے۔ آپ کے فضائل و محاسن احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ ان کے تذکرہ کے لیے علیحدہ ایک کتاب کی ضرورت ہے۔ منصور خلیفہ آپ کا بہت دشمن تھا، مدینہ میں جاسوس چھوڑے ہوئے تھے کہ معلوم کریں کہ شیعوں کا کام کون ہے اور کس پر وہ مجتمع ہوئے ہیں تاکہ انھیں پکڑ کر قتل کرے۔ لہذا اکثر آپ کو بحالت تقیہ رہنا پڑتا تھا۔ (ترجمہ بحار الانوار، نورالمشرقیں حصہ دوم)

دختر

علامہ مجلسی نے ایک بیٹی کا تذکرہ کیا ہے جن کا نام فاطمہ تھا۔ ان کی شادی محمد بن ابراہیم بن محمد بن علی بن عبد اللہ بن عباس سے ہوئی اور ان ہی کے پاس ان کا انتقال ہو گیا۔

## عمر، وفات اور دفن

آپ کی عمر، وفات اور آپ کہاں دفن ہوئیں، ان تینوں باتوں کی تفصیلاً سے تاریخ خاموش ہے۔

چنانچہ جب کوئی شخص ان سے روایت حدیث کو نقل کرتا تھا تو یہ کہتا تھا کہ بیان کیا مجھ سے ثقہ و رضی اسحاق بن جعفر نے۔

ان کا نکاح نفیسہ بنت حسن الانور بن زید بن حسن بن علی بن ابی طالب سے ہوا تھا جس سے قاسم و ام کلثوم پیدا ہوئے۔ یہ عبادت و زہد میں مشغول رہتی تھیں، دن کو روزہ رکھتی تھیں رات کو عبادت الہی میں کھڑی رہتی تھیں تیس حج کیے تھے۔ اکثر خوف الہی میں گریہ و زاری کرتی رہتی تھیں۔ بغیر اپنے خاوند کے وہ کھانا نہیں کھاتی تھیں۔ صاحب کرامات تھیں۔

## محمد بن جعفر

ظاہری و باطنی حسن و جمال سے آراستہ تھے۔ کمال حسن کی وجہ سے ان کو محمد دیباچہ کہتے تھے۔ آپ کی زوجہ خدیجہ بنت عبد اللہ بن حسن مثنیٰ تھیں۔ وہ ان کی خیرات کا حال بتاتی ہیں کہ جب کبھی نیا کپڑا پہن کر باہر جاتے تھے تو اس کو خیرات کر دیتے تھے۔ ہر روز ایک بکرا اپنے مہمانوں کے واسطے ذبح کر کے انھیں کھانا کھلاتے تھے۔ تنگ آمد بجنگ آمد کے اصول پر انھوں نے بھی عمل کر کے مامون کے عہد میں سلطنت کی مخالفت کی مگر شکست کھا کر مامون سے صلح کر لی اور خراسان میں رہنے لگے۔ نہایت سخی، عابد و زاہد تھے۔ ان کا انتقال ۲۴۴ھ میں ہوا تھا۔ (نورالمشرقیں من حیات الصادقین حصہ دوم ص ۲۴۴ تا ۲۴۶ مصنفہ آغا سلطان مرزا دلہوی)

## امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اولاد میں حضرت امام موسیٰ کاظم



امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام سے کہا اے فرزند! میں نے اس کنیز سے بہتر کوئی کنیز نہیں پائی۔ مجھے یقین ہے کہ اگر اس سے نسل کا سلسلہ قائم ہو تو اللہ اس کی نسل کو پاک و طاہر بنائے گا، لویہ کنیز میں تمھیں ہمہ کرتی ہوں اور تم سے وصیت کرتی ہوں کہ اس کا بہت خیال رکھنا۔ جب تکتم کے بطن سے حضرت امام علی رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو تکتم کا نام طاہرہ ہو گیا۔

راوی کا بیان ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام ایام رضا عت میں اپنی والدہ کا دودھ بہت پیا کرتے تھے اور ہر حیثیت سے تنومند اور صحت مند تھے تو ان کی والدہ تکتم طاہرہ نے کہا کہ میری مدد کے لیے ایک دودھ پلانے والی چاہیے۔ پوچھا گیا کہ کیوں؟ کیا تمھارے دودھ میں کمی ہے؟ انھوں نے جواب دیا نہیں، خدا کی قسم میں جھوٹ نہ بولوں گی۔ میرے دودھ میں کمی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں چند اور دودھ و وظائف اور نماز و تسبیحات کے پڑھنے کی عادی تھی لیکن جب سے یہ بچہ پیدا ہوا ہے اس میں کمی آگئی ہے۔ (عیون اخبار الرضا)

علی بن میثم نے اپنے باپ سے روایت بیان کی ہے کہ جب حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی والدہ حضرت حمیدہ نے حضرت امام رضا علیہ السلام کی والدہ نجمہ کو خریدا تو حمیدہ کا بیان ہے کہ میں نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ اے حمیدہ! یہ تیری کنیز نجمہ تیرے فرزند موسیٰ کے لیے مخصوص ہے، اس کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جو تمام اہل زمین میں سب سے بہتر ہوگا تو حسب ہدایت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے نجمہ کو اپنے فرزند موسیٰ کو ہمہ کر دیا اور جب اس کے بطن سے امام رضا علیہ السلام پیدا ہوئے تو نجمہ کا

## جناب نجمہ خاتون

اسم گرامی

آپ کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا تھا۔ علامہ مجلسی نے لکھا ہے کہ آپ ام البنین، خیزران، مرسیہ، شقرا نوبیہ تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا نام اردی اور لقب شقرا تھا۔ کوئی سکون نوبیہ اور کوئی تکتم کہتا تھا اور نجمہ بھی آپ کا اسم گرامی تھا۔ آپ کو طاہرہ بھی کہا جاتا ہے اور صفرار بھی۔

## آپ کے حالات

عون بن محمد کندی کا بیان ہے کہ میں نے ابوالحسن علی بن میثم کو یہ کہتے ہوئے سنا، ائمہ طاہرین اور ان کے مناکحات کے متعلق مجھ سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ اس کا بیان ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم بن جعفر (علیہما السلام) کی والدہ گرامی حمیدہ مصفاة نے جو خود اشرف عجم سے ایک معزز خاتون تھیں، ایک ایسی کنیز خریدی جو عرب ہی میں پیدا ہوئی تھی اور انھیں کے بچوں میں پلی بڑھی تھی، ان ہی کے آداب و اطوار سیکھے تھے اس کا نام تکتم تھا۔ وہ عقل و فہم، دین و دیانت کے لحاظ سے بہترین عورت تھی نیز اپنی مالکہ حمیدہ مصفاة کی اتنی تعظیم و عزت کرتی کہ جب سے انھوں نے اس کو خریدا ان کے سامنے کبھی نہیں بیٹھی۔ ایک دن حمیدہ مصفاة نے اپنے فرزند حضرت



دکھانے میں کیا حرج ہے۔ آپ نے بہت اصرار فرمایا مگر وہ انکار ہی کرتا رہا، بالآخر آپ وہاں سے واپس تشریف لے آئے۔

پھر آپ نے دوسرے دن مجھے روانہ کیا اور فرمایا کہ اس تاجر سے جا کر پوچھو کہ آخر وہ اس کنیز کی کیا قیمت چاہتا ہے اور جب وہ قیمت بتا دے تو اس سے کہنا کہ میں نے تمہاری منہ مانگی قیمت پر اس کو خریدا۔ امام علیہ السلام کی اس ہدایت پر میں اس تاجر کے پاس گیا اور اس سے قیمت معلوم کی۔ اس نے جو قیمت مجھے بتائی اسی قیمت پر میں نے اس کنیز کو خرید لیا۔ تاجر نے کنیز کو میرے حوالہ کیا اور دریافت کیا کہ کل جو بزرگ آپ کے ہمراہ آئے تھے وہ کون تھے؟ میں نے کہا وہ قبیلہ بنی ہاشم کی ایک بزرگ ترین ہستی ہیں۔ اس نے آپ کا حسب و نسب پوچھنا چاہا لیکن میں نے انکار کیا۔

اس نے کہا اچھا اب اس کنیز کے بارے میں بھی تھوڑا سن لو۔ جب میں نے اسے ملک مغرب کے انتہائی دور دراز مقام سے خریدا تو میرے پاس اہل کتاب میں سے ایک عورت آئی اور بولی، یہ کنیز تیرے پاس کیسی ہے؟ میں نے کہا کہ میں نے خود اپنے لیے اس کو خریدا ہے۔ اس نے کہا نہیں نہیں، یہ کنیز ایسی نہیں جو تجھ جیسے کے پاس رہے، یہ تو اس قابل ہے کہ کسی ایسے شخص کے پاس رہے جو ساری روئے زمین پر سب سے بہتر ہو اس کے پاس بھی تھوڑے ہی دنوں میں اس کے بطن سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوگا جس کے سامنے شرق سے غرب تک تمام روئے زمین کے لوگ بیست اور کم رتبہ نظر آئیں گے۔

راوی کہتا ہے کہ میں اس کنیز کو لے کر امام کی خدمت میں حاضر ہوا اور کچھ ہی عرصہ بعد اس کنیز کے بطن سے امام رضاؑ پیدا ہوئے۔ (عیون اخبار الرضاؑ)

نام طاہرہ رکھ دیا گیا۔ الغرض ان کے بہت سے نام ہیں جن میں بخجہ، اردی، سکن، سمان اور تکتیم بھی ہیں اور تکتیم ان کا آخری نام ہے۔

علی بن میثم کا بیان ہے کہ میں نے اپنی ماں کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ جب جناب حمیدہ نے جناب بخجہ کو خریدا تو بخجہ باکرہ تھیں۔ (عیون اخبار الرضاؑ ص ۱۲۸) صولی کا بیان ہے کہ حضرت ابو الحسن الرضاؑ کا اصل نام علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب ہے۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام تکتیم تھا اور جب یہ حضرت ابو الحسن موسیٰ بن جعفر کی ملکیت میں آئیں آپ کا یہی نام قائم رہ گیا۔ (عیون اخبار الرضاؑ ص ۱۲۸)

ہشام بن احمد کا بیان ہے کہ حضرت ابو الحسن دوم (یعنی حضرت امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام) نے مجھ سے پوچھا کیا تمہیں معلوم ہے کہ یہاں اہل مغرب کا تاجر آیا ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں، مجھے تو نہیں معلوم۔ آپ نے فرمایا کہ ایک تاجر آیا ہے تم میرے ساتھ اس کے پاس چلو۔ یہ فرما کر آپ اپنی سواری پر بیٹھے اور میں بھی سواری پر سوار ہو کر آپ کے ساتھ چلا۔ جب ہم اس تاجر کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ واقفاً وہ مغرب کا رہنے والا ایک تاجر ہے اور اس کے پاس فروخت کے لیے چند کنیزیں ہیں۔ حضرت موسیٰ بن جعفر علیہ السلام نے اس تاجر سے فرمایا اپنی کنیزیں ہمیں بھی دکھاؤ تو اس نے ہمارے سامنے یکے بعد دیگرے نو کنیزیں پیش کیں مگر آپ ہر ایک کو دیکھ کر یہی فرماتے رہے ”یہ مجھے نہیں چاہیے“ پھر اس تاجر سے فرمایا کوئی اور دکھاؤ۔ اس نے کہا اب تو میرے پاس کوئی کنیز نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں ابھی اور کنیز بھی ہے وہ بھی مجھے دکھاؤ۔ اس نے کہا اب خدا کی قسم صرف ایک کنیز ہے مگر وہ بیمار ہے۔ آپ نے فرمایا تمہارا اس کے



## خیزران

### آپ کا نام و نسب

آپ کا نام بعض مورخین نے سبیکہ اور بعض نے خیزران، ریحانہ اور سکیہ لکھا ہے۔ کچھ لوگوں نے آپ کو مرسیہ اور مشہور یہ ہے کہ آپ نوبیہ تھیں اور جناب ماریہ قبیطیہ کے خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ (جلال العیون ص ۵۰)

جناب شیخ عباس قمی نے لکھا ہے آپ محمد تقی علیہ السلام کی والدہ گرامی ام ولد تھیں اور ان کا نام سبیکہ تھا اور آپ کے شوہر جناب امام رضا علیہ السلام نے آپ کا نام خیزران رکھا تھا۔ آپ نوبیہ تھیں اور جناب ماریہ قبیطیہ مادر ابراہیم فرزند رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسل سے تھیں۔ آپ اپنے زمانہ میں تمام عورتوں سے زیادہ صاحب فضیلت و شرف خاتون تھیں جس کی طرف پیغمبر اسلام کے اس قول سے اشارہ ملتا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے: **بَابِي ابْنُ خَيْرَةِ الْأَمَاءِ النَّوْبِيَةِ الطَّيِّبَةِ** میرے باپ قربان اس فرزند پر جو بہترین کنیز جو اہل نوبہ سے ہے کا بیٹا ہے۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۶)

علامہ مجلسی نے بحار الانوار میں امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے کہ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کو دڑہ کے نام سے پکارا جاتا تھا یہ مرسیہ تھیں۔ پھر حضرت امام رضا علیہ السلام نے ان کا نام خیزران رکھا۔ یہ حضرت ماریہ قبیطیہ کے خاندان سے تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا نام

کتاب استخراج و استخراج ص ۲۳۵ پر ہشام بن احمر سے اور کتاب الارشاد میں صفحہ ۲۸۷، ۲۸۸ پر بھی ہشام بن احمر سے اسی کے مثل روایت ہے۔ (بحار الانوار ج ۴/۵ ص ۵۳، جلال العیون، منتہی الآمال)

## ولادت امام علی رضا علیہ السلام

علی بن میثم نے اپنے باپ سے روایت کی ہے ان کے باپ کا بیان ہے کہ میں نے اپنی والدہ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی والدہ بنجہ بیان کرتی تھیں کہ جب میرا فرزند علی (رضا) میرے شکم میں تھا تو مجھے حمل کا بوجھ محسوس نہیں ہوتا تھا مگر نیند کے عالم میں اپنے شکم سے تسبیح و تہلیل اور تہجد کی آوازیں سنتی تو خوف سے چونک پڑتی اور بیدار ہو جاتی تو کوئی آواز نہ سنتی تھی۔ جب میرا یہ فرزند پیدا ہوا تو اس نے فوراً اپنے قدم زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھ زمین پر ٹیک دیے، سر آسمان کی طرف بلند تھا۔ دونوں لبوں کو حرکت تھی، معلوم ہوتا جیسے کچھ کہہ رہا ہے۔ پھر میرے پاس اس کے والد حضرت موسیٰ بن جعفر تشریف لائے اور فرمایا اے بنجہ! تجھے یہ اللہ کا کرم مبارک ہو۔ میں نے اس بچے کو ایک سفید پارچے میں لپیٹ کر انھیں دے دیا۔ آپ نے داہنے کان میں اذان اور بائیں کان میں اقامت کہی پھر آب فرات منگوا کر اس کے تالو میں لگایا اور مجھے دے دیا اور فرمایا اسے لو، یہ زمین پر اللہ کی بقیہ امانت ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۴/۵ ص ۶، جلال العیون ص ۵۳۳-۵۳۴، منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۵۸ تا ۲۶۰)



جناب خیزران کی فضیلت و علو مرتبت کے لیے یہی کافی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے یزید بن سلیط کو سلام پہنچانے کا حکم فرمایا جس طرح پیغمبر اسلام نے جابر کے ذریعہ امام محمد باقر علیہ السلام کو سلام پہنچایا تھا۔ یزید کا بیان ہے کہ ابوابراہیم موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی وفات کے بعد میں حضرت علی بن موسیٰ رضا علیہ السلام سے ملا۔ آپ نے بغیر میرے کچھ کہے ہوئے خود فرمایا اے یزید! عمرہ کے متعلق تمہارا کیا ارادہ ہے؟ میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان جیسی آپ کی مرضی مگر میرے پاس اخراجات سفر نہیں ہیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ! جب میں تم سے چلنے کو کہہ رہا ہوں تو کیا تمہارے اخراجات نہ دوں گا۔ یزید کا بیان ہے کہ پھر ہم لوگ عمرہ کی نیت سے نکلے اور اس مقام پر پہنچے تو آپ نے فرمایا اے یزید! اس مقام سے تو تم عمرہ کے سفر میں کئی مرتبہ گزرے ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں اور پھر میں نے آپ سے پورا قصہ بیان کیا۔ آپ نے فرمایا مگر ابھی تک تو وہ کنیز آئی نہیں۔ جب ملے گی تو اسے سلام پہنچا دوں گا۔

اس کے بعد ہم دونوں مکہ پہنچے اور آپ نے وہ کنیز وہاں اسی سال خریدی اور کچھ ہی دن بعد وہ حاملہ ہوئی اور اس کے بطن سے ایک فرزند (امام محمد تقی) پیدا ہوا۔ یزید کا بیان ہے کہ حضرت علی بن موسیٰ رضا کے دوسرے بھائی یہ چاہتے تھے کہ اپنے باپ کے وارث صرف یہی لوگ ہیں اس لیے وہ لوگ بلا سبب اس کے دشمن بن گئے۔ اسحاق بن جعفر نے ان لوگوں سے کہا خدا کی قسم میں نے دیکھا کہ وہ حضرت ابوابراہیم علیہ السلام کی مجلس میں اسی جگہ بیٹھتے ہیں کہ جہاں ہم لوگوں کے بیٹھنے کی مجال نہیں۔

مسئلہ تھا اور نویہ قبیلہ سے تھیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا اسم گرامی ریحان اور کنیت ام الحسن تھی۔ (ترجمہ بحار الانوار)

## آپ کا خدمت امام میں حاضر ہونا

یزید بن سلیط والی خبر میں ہے کہ جب ان کی ملاقات امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے راہ مکہ میں ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ سنو! مجھے اس سال واپس لے لیا جائے گا اور اب یہ امامت میرے فرزند علی کو ملے گی اور اس کا نام علی ہے تو اس میں علی کی خصوصیات بھی ہیں۔ اس لیے کہ علیؑ اول حضرت علی علیہ السلام بن ابی طالب ہیں اور علیؑ ثانی علی بن حسین علیہ السلام ہیں اور میرے اس علیؑ کو علیؑ اول کا فہم، ان کی حکمت، ان کی نگاہ، ان کی بنی محبت ملی ہے اور علیؑ ثانی سے اس کو مصائب پر صبر ملا ہے۔ ہارون کے انتقال کے بعد کسی کے لیے یہ جائز نہیں کہ ان سے چار سال تک کلام کرے (چار سال میں ان کو صبر آتا ہے)۔

پھر فرمایا اے یزید! اب پھر جب تم یہاں سے گزرو اور اس سے تمہاری ملاقات ہو اور تم سے اس کی یقیناً ملاقات ہوگی تو اسے خوش خبری سنا دینا اللہ اس کو ایک فرزند بابرکت و امانت دار اور گناہوں سے محفوظ عطا کرے گا (امام محمد تقی) اور وہ تم کو خود بتائے گا کہ تم یہاں مجھ سے مل چکے ہو اور جب ایسا ہو تو پھر انھیں بتا دینا کہ وہ کنیز جس کے بطن سے تمہارا یہ فرزند پیدا ہو گا وہ ماریہ قبطیہ کے خاندان سے ہوگی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیز تھیں اور جب وہ تمہیں ملیں تو انھیں میری طرف سے سلام کہہ دینا۔



کتاب الامامة والتبصرة تالیف علی بن بابویہ میں عبد اللہ بن محمد شامی سے بھی اسی کے مثل روایت ہے۔ (عیون اخبار الرضا ماخوذ از ترجمہ بحار الانوار ۳۶۰-۳۶۱/۹)

## ولادت امام محمد تقی علیہ السلام

علماء کا بیان ہے کہ امام المتقین حضرت امام محمد تقی علیہ السلام ۱۰ رجب المرجب ۱۹۵ھ مطابق ۱۸ یوم جمعہ مدینہ منورہ میں متولد ہوئے۔ جناب شیخ مفید فرماتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کے کوئی اولاد آپ کی ولادت سے قبل نہ تھی اس لیے لوگ طعنہ زنی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ شیعہوں کے امام منقطع النسل ہیں۔ یہ سن کر حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اولاد کا ہونا خدا کی عنایت سے متعلق ہے، اس نے مجھے صاحب اولاد کیا ہے اور عنقریب میرے یہاں مسند امامت کا وارث پیدا ہوگا چنانچہ آپ کی ولادت باسعادت ہوئی۔ (ارشاد ص ۴۷۳)

علامہ طبرسی لکھتے ہیں کہ حضرت امام رضا علیہ السلام نے ارشاد فرمایا تھا کہ میرے یہاں جو بچہ عنقریب پیدا ہوگا وہ عظیم برکتوں کا حامل ہوگا۔ (اعلام الوری ص ۲۰۰) واقعہ ولادت کے متعلق لکھا ہے کہ امام رضا علیہ السلام کی بہن حکیمہ خاتون فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے بھائی نے مجھے بلا کر کہا کہ آج تم میرے گھر میں قیام کرو کیونکہ خیزران کے بطن سے آج رات کو خدا مجھے ایک فرزند عطا فرمائے گا۔ میں نے خوشی کے ساتھ اس حکم کی تعمیل کی۔ جب رات آئی تو ہم ساری کی چند عورتیں بھی بلائی گئیں۔ نصف شب سے زیادہ گزرنے پر بیکایک وضع حمل کے آثار نمودار ہوئے۔ یہ حال دیکھ کر میں خیزران کو حجرہ میں لے گئی اور میں نے چراغ روشن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں

امام محمد تقی علیہ السلام پیدا ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ مخون اور ناف بریدہ ہیں۔ ولادت کے بعد میں نے انہیں نہلانے کے لیے طشت میں بٹھایا اس وقت جو چراغ روشن تھا گل ہو گیا مگر پھر بھی اس حجرہ میں روشنی بدستور رہی اور اتنی روشنی رہی کہ میں نے آسانی سے بچہ کو نہلا دیا۔ تھوڑی دیر میں میرے بھائی امام رضا علیہ السلام بھی وہاں تشریف لے آئے۔ میں نے نہایت عجلت کے ساتھ صاحبزادے کو کپڑے میں لپیٹ کر حضرت کی آغوش میں دے دیا۔ آپ نے سر اور آنکھوں پر بوسہ دے کر مجھے واپس کر دیا۔ دو دن تک امام محمد تقی علیہ السلام کی آنکھیں بند رہیں تیسرے روز جب آنکھیں کھلیں تو آپ نے سب سے پہلے آسمان کی طرف نظر کی پھر داہنے بائیں دیکھ کر کلمہ شہادتین زبان پر جاری کیا۔ میں یہ دیکھ کر سخت متعجب ہوئی اور میں نے سارا ماجرا اپنے بھائی سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا تعجب نہ کرو، یہ میرا فرزند حجت خدا اور وصی رسول ہوا ہے۔ اس سے جو عجائبات ظہور پذیر ہوں ان میں تعجب کیا؟

محمد بن علی ناقل ہیں کہ حضرت امام محمد تقی علیہ السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان اسی طرح مہر امامت تھی جس طرح دیگر ائمہ علیہم السلام کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر میں ہوا کرتی تھیں۔ (مناقب چودہ ستارے ص ۴۷۵-۴۷۶)



## جناب سمانہ خاتون اسم گرامی

آپ کا اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا جیسا کہ علامہ مجلسی نے تحریر فرمایا کہ آپ ام ولد تھیں اور اسم گرامی سمانہ مغربیہ تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ سیدہ ام الفضل کے نام سے مشہور تھیں۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱ ص ۱۱۶)

جناب شیخ مفیدؒ نے بھی آپ کو ام ولد اور نام سمانہ لکھا ہے۔ (ارشاد مؤلف)

کتاب اعلام الوری میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی النقی مقام صریح میں جو مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے اور جسے امام موسیٰ بن جعفر نے آباد کیا تھا وہاں ۱۵ ذی الحجہ ۱۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابن عیاش کی روایت کے مطابق ۵ رجب بروز سہ شنبہ سنہ مذکور میں تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام سمانہ تھا۔ (ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱ ص ۱۱۷)

کافی میں ہے کہ حضرت امام علی النقی ماہ ذی الحجہ ۱۲۱ھ میں تولد ہوئے اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ماہ رجب ۱۲۱ھ میں تولد ہوئے۔ آپ کی والدہ ام ولد تھیں جن کا اسم گرامی سمانہ تھا۔ (کافی ج ۱ ص ۴۹۷)

محمد بن طلحہ اپنی کتاب کشف الغمہ میں تحریر کرتے ہیں کہ آپ کی ولادت ماہ رجب ۱۲۱ھ میں ہوئی۔ آپ (امام علی نقی) کی والدہ ام ولد تھیں جن کا نام سمانہ مغربیہ تھا۔ کچھ لوگ اس کے علاوہ دوسرا بتاتے ہیں۔

حافظ عبدالعزیز کا قول ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام کا لقب ہادی اور آپ کی والدہ کا اسم گرامی سمانہ ہے۔ ابن خثاب کا قول ہے کہ امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ کا اسم گرامی سمانہ ہے مگر انھیں منفرد مغربیہ بھی کہا جاتا تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۳۲) مصباح کفعمی میں بھی آپ کا اسم گرامی سمانہ ہے اور کتاب الدرر میں بھی یہی نام ہے۔ (کتاب الدرر، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱ ص ۱۲۰)

علامہ سید علی نقی مرحوم نے امام محمد تقی علیہ السلام کے حالات میں تحریر فرمایا ہے کہ امام نے ام الفضل دختر امون کے ہوتے ہوئے حضرت عمار یا سر کی نسل سے ایک محترم خاتون کے ساتھ عقد فرمایا اور قدرت کو نسل امامت اسی خاتون سے باقی رکھنا منظور تھی یہی امام علی نقی علیہ السلام کی ماں ہوئیں۔ (ربہنمایان اسلام ص ۱۷۶) مگر اسم گرامی امام علی النقی علیہ السلام کے ابتدائی حالات میں وہی سمانہ خاتون تحریر کیا ہے۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ جناب عمار یا سر کی نسل سے تھیں۔

علامہ نجم احسن کداری وی مرحوم نے بھی یہی لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ جناب سمانہ خاتون یا سر کی نمایاں حیثیت رکھتی تھیں۔ جناب سمانہ خاتون جو کہ حضرت عمار یا سر کی نسل سے تھیں، کے علاوہ (امام محمد تقی کی بیویوں میں) کسی سے اولاد نہیں ہوئی۔ (چودہ ستارے ص ۴۹۴)

اس سے زیادہ آپ کے حالات دستیاب نہ ہو سکے لیکن آپ کی یہی کیا کم فضیلت ہے کہ آپ ایک معصوم امام کی زوجہ اور معصوم امام کی ماں ہیں۔



## جناب حدیثہ خاتون آپ کا اسم گرامی

آپ کے اسم مبارک کے بارے میں بھی کافی اختلاف ہے۔ شیخ مفید نے ارشاد میں امام حسن عسکری علیہ السلام کے حالات میں لکھا ہے کہ حضرت ابو محمد حسن عسکری مدینہ منورہ کے اندر ماہ ربیع الاول ۲۳۲ھ میں تولد ہوئے آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا اسم گرامی حدیثہ تھا۔ (ارشاد ص ۳۱۵) کتاب الدرر میں ہے کہ آپ (یعنی امام حسن عسکری) کی والدہ گرامی کا نام حدیث تھا۔

محمد بن طلحہ نے اپنی کتاب کشف الغمہ میں تحریر کیا ہے کہ امام حسن عسکری کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام نامی سوسن تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۷۱)

حافظ عبدالعزیز بغدادی نے لکھا ہے کہ آپ (حسن عسکری) کی ولادت ۲۳۲ھ میں ہوئی۔ ۸ ربیع الاول ۲۳۲ھ کو سرمن راتے میں وفات پائی اس وقت آپ کا سن مبارک صرف ۲۸ سال کا تھا۔ آپ (امام حسن عسکری) کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کا نام حریبہ تھا۔ (کشف الغمہ ج ۳ ص ۲۷۳)

اعلام الوری میں ہے کہ آپ (یعنی امام حسن عسکری) مدینہ منورہ میں بروز جمعہ ۸ ربیع الآخر ۲۳۲ھ کو تولد ہوئے اور آپ نے سرمن راتے میں

۸ ربیع الاول ۲۳۲ھ کو وفات پائی۔ اس وقت آپ کا سن اٹھائیس سال کا تھا۔ آپ کی والدہ گرامی ام ولد تھیں جن کو حدیث کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ (اعلام الوری ص ۳۲۹) مناقب آل ابی طالب اور کافی میں بھی آپ کو ام ولد اور نام نامی حدیث لکھا ہے۔ (مناقب آل ابی طالب ج ۲ ص ۲۲۱، کافی ج ۱ ص ۵۰۳، ترجمہ بحار الانوار ج ۹/۱ ص ۲۳۰ تا ۲۳۳)

جناب شیخ عباس قمی تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کا نام حدیث اور بقولے سلیل تھا اور آپ کو جدہ کہتے تھے۔ آپ عقیقہ، کرمیہ، نہایت سنجیدہ، صالحہ اور ورع و تقویٰ سے بھرپور تھیں۔ (جلال العیون ص ۲۹۵) اور جنات الخلود میں ہے کہ وہ اپنے ملک میں بادشاہ زادی تھیں اور ان کی فضیلت کے لیے یہی کافی ہے کہ امام حسن عسکری علیہ السلام کی وفات کے بعد وہ شیعوں کے لیے پناہ و داد دے تھیں۔ مسعودی نے اثبات الوصیہ میں فرمایا کہ روایت میں ہے کہ جب آپ (سلیل) مادر امام حسن عسکری) امام علی نقی علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ سلیل ہر آفت، برائی اور نجاست سے باہر کر دی گئی ہے یا پاک کی گئی ہے۔ پھر ان سے فرمایا کہ خدا تمہیں جلدی ہی اپنی حجت سے سرفراز فرمائے گا کہ جو زمین کو عدل سے اسی طرح بھر دے گا جساکہ وہ ظلم و جور سے بھری ہوگی۔ مسعودی نے فرمایا کہ یہ بخند رہ (سلیل) حاملہ ہوئیں اور امام حسن عسکری علیہ السلام آپ کے بطن مبارک سے ۲۳۲ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ اس وقت امام علی نقی علیہ السلام کی عمر سولہ سال چند مہینے کی تھی۔ آپ نے جب عراق کا سفر فرمایا تو ۲۳۶ھ میں امام حسن عسکری علیہ السلام کی عمر چار سال چند ماہ کی تھی۔ (منتہی الآمال ج ۲ ص ۳۹) آپ کے سلسلے میں زیادہ تفصیلی حالات معلوم نہ ہو سکے۔



## جناب نرہس خاتون

### آپ کا نام ونسب اور خدمت امام میں حاضر ہونا

راویوں کی ایک جماعت نے ابوالفضل شیبانی سے انھوں نے محمد بن بحر بن سہل شیبانی سے روایت کی ہے کہ بشیر بن سلیمان بردہ فروش جو حضرت ابویوب انصاریؓ کی اولاد میں سے تھا اور حضرت ابوالحسن امام علی نقی علیہ السلام اور حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کے دوست داروں میں سے تھا اور سرمن رائے (سامرہ) میں ان دونوں حضرات کا پڑوسی بھی تھا، نے بیان کیا کہ ایک دن میرے پاس کا فور خادم آیا اور کہا کہ مولا ابوالحسن علی بن محمد (امام علی نقی علیہ السلام) نے تم کو بلایا ہے تو میں گیا اور آپ کے سامنے بیٹھ گیا۔ آپ نے فرمایا اے بشیر! تم انصار کی اولاد میں سے ہو اور تم لوگوں کو موالات اور دوستی سلف سے خلف تک وراثتاً منتقل ہوتی جا رہی ہے اور تم ہم اہل بیت کے معتمد اور قابل اعتبار ہو تو آج میں تمہیں مزید ایک فضیلت و شرف سے نوازا نا چاہتا ہوں کہ جس کے سبب سے تم ہمارے شیعوں میں دوستی و موالات کے اعتبار سے سب سے بڑھ جاؤ گے۔ یہ راز داری کی بات ہے۔ میں تمہیں ایک کنیز خریدنے کے لیے روانہ کر رہا ہوں۔

پھر آپ نے رومی زبان اور رومی رسم الخط میں ایک خط لکھا، اس پر اپنی ہر لگائی، پھر ایک زرد رنگ کی تھیلی نکالی جس میں دو سو بیس دینار

تھے اور فرمایا یہ خط اور یہ تھیلی نو اور فلاں دن دوپہر سے پہلے فرات کے پل پر پہنچ جاؤ۔ جب تم پہنچو گے تو ایک جانب چند کشتیاں اسیروں کی نظر آئیں گے ان میں چند کنیزیں بھی ہوں گی۔ وہاں بنی عباس کے عمائدین کے وکلاء اور کچھ عرب کے نوجوان بحیثیت خریدار تم کو ملیں گے۔ تم عمرو بن یزید بردہ فروش کے سامنے ذرا دور دن بھر کے لیے کھڑے ہو جانا۔ اسی اشارہ میں وہ خریداروں کو دکھانے کے لیے ایک کنیز کو لائے گا جو ان صفات کی ہوگی اور گفٹ بنے ہوئے حریر کے دو کپڑے پہنے ہوئے ہوگی اور خریداروں کے سامنے جانے اور ان کے ہاتھ لگانے اور چھونے سے انکار کرتی ہوگی۔ ایک باریک پردے کے پیچھے بیٹھی ہوئی اپنی رومی زبان میں فریاد کر رہی ہوگی اور مجھے معلوم ہے کہ وہ کیا کہتی ہوگی۔ وہ یہ کہتی ہوگی کہ ”ہائے میری پردہ درسی“ اور بعض خریدار کہیں گے کہ ہم اس کے تین سو دینار دیں گے کیونکہ یہ بہت پاکدامن معلوم ہوتی ہے اسی لیے ہمیں مرغوب ہے لیکن وہ کنیز کہے گی کہ اگر تو سلیمان بن داؤد یا ان کے مثل کوئی اور بادشاہ بھی بن کر آ جائے تو مجھے تو اس وقت بھی پسند نہیں ہوگا اور بردہ فروش یہ کہے گا کہ میں کب تک تجھے فروخت نہ کروں گا بالآخر تجھے فروخت کرنا ہی پڑے گا لیکن کنیز کہے گی کہ تجھے جلدی کیوں ہے، یہ بھی ضروری ہے کہ میں اپنے لیے ایسا خریدار منتخب کر لوں جس کی وفاداری اور امانت داری پر میرا دل مطمئن ہو۔ اس وقت تم اپنی جگہ سے اٹھنا، عمرو بن یزید بردہ فروش کے پاس جانا اور اس سے کہنا کہ میرے پاس رومی زبان اور رومی رسم الخط میں ایک مرد شریف کا ایک خط ہے جس میں اس نے اپنے کرم و وفا اور شرافت و سخاوت کو بیان کیا ہے، تم یہ خط اس کنیز کو دے دو تاکہ وہ اس صاحب خط کے



قتیسین ورہبان میں سے تین سو آدمی ذی وجہ و باوجاہت اشخاص میں سے سات سو اور امیران لشکر، فوجوں کے سرداروں، نقیبوں اور قبائل کے سرداروں میں سے چار ہزار اشخاص کو اپنے قصر میں مدعو کیا اور ایک قیمتی تخت جس میں انواع و اقسام کے جواہرات جڑے ہوئے تھے محل سے منگوا کر ایک بلند مچان پر سجایا جس میں چالیس سیڑھیاں تھیں۔ جب ان کے بھائی کا لڑکا اس مچان پر چڑھا تو ہر طرف صلیبیں لٹکی ہوئی تھیں اساقف حضرات قطار سے کھڑے تھے، انجیل کے بہت سے نسخے کھلے ہوئے تھے کہ اچانک صلیبیں ٹوٹ کر زمین پر آ گئیں، مچان کے پائے ٹوٹ گئے اور تخت پر بیٹھنے والا شاہزادہ جس سے میری شادی ہونے والی تھی، تخت سے گر کر بے ہوش ہو گیا۔ اب کیا تھا، اساقف (پوپ پادری وغیرہ) کے چہرے زرد ہو گئے، جسم لرزنے لگے۔ ان کے سردار نے میرے جد سے کہا اے بادشاہ! آپ مجھے اس منحوس تقریب سے باز رکھیں، یہ دین مسیح اور آسمانی مذہب کے زوال کی نشانی ہے۔

میرے جد نے بھی فال بد لیا اور اساقف سے کہا اچھا اس مچان کے پایوں کو دوبارہ کھڑا کر دو اور پھر اسی طرح صلیبیں لٹکا دو اور اس بدکار اور منحوس دولہا کے بھائی کو بلاؤ تاکہ میں اپنی بیٹی کی شادی کر دوں، ممکن ہے یہ نحوست دور ہو جائے۔ مگر جب اس کو دولہا بنا کر تخت پر بٹھایا گیا تو اس کا بھی وہی حشر ہوا جو پہلے کا ہوا تھا۔ یہ دیکھ کر مجمع منتشر ہو گیا۔ میرے جد قیصر روم وہاں سے غمگین و ملول اٹھ کر اپنے زنا خانے میں چلے گئے اور دروازوں پر پردے ڈال دیے گئے۔

میں نے اسی شب ایک خواب دیکھا کہ حضرت مسیح و شمعون اور ان

اخلاق و عادات کے متعلق غور کرے۔ اگر وہ اس کے ہاتھ فروخت ہونے پر راضی ہو جائے تو میں اس مرد شریف کا وکیل ہوں، اسے خرید لوں گا۔

بشیر بن سلیمان کا بیان ہے کہ اس کنیز کے متعلق حضرت ابوالحسن (امام علی نقی) علیہ السلام نے جو کچھ حکم دیا تھا میں نے اس کی پوری پوری تعمیل کی۔ اس کنیز نے آپ کے خط کو دیکھا تو زار و قطار رونے لگی اور عمرو بن یزید سے کہا تم اس کے ہاتھ مجھے فروخت کر دو اور میں حلف سے کہتی ہوں کہ اگر تم نے مجھے اس صاحب خط کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کر دے گا تو میں جان دے دوں گی۔ پھر میں اس کی قیمت کے لیے مول تول کرنے لگا یہاں تک کہ قیمت وہی طے پا گئی جو میرے مولانے میرے حوالے کی تھی۔ میں نے اس کی قیمت ادا کی اور وہ خوش و مسرور کنیز میرے حوالے کر دی گئی۔ میں اسے لے کر بغداد میں اس حجرے کی طرف چل دیا جہاں میں مقیم تھا مگر اس کنیز کو چین نہ تھا۔ بار بار اس خط کو اپنی جیب سے نکالتی، اسے چومتی آنکھوں سے لگاتی، رخصتوں پر رکھتی اور سینے سے لگاتی تھی۔ میں نے حیرت سے کہا، تو اس خط والے سے واقف بھی نہیں اور پھر اس کے خط کو اس والہانہ طریقے پر بوسے دے رہی ہے۔

کنیز نے جواب دیا، اے اولاد انبیاء کی معرفت نہ رکھنے والے! ذرا غور سے سن۔ میں قیصر روم کے فرزندیشوعا کی بیٹی ہوں۔ میرا نام ملیکہ ہے میری ماں شمعون، وصی حضرت عیسیٰ کے حواری کی اولاد میں سے ہے۔ میں تجھے اپنا حیرت انگیز قصہ سناتی ہوں۔ جب میں تیرہ سال کی تھی تو میرے دادا قیصر روم نے اپنے بھائی کی اولاد میں ایک لڑکے کو میرے لیے منتخب کیا اور شادی کے انتظامات شروع کیے اور اس کے لیے انھوں نے نسل حواریین



تو بتادے تاکہ میں دنیا ہی میں اس کا سامان کر دوں۔ میں نے عرض کیا دادا جان! میں اپنی صحت اور مرض سے نجات کا دروازہ ہر طرف سے بند پارہی ہوں۔ کاش آپ ان مسلمانوں کو رہائی دے دیتے جو آپ کے قید خانوں میں ہیں۔ ان کی بیڑیاں کاٹ دی جاتیں، ان کی جان بخشی ہو جاتی تو مجھے امید ہے کہ حضرت مسیحؑ اور ان کی مادر گرامی مجھے صحت عطا فرادیں۔

جب میرے جد نے قیدیوں کو رہا کر دیا تو میں اپنے جسم میں قدرے آثار صحت محسوس کرنے لگی اور کچھ آب و غذا کھانے پینے لگی۔ یہ دیکھ کر میرے جد کو بہت خوشی ہوئی اور اب تو وہ قیدیوں پر اور زیادہ کرم کرنے اور انھیں عزت دینے لگے۔ چودہ دن کے بعد میں نے پھر خواب دیکھا گویا سیدہ نساء العالمین حضرت فاطمہ زہراؑ میرے پاس تشریف لائی ہیں اور ان کے ساتھ مریم بنت عمران اور جلو میں ایک ہزار حوران بہشتی ہیں۔ حضرت مریمؑ نے مجھ سے فرمایا یہ تمہارے شوہر ابو محمد کی مادر گرامی سیدہ نساء ہیں۔ یہ سن کر میں ان سے لیٹ گئی اور زار و قطار رونے لگی اور شکایت کی کہ حضرت ابو محمد سے میری ملاقات نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا میرا فرزند ابو محمد (امام حسن عسکریؑ) تمہاری ملاقات کو اس وقت تک نہیں آئے گا جب تک تم مشرکہ ہو اور دین نصاریٰ پر قائم ہو اور یہ میری بہن مریم بنت عمران ہیں۔ انھوں نے بھی تمہارے دین سے برأت کر لی ہے۔ لہذا اگر تم اللہ اور حضرت مسیحؑ و مریم کی خوشنودی چاہتی ہو اور یہ چاہتی ہو کہ ابو محمد تم سے ملیں تو کہو کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ اَبِي مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (میں گواہی دیتی ہوں کہ نہیں ہے کوئی خدا سوائے اللہ کے اور میرے پدر محمد اللہ کے رسول ہیں)۔

جب میں نے یہ کلمہ پڑھا تو انھوں نے مجھے گلے لگا لیا۔ میرا دل خوش

کے کچھ حواری میرے جد کے قصر میں جمع ہوئے اور آسمان جیسا ایک نوری منبر وہاں پر نصب کیا گیا جہاں میرے جد نے میری شادی کے لیے تخت نصب کیا تھا۔ اتنے میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے داماد اور ان کی اولاد میں سے چند حضرات تشریف لائے۔ حضرت مسیحؑ نے پیش قدمی کی اور ان کا استقبال کیا اور دونوں گلے ملے۔ حضرت محمدؐ نے ارشاد فرمایا اے روح اللہ! میں آپ کے وصی شمعون کی لڑکی ملیکہ کا پیغام اپنے اس لڑکے کے لیے لے کر آیا ہوں۔ یہ فرما کر آنحضرتؐ نے حضرت ابو محمد امام حسن عسکری علیہ السلام کی جانب اپنے ہاتھ سے اشارہ فرمایا (جو اس خط کے لکھنے والے) میرے فرزند ہیں! حضرت مسیحؑ نے شمعون کی طرف دیکھا اور فرمایا تو تمہیں ایک شرف حاصل ہوا۔ تم اپنے خاندان کو آل محمدؐ کے خاندان سے نسبت دے لو شمعون نے عرض کیا مجھے منظور ہے۔

یہ سن کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس نوری منبر پر تشریف لے گئے اور انھوں نے میرا نکاح اپنے فرزند سے پڑھ دیا اور حضرت مسیحؑ و اولاد محمدؐ اور حواریین اس نکاح کے گواہ بن گئے۔ جب میں اس خواب سے بیدار ہوئی تو ڈری کہ اگر میں یہ خواب اپنے باپ دادا سے بیان کرتی ہوں تو وہ مجھے زندہ نہ چھوڑیں گے لہذا اس کو چھپاتے رہی، کسی پر اس خواب کو ظاہر نہیں کیا مگر ابو محمد کی محبت میرے دل و جان میں اس قدر رچ بس گئی کہ میں نے کھانا پینا بھی بند کر دیا۔ نتیجے میں ضعف و ناتوانی اتنی بڑھ گئی کہ میں شدید بیمار پڑ گئی۔ مدائن کے آس پاس کوئی ایسا طبیب نہ تھا کہ جسے میرے جد نے بلا کر علاج نہ کرایا ہو۔ مگر جب ایوسی کے سوا کوئی دوا میری بیماری کا نہ ہو سکا تو میرے جد نے مجھ سے کہا اے میری خنکی چشم! تیرے دل میں اگر کوئی خواہش ہو



آتی اور مجھے عربی بولنا سکھاتی۔ اس طرح میری عربی زبان رواں اور مستحکم ہو گئی۔ بشیر کہتا ہے کہ جب میں اس کنیز کو لے کر سرمن رائے آیا اور اسے امام ابو الحسن علیہ السلام (امام علی نقیؑ) کی خدمت میں پیش کیا تو آپ نے اس سے پوچھا: بتاؤ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اسلام کی عزت، نصرانیت کی ذلت اور محمدؐ اور ان کے اہل بیتؑ کا شرف کس طرح بخشا؟ اس نے کہا فرزند رسول! اب میں کیا عرض کروں؟ آپ کو تو اس کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ تم دو باتوں میں سے ایک پسند کر لو۔ کیا تم دس ہزار دینار لینا پسند کرو گئی یا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف؟ اس نے کہا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے شرف۔ آپ نے فرمایا اچھا تو پھر تمہیں ایک بیٹا مبارک ہو جو شرق سے غرب تک ساری دنیا کا مالک ہو گا اور زمین کو عدل و انصاف سے اسی طرح بھر دے گا جس طرح وہ اس سے قبل ظلم و جور سے بھری ہوئی ہو گئی۔ اس نے پوچھا وہ بیٹا کس سے ہو گا؟ آپ نے فرمایا: فلاں سنہ فلاں مہینہ اور فلاں تاریخ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہارے لیے کس کا پیغام دیا تھا اور حضرت مسیحؑ اور ان کے وصی نے کس سے تمہارا نکاح قبول کیا تھا۔ اس نے عرض کیا: آپ کے فرزند حضرت ابو محمد (امام حسن عسکری) علیہ السلام سے۔ آپ نے فرمایا کیا تم ان کو پہچانتی ہو؟ اس نے عرض کیا جس شب کو میں حضرت سیدہ نسا عالمین علیہا السلام کے ہاتھوں اسلام لائی تھی اس شب سے آج تک کوئی شب ایسی نہیں گزری جس میں ان کو میں نے خواب میں نہ دیکھا ہو۔

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد امام علیہ السلام نے کا فور کو حکم دیا کہ جاؤ میری بہن حکیمہ کو بلاؤ۔ جب وہ آئیں تو فرمایا: اے میری بہن! دیکھیے یہ وہی ہے؟ انھوں نے بڑھ کر بڑی دیر تک اس کو گلے لگائے رکھا اور بہت

ہو گیا۔ آپ نے فرمایا اب توقع رکھو، تمہیں ابو محمدؐ کی زیارت ہو گئی اور میں انھیں بھیجوں گی۔ اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہوئی اور مجھے امید ہوئی کہ اب میں حضرت ابو محمدؐ سے ملوں گی۔ دوسرے دن میں نے حضرت ابو محمدؐ کو خواب میں دیکھا تو میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مجھ کو اپنی محبت میں مبتلا کیا ہے اور آپ مجھ سے ملتے بھی نہیں۔ آپ نے فرمایا تم سے نہ ملنے کا سبب یہ تھا کہ تم مشرک تھیں، اب اسلام قبول کیا ہے لہذا تم سے ہر شب (خواب) میں ملتا رہوں گا یہاں تک کہ اللہ تمہیں ظاہر میں بھی ملا دے گا۔ پھر آن تک خواب میں ان کی ملاقات مجھ سے نہیں چھوٹی۔ بشیر نے دریافت کیا مگر تم قیدیوں میں کیسے آگئیں؟ انھوں نے جواب دیا ایک شب خواب میں حضرت ابو محمدؐ نے مجھے بتایا کہ تمہارے دادا فلاں فلاں دن مسلمانوں سے جنگ کے لیے ایک لشکر روانہ کریں گے پھر اس لشکر کے عقب میں خود بھی روانہ ہو جائیں گے، تم چند کنیزوں کے ساتھ بھیس بدل کر فلاں راستے سے ان کے ہمراہ ہو جانا۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ مسلمانوں کے نگران دستے نے مجھے دیکھ لیا پھر جو کچھ ہوا وہ تمہارے مشاہدہ میں ہے۔ یہ تمہاری اطلاع کے لیے میں نے بتا دیا ہے ورنہ کسی اور کو نہیں معلوم کہ شاہ روم کی دختر اس حال کو پہنچی ہے پھر مال غنیمت کی تقسیم میں جس شیخ کے حصہ میں میں آئی اس نے مجھ سے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ تو میں نے خود کو چھپانے کے لیے اپنا نام نرجس بتایا۔ اس نے کہا یہ کنیزوں کے نام ہیں۔

بشیر کا بیان ہے کہ میں نے کہا تعجب ہے تم رومی عورت ہو مگر تمہاری زبان عربی ہے؟ اس نے کہا ہاں، میرے جد کی بے حد تمنا تھی کہ میں دیگر زبانیں بھی سیکھوں، اس لیے انھوں نے اپنی ایک ترجمان عورت کو مقرر کیا جو صبح و شام



کیا اے میرے آقا! میں تو اسی مقصد سے حاضر ہوئی تھی کہ آپ سے اس کی اجازت لے لوں۔ آپ نے فرمایا اے مبارک! اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے کہ آپ کو بھی اجر و ثواب میں شریک کرے اور اس کار خیر میں آپ کا بھی حصہ ہو۔ جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ میں فوراً واپس آئی اور نرجس کو دوا لکھن بنایا اور اسے حضرت ابو محمدؑ کے لیے ہبہ کر دیا اور اپنے ہی گھر میں ان دونوں کو جمع کیا۔ امام ابو محمدؑ چند دنوں میرے پاس ہی رہے پھر اپنے والد بزرگوار کے پاس چلے گئے اور میں نے ان کے ساتھ ہی نرجس کو بھیج دیا۔

جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ابو الحسنؑ امام علی النقی علیہ السلام نے رحلت فرمائی تو حضرت ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام اپنے والد بزرگوار کی جگہ امامت کے عہدے پر فائز ہوئے اور جس طرح میں ان کے والد بزرگوار کی ملاقات کو جایا کرتی تھی اسی طرح ان کی بھی ملاقات کو برابر جانے لگی۔ ایک دن جب میں گئی تو نرجس میرے پاس آئی اور بولی، اے میری مالکہ! لائے میں آپ کے موزے اتاروں۔ میں نے کہا لیکن اب تو میری مالکہ واقف ہو گئی ہو، میں تم سے اپنے موزے اتارنے یا کسی قسم کی خدمت کا کام نہ لوں گی، بلکہ اب میں بسرو چشم تمھاری خدمت کروں گی۔

یہ باتیں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے سن لیں تو فرمایا، پھوپھی جان! اللہ آپ کو جزائے خیر سے نوازے۔ پھر میں ان کے پاس غروب آفتاب تک بیٹھی اس کے بعد کنیز کو آواز دی کہ میری چادر لے کر آؤ، میں واپس جاؤں گی۔

## ولادت حضرت صاحب الزمانؑ

امام ابو محمد علیہ السلام نے فرمایا، پھوپھی جان! آج شب آپ ہیں ہمارے

خوش ہوئیں۔ اس کے بعد آپ نے بہن سے فرمایا، بنت رسول! اس کو اپنے گھر لے جائیے اور فرائض و سنن (نماز وغیرہ) سکھائیے، یہی ابو محمدؑ کی زوجہ اور امام قائمؑ کی ماں ہے۔ (ترجمہ بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۲۹ تا ۳۲، جلاء العیون ص ۵۸ تا ۵۸۳ و منتہی الآمال شیخ عباس قمی ص ۲۱۸ تا ۲۲۱)

اس طرح آپ ہاجرہ ثانیہ بن کر فخر خلیل کی کنیزی میں آکر بادشاہ دو عالم کی ماں ہو گئیں۔

کلینی و ابن بابویہ اور شیخ طوسی و سید مرتضیٰ اور ان کے علاوہ بھی محدثین عالی شان نے بسند ہائے معتبر جناب حکیمہ خاتون سے روایت کی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ایک دن میرے برادر زادہ (امام حسن عسکری) مجھ سے ملاقات کے لیے آئے تو اس کنیز کو بغور دیکھنے لگے۔ میں نے کہا جان برادر! شاید یہ کنیز آپ کو پسند ہے تو میں اسے آپ کی خدمت کے لیے مخصوص کر دوں؟ آپ نے فرمایا اے پھوپھی جان! ایسا نہیں ہے بلکہ مجھے اس کو دیکھ کر تعجب ہو رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا تعجب ہو رہا ہے؟ تو فرمایا، اس کے بطن سے ایک ایسا بابرکت فرزند پیدا ہو گا جو زمین کو عدل و انصاف سے اتنا ہی بھر دے گا جتنا وہ ظلم و جور سے بھری ہوئی ہوگی۔ میں نے کہا اے میرے سردار! پھر میں آپ کے لیے اس کو بھیج دیتی ہوں۔ فرمایا نہیں، بلکہ آپ اس سلسلہ میں میرے پدر بزرگوار سے اجازت حاصل کریں۔

جناب حکیمہ فرماتی ہیں کہ پھر میں نے اپنا لباس تبدیل کیا اور حضرت ابو الحسنؑ امام علی النقی علیہ السلام کے گھر آئی، انھیں سلام کیا اور بیٹھ گئی۔ مگر ابھی میں نے سلسلہ کلام شروع نہ کیا تھا کہ انھوں نے خود ہی فرمایا، اے حکیمہ! اپنی کنیز نرجس کو میرے فرزند ابو محمدؑ کے لیے بھیج دو۔ میں نے عرض



آواز دی کہ بھوکھی! یہ امر الہی ہے اس پر گھبرانے اور متعجب ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت سے ہمیں بچپن ہی میں قوت گویائی عطا فرماتا ہے اور بڑے ہونے پر زمین والوں کے لیے اپنی حجت قرار دیتا ہے۔ ابھی یہ بات ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ نرجس اپنی جگہ سے غائب ہو گئی میرے اور اس کے درمیان کوئی پردہ حائل ہو گیا تھا۔ یہ دیکھ کر میں چیختی ہوئی دوڑ کر حضرت ابو محمد علیہ السلام کے پاس پہنچی۔ آپ نے مجھے پریشانی کے عالم میں دیکھ کر دلا سے دیا اور فرمایا، بھوکھی جان! آپ واپس جائیں۔ نرجس آپ کو اپنی جگہ پر لے گی۔ جب میں واپس ہوئی تو دیکھا کہ نرجس اپنے مقام پر موجود ہے، پردہ ہٹ چکا ہے اور اس کے جسم سے ایسا نور ساطع تھا کہ میری آنکھیں خیرہ ہو رہی تھیں۔ پھر ناگاہ دیکھا کہ وہ نومولود اپنے گھٹنوں، ہاتھوں اور پیشانی کو زمین پر ٹکائے ہوئے سجدۂ خالق میں ہے اور اس کی دونوں انگشت شہاد آسمان کی طرف بلند ہیں اور زبان سے یہ کلمے جاری کر رہا ہے اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ وَاَنَّ جَدِّي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ وَاَنَّ اَبِيَّ امِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ تَرْجَمَ: میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے جو یکتا ہے اس کا کوئی شریک نہیں اور یہ کہ میرے جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یہ کہ میرے پدر بزرگوار امیر المؤمنین ہیں اور پھر ایک ایک امام کا نام لیتے ہوئے خود اپنے نام کو زبان معجزنا پر جاری فرمایا اور عرض کیا اَللّٰهُمَّ اَنْجِزْ لِيْ وَعْدِيْ وَاَتْمِمْ لِيْ اَمْرِيْ وَثَبِّتْ وَطْأَتِيْ وَاَمْلَاْ اَلْاَرْضَ لِيْ عَدْلًا وَقَسْطًا اے اللہ تو مجھ سے اپنے کیے ہوئے وعدے کو پورا کرنا، میرے امر کو پورا کرنا اور مجھے ثابت قدم رکھنا اور میرے ذریعے زمین کو عدل و قسط سے بھر دینا۔

ساتھ قیام فرمائیں کیونکہ اس بچے کی ولادت ہونے والی ہے جو اللہ کے نزدیک بے حد مکرم ہے اور جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ مردہ زمین کو زندہ کرے گا میں نے دریافت کیا اے میرے سید و سردار! کس عورت سے؟ میں تو نرجس میں حمل کے کچھ بھی آثار نہیں دیکھتی۔ فرمایا، نرجس کے ہی بطن سے تولد ہوگا کسی غیر کے بطن سے نہیں۔ یہ سن کر میں نرجس کی طرف بڑھی اور اس کے پشت بطن کو بوسہ دیا مگر آثار حمل نظر نہ آئے۔ میں نے واپس آکر حضرت ابو محمد کو بتایا کہ میں نے یہ کیا ہے تو آپ مسکرائے اور فرمایا کہ آپ کو فجر کے وقت جنس میں آثار حمل بھی نظر آجائیں گے۔ کیونکہ اس کی مثال مادر موسیٰ جیسی ہے اس لیے کہ مادر موسیٰ میں بھی وقت ولادت موسیٰ تک حمل کا اظہار نہیں ہوا تھا اور نہ کسی کو حمل کا پتہ چلا، کیونکہ فرعون حاملہ عورتوں کے پیٹ موسیٰ کی تلاش میں چاک کر ادیتا تھا۔ یہ مولود بھی موسیٰ کی نظیر ہے۔ (جلال العیون ص ۵۸۴)

جناب حکیم کہتی ہیں کہ میں وقت طلوع فجر تک دیکھتی رہی، نرجس اس قدر گہری نیند میں تھی کہ پہلو بھی نہیں بدلتی تھی۔ مگر جب رات آخر ہوئی تو نیند سے چونک اٹھی۔ میں نے فوراً اسے اپنے سینے سے لگایا اور بسم اللہ پڑھ کر اس پر دم کیا، اتنے میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے آواز دے کر فرمایا کہ آپ اس پر ”سورہ قدر“ پڑھ کر دم کریں تو میں نے سورہ قدر پڑھ کر دم کیا اور پوچھا، تمہارا کیا حال ہے؟

نرجس نے کہا: وہ امر ظاہر ہو گیا ہے جس کی خبر آپ کو میرے آقا نے دی تھی۔ چنانچہ میں پھر سورہ قدر پڑھ کر نرجس پر دم کرنے لگی جیسا کہ آقا نے حکم دیا تھا کہ اتنے میں بچے نے بھی بطن مادر سے وہی پڑھنا شروع کر دیا جو میں پڑھ رہی تھی۔ یہ سن کر میں قدرے خوفزدہ ہوئی تو حضرت ابو محمد نے



مسکرا دیے اور فرمایا جب انبیاء و اوصیاء کی اولاد میں کوئی امام تولد ہوتا ہے تو اس کی نشو و نما دوسرے لوگوں کی اولاد سے مختلف ہوتی ہے۔ ہمارے بچوں میں سے جو بچہ امام ہوتا ہے جب وہ ایک ماہ کا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا وہ ایک سال کا ہے اور بطن مادر میں کلام کرتا ہے، اپنے رب کی عبادت کرتا ہے اور ایام شیر خواری ہی میں ہر صبح و شام اس پر ملائکہ نازل ہوا کرتے ہیں۔

جناب حکیمہ کا بیان ہے کہ اسی طرح اس بچے کی نشو و نما ہوتی رہی یہاں تک کہ حضرت ابو محمد علیہ السلام کی رحلت سے قبل تھوڑے ہی دنوں میں وہ بچہ مکمل مرد نظر آنے لگا ایسا کہ پہچاننا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ ایک روز میں نے حضرت ابو محمد علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون ہے جس کے سامنے آپ مجھے بیٹھنے کے لیے فرما رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا یہ نر جس کا فرزند ہے۔ یہی میرے بعد میرا خلیفہ و جانشین ہوگا اور میں عنقریب دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں لہذا اس کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا۔

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ پھر چند ہی دنوں میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے رحلت فرمائی اور لوگوں میں افتراق پیدا ہو گیا جیسا کہ تم دیکھتے ہو اور خدا کی قسم میں ہر صبح و شام ان کو دیکھتی ہوں اور ان کے متعلق جو لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں وہ اس سے بھی مجھے آگاہ کر دیتے ہیں اور میں تم لوگوں کو بتاتی ہوں اور خدا کی قسم جب بھی میں ان سے کسی بات کے پوچھنے کا قصد کرتی ہوں تو وہ میرے سوال کرنے سے پہلے ہی مجھے بتا دیتے ہیں۔

(ترجمہ بحار الانوار ج ۱۱ ص ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰، جلاء العیون ص ۵۸۴ تا ۵۸۶،

منتہی الآمال ج ۲ ص ۲۱ تا ۲۲)

پس اتنے میں حضرت ابو محمد علیہ السلام نے آواز دی کہ بھوپھی جان! اس بچے کو لے کر میرے پاس آئیے۔ میں اس کو لے کر آپ کے پاس گئی۔ بچہ میرے ہاتھ پر تھا جو ہی وہ اپنے پدر بزرگوار کے پاس پہنچا فوراً اس نے اپنے پدر بزرگوار کو سلام کیا۔ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اس کو آغوش میں لیا پھر چالیس روز تک مسلسل ہر روز ایک طائر آتا اور انھیں لے کر فضائے آسمانی میں پرواز کرتا اور دوسرے بہت سے طائر اس کے عقب میں پرواز کرتے تو اس وقت میں نے امام ابو محمد علیہ السلام کو یہ کہتے سنا کہ اے فرزند! میں نے تمھیں اس ذات کے سپرد کیا جس کو ام موسیٰ نے اپنے بیٹے کو سپرد کیا تھا۔ جب طائر بچے کو لے کر پرواز کر گیا تو نر جس رونے لگیں۔ حضرت امام ابو محمد علیہ السلام نے فرمایا، چپ ہو جاؤ اس لیے کہ اس بچے پر تمھارے سوا کسی کا دودھ حرام ہے، یہ جلد ہی تم کو واپس لے گا جس طرح موسیٰ اپنی ماں کو واپس لے گئے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: فَرَدَّ ذُنْهُ إِلَىٰ امِّهِ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ (سورہ القصص آیت ۱۳) ”پس ہم نے اس کو اس کی ماں کی طرف واپس کر دیا تاکہ اس کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس (مادر موسیٰ) کو دکھ نہ پہنچے۔“

جناب حکیمہ کہتی ہیں کہ میں نے پوچھا یہ طائر کیسا تھا؟ آپ نے فرمایا: یہ روح القدس تھے جو ائمہ کے لیے مقرر ہیں، ان کی مدد کرتے ہیں، ان کی حفاظت کرتے ہیں اور علم کے ساتھ ان کی تربیت کرتے ہیں۔ جناب حکیمہ کا بیان ہے جب چالیس روز گزر گئے تو بچہ واپس ہوا۔ میرے بھتیجے نے مجھے بلا بھیجا میں پہنچی تو دیکھا کہ ایک بچہ آپ کے سامنے اپنے پیروں سے چل پھر رہا ہے میں نے کہا میرے آقا! یہ بچہ تو دو برس کا معلوم ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ



کرے گا۔ میں نے قسم کھائی ہے کہ تیرے ذریعہ سے لوگوں کا مواخذہ کروں گا، تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں کو عطا کروں گا، تیرے ذریعہ سے لوگوں کو بخشوں گا اور تیرے ہی ذریعہ سے لوگوں پر عذاب نازل کروں گا۔ اے فرشتو! اب انھیں واپس لے جاؤ اور انھیں ان کے باپ کے سپرد کر دو اور نرمی کے ساتھ واپس لے جاؤ اور ان کے باپ کو یہ پیغام بھی پہنچا دینا کہ یہ بچہ میری ضمانت اور میری حفاظت و نگرانی میں اس وقت تک رہے گا جب تک حق ثابت نہ ہو جائے اور باطل مٹ نہ جائے اور دین میرے لیے تابید نہ ہو جائے۔ (جلال العیون ص ۵۸۷، بحار الانوار جلد ۱۱ ص ۴۰، منتهی الآمال ج ۲ ص ۴۲۵)

کتاب شواہد النبوت اور وفیات الاعیان و روضۃ الاحباب میں ہے کہ جب آپ پیدا ہوئے تو مخنث اور ناف بریدہ تھے اور آپ کے داہنے بازو پر آیات منقوش تھی جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا یعنی حق آیا اور باطل مٹ گیا اور باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔ یہ قدرتی طور پر بحر متقار کے دو مصرعے بن گئے۔ حضرت نسیم امر وہوی نے اس پر کیا خوب تضمین کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں ۵

چشم و چراغ دیدہ نرجس عین خدا کی آنکھ کا تارا  
بدر کمال نیم شعبان چودھواں اختر اوج بقا کا  
حامی ملت ماحی بدعت کفر مٹانے خلق میں آیا  
وقت ولادت ماشاء اللہ قرآن صورت دیکھ کے بولا

جاء الحق وزهق الباطل

ان الباطل كان زهوقا

(چودہ ستارے ص ۵۵۷-۵۵۶)

ایک دوسری روایت میں ہے کہ جناب حکیم خاتون فرماتی ہیں کہ ولادت کے تیسرے دن اس فرزند کی شوق زیارت میں حضرت امام حسن عسکری کی خدمت میں پہنچی اور میں نے پوچھا کہ میرے مولا کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے اس کے سپرد کر دیا ہے کہ جس کا حق ہم سے اور تم سے زیادہ ہے، سنا دن کے بعد تشریف لائیے۔ جب ساتویں دن میں گئی تو میں نے ایک گہوارہ میں اپنے مولا و آقا کو چودھویں رات کے چاند کی طرح ہنستے اور مسکراتے دیکھا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے مجھے پکارا کہ میرے فرزند کو لے آئیے۔ میں صاحبزادے کو آپ کی خدمت میں لے گئی۔ آپ نے اپنی زبان مبارک بچے کے دہن میں دے دی اور فرمایا اے بیٹا! کچھ پڑھو۔ آپ نے کلمہ شہادتین اور پیغمبر خدا اور تمام ائمہ پر صلوات پڑھی اور بسم اللہ پڑھ کر وہ آیت جو پہلی رات میں بیان ہوئی پڑھی۔ یہ سن کر حضرت امام ابو محمد حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا اے فرزند! اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء اور رسولوں پر جو کچھ نازل فرمایا ہے اس کی بھی تلاوت کرو۔

اپنے پدر بزرگوار کی فرمائش پر امام عصرؑ نے حضرت آدمؑ کے صحیفوں سے جو سریانی زبان میں تھے، تلاوت شروع کی۔ پھر کتاب ادریسؑ، کتاب نوحؑ، کتاب ہودؑ، کتاب صالحؑ اور صحف ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی توریت و داؤدؑ کی زبور اور عیسیٰؑ کی انجیل اور میرے جد کے فرقان کی تلاوت کی۔ پھر اپنے زمانہ تک تمام انبیاء و مرسلین کے قصے سنائے۔ پھر امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا۔ جب میرے رب نے مجھے اس امت کا مہدی عطا فرمایا تو دو فرشتے بھیجے جو انھیں اٹھا کر شامیاء عرش تک لے گئے۔ خدا نے ارشاد فرمایا اے میرے بندے مرجا۔ تو میرے دین کی نصرت کرے گا، میرے امر کو ظاہر کرے گا، میرے بندوں کی ہدایت



## مولف کے دیگر تصانیف

الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانونی ممتاز الافاضل کی  
حسب ذیل دیگر کتابیں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں :

**فخر مریم**

جناب فاطمہ بنت اسد کی سوانح عمری

**سلمان محمدی**

حضرت سلمان فارسی کی سوانح عمری

**ام سلمہ**

ام المومنین حضرت ام سلمہ کی سوانح عمری

**متاع رباب**

شہزادہ حضرت علی اصغر کی سوانح عمری

**مار یہ قبطیہ**

ام المومنین حضرت مار یہ قبطیہ کے مختصر حالات

**فضہ**

کنیز زہرا حضرت فضہ کے مختصر حالات

**سوڈن سے قم تک** : سفرنامہ اسلامی جمہوری ایران

اے رب کریم! تیرے رسولؐ نے تیرے پیغام حریت کو تیرے بندوں  
تک پہنچانے میں حق ادا کر دیا اور انسان کو انسان کی غلامی سے نجات بخشی۔  
آج پھر صاحبان اقتدار تیرے کمزور و ناتواں بندوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنائے  
ہوئے ہیں اور عالم انسانیت پھر غلامی کا شکار ہے۔ میرے مالک! اپنے  
حبیب کے وارث کو جلد مامور فرما کہ اس ظلم و جور سے بھری ہوئی دنیا کو  
عدل و انصاف سے بھر دے اور ایک بار پھر عالم انسانیت آزادی کی فضا میں  
سانس لے سکے۔ اے مالک حقیقی اس کے وسیلہ اور صدقے میں اپنے اس  
سرتاپا غرق عصیاں بندے کو روز حساب آتش دوزخ سے نجات عطا فرما۔  
تمت بالخیر



# S-H-I-A

اسکینڈے نیوین حسینی اسلامک ایسوسی ایشن

یورپ میں اسلام کی تبلیغ انجام دینے والا یہ ادارہ  
الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوئی  
ممتاز الافاضل اسی،

زیر نگرانی بہترین خدمات انجام دے رہا ہے

رابطہ قائم کریں

Postal address:  
Box: 6018  
461 06 TROLLHÄTTAN  
SWEDEN

Fax and Tfn: (0520) 132 42  
Postgiro: 63 16 87-6  
Org. No.  
86 30 00-9440

پوسٹ بکس: ۶۰۱۸

۶۰۶۱-۴ - ترو لہتن - سویڈن

ٹیلی فون: ۱۵۲۴۲ - ۵۲۰

فیکس: ۱۵۲۴۲ - ۵۲۰





الحاج مولانا مقبول احمد صاحب قبلہ نوگانوی ممتاز الافاضل